توضیحات

بسلسلہ

امام طبری کون۔۔۔مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز؟

المعروف بہ

کھلا خط (الحجۃ القویۃ)

بنام
چیف ایڈیٹر روزنامہ اسلام
مفتی محمد زرین خان



پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

توضیحات (حصہ اول)

بسلسلہ

امام طبری کون
مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز؟

المعروف بہ

کھلا خط (الحجّة القويّة)

بنام

چیف ایڈیٹر روزنامہ اسلام

مفتی محمد زرین خان

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

وَحَآجَّهٗ قَوۡمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوۡٓنِّىۡ فِى اللّٰهِ وَقَدۡ هَدٰٮنِ ؕ وَلَاۤ اَخَافُ مَا
تُشۡرِكُوۡنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ رَبِّىۡ شَيۡـًٔـا ‌ؕ وَسِعَ رَبِّىۡ كُلَّ شَىۡءٍ عِلۡمًا ‌ؕ اَفَلَا
تَتَذَكَّرُوۡنَ (۸۰) وَكَيۡفَ اَخَافُ مَاۤ اَشۡرَكۡتُمۡ وَلَا تَخَافُوۡنَ اَنَّكُمۡ اَشۡرَكۡتُمۡ
بِاللّٰهِ مَا لَمۡ يُنَزِّلۡ بِهٖ عَلَيۡكُمۡ سُلۡطٰنًا ‌ؕ فَاَىُّ الۡفَرِيۡقَيۡنِ اَحَقُّ بِالۡاَمۡنِ‌ ۚ اِنۡ
كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ‌ۘ (۸۱) اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ يَلۡبِسُوۡۤا اِيۡمَانَهُمۡ بِظُلۡمٍ اُولٰۤـئِكَ لَهُمُ
الۡاَمۡنُ وَهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ (۸۲) (سورۃ الانعام)

اوراس کی قوم نے اس سے جھگڑا کیا،اس نے کہا کیا تم مجھ سے اللہ کے ایک ہونے میں جھگڑتے ہواوراس نے تو میری رہنمائی کی ہے،اور میں ان سے نہیں ڈرتا جنہیں تم شریک کرتے ہومگر یہ کہ میرا رب ہی کچھ (تکلیف پہنچانا) چاہے،میرے رب نے اپنے علم سے سب چیزوں پر احاطہ کیا ہوا ہے،کیا تم سوچتے نہیں۔

اور کیوں ڈروں تمہارے شریکوں سے حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہواس چیز کو جس کی اللہ نے تم پر کوئی دلیل نہیں اتاری،سو دونوں جماعتوں میں سے امن کا زیادہ مستحق کون ہے،اگر تم کو سمجھ ہے۔

جولوگ ایمان لائے اورانہوں نے اپنے ایمان میں شرک نہیں ملایا انہیں کے لیے امن ہےاور وہی راہ راست پر ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۳۰محرم ۱۴۳۸ھ
یکم نومبر 2016ء

حضرت المحترم مفتی محمد زرین خان صاحب زیدت معالیکم
چیف ایڈیٹر روزنامہ اسلام
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
امید بعافیت!

مجھے آپ سے ابھی تک بالمشافہ ملاقات کا شرف تو حاصل نہیں ہوسکا البتہ آپ کے نام اور کام سے کسی حد تک ضرور آگاہی حاصل ہے۔

آپ کے ایک ''فتویٰ'' سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی میرے نام اور کام سے ''کچھ کچھ'' واقف ہیں۔آپ نے اپنے ایک ''فتویٰ'' میں ہری پور کے چند سائلین کو ''جماعت المسلمین'' سے متعلق ایک سوال کے جواب میں اس جماعت کے ''گمراہ کن عقائد'' سے آگاہ کرتے ہوئے آخر میں یہ لکھا تھا کہ:

''مزید تفصیل کے لئے ''فرقہ مسعودیہ کا علمی محاسبہ'' از قاضی محمد طاہر... ملاحظہ فرمائیں''(ہفت روزہ ضرب مومن ۵تا۱۱/اگست ۲۰۰۵ء۔تحت'' آپ کے مسائل اور ان کا حل''زیرعنوان ''جماعت المسلمین کے گمراہ کن عقائد'')

سخت حیرت ہے کہ آپ قارئین کو تو اس بات کی تلقین کررہے ہیں کہ ''مزید تفصیل کے لئے...'' مگر کتاب اور مؤلف کا پورا نام لکھنا گوارا نہ کیا۔یہ کتاب ۱۹۹۶ء میں شائع ہوئی ہےاور ملک کے مختلف دینی جرائد ورسائل نے اس پر خوب تبصرے لکھے ہیں۔ملاحظہ ہو:ماہنامہ نقیب ختم

نبوۃ ملتان جون ۱۹۹۶ء، ماہنامہ نصرت العلوم گوجرانوالہ جون ۱۹۹۶ء، ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی جون ۱۹۹۷اور ماہنامہ القاسم نوشہرہ (حقانی تبصرے)

ظاہر ہے کہ آپ نے بھی کتاب پڑھ کر ہی اپنے قارئین اور سائلین کی راہنمائی کی تھی۔

اس کتاب کے خوبصورت ٹائٹل پر نام کچھ اس طرح لکھا ہوا ہے:

فرقہ مسعودیہ (نام نہاد جماعت المسلمین) کا علمی محاسبہ"

مؤلفہ پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

یہ کتاب ''قاضی چمن پیر الہاشمی اکیڈمی مرکزی جامع مسجد سیدنا معاویہؓ چوک حویلیاں۔ ہزارہ نے طبع کی ہے۔ مکمل نام اور پتہ لکھ دینے سے سائلین (جو حویلیاں سے صرف پندرہ کلومیٹر کے فاصلے پر مقیم تھے) کو بہتر راہنمائی مل سکتی تھی۔

یہاں یہ اشارہ کر دینا بھی بے محل نہ ہوگا کہ میرا تعلق حضرت پیر فقیر اللہ بکوٹی رحمہ اللہ کے خانوادے سے ہے جن کی دینی، علمی اور تبلیغی خدمات سے پاکستان بالخصوص کشمیر کے تمام طبقات بخوبی آگاہ ہیں۔ میرے والد صاحب (قاضی چمن پیر الہاشمی) نے اس سلسلہ کو بام عروج تک پہنچایا ہے۔ ان کی وفات (۱۹۹۰ء) کے بعد گذشتہ ۲۶ سالوں سے مسلسل مجھے بھی اس تبلیغی سلسلہ کو جاری رکھنے کی سعادت حاصل ہے۔

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تو ''عراق، کویت، اردن، شام اور سعودی عرب'' کے دوروں میں حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب صدر وفاق المدارس کے رفیق سفر بھی رہے ہیں۔ حضرت والد صاحبؒ یا میرے متعلق آپ کو مولانا سمیع الحق صاحب امیر جمعیت علماء اسلام پاکستان، مولانا محمد طیب کاشمیری صاحب سابق امیر جمعیت علماء اسلام آزاد جموں و کشمیر خطیب سبیل مسجد کراچی، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب مہتمم الجامعۃ الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی، ڈاکٹر منظور احمد مینگل صاحب کراچی اور مفتی اعظم آزاد کشمیر مولانا مفتی محمد رویس خان ایوبی میر پور سے بھی معلومات مل سکتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مختلف موضوعات پر میری ۲۰ کتابیں طبع ہو چکی ہیں جبکہ دو

مزید کتابیں ابھی طباعت کے مراحل سے گزر رہی ہیں۔ان کتب میں پیش کی گئی اپنی کسی رائے یا تحقیق کو کبھی ''حرف آخر'' نہیں سمجھا اور نہ ہی اپنی رائے قارئین پر مسلط کرنے کی کوئی کوشش کی ہے۔صرف یہ بتایا ہے کہ تصویر کا ایک ''رخ'' یہ بھی ہے۔

البتہ ''تحدیث نعمت'' کے طور پر اس بات کا ذکر کردینا بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ:

محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صحابہ کرامؓ کے ناموس کے تحفظ کے لئے میں تحریری، تقریری اور مسلسل آٹھ سال تک بھرپور عدالتی جنگ بھی لڑ چکا ہوں۔اللہ تعالیٰ بیش از بیش دین کی خدمت کی توفیق عنایت فرمائیں آمین۔اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی عرض کردوں کہ میں ''بحث برائے بحث'' یا کسی مروجہ مناظرے و مجادلے کا قائل نہیں ہوں۔دلیل کے ساتھ اپنا موقف پیش کردیتا ہوں جسے قوی دلیل کے ساتھ رد کیا جاسکتا ہے۔الحمدللہ! اس طرح کی دلیل مل جانے کے بعد اپنے موقف سے رجوع کرنے میں کسی قسم کا کوئی عذر کبھی مانع نہیں ہوتا۔باری تعالیٰ ایک لمحے کے لئے بھی غلطی اور باطل نظریے پر قائم رہنے کی توفیق نہ دے۔

روزنامہ اسلام اور ہفت روزہ ضرب مومن کے اجراء کے بعد میں ان کا مستقل قاری رہا ہوں لیکن بعد میں ''کبھی کبھار'' پر نوبت پہنچ گئی۔ایک عرصہ تک بلاشبہ ان میں اہل حق اور دینی تحریکات کی سرپرستی اور ترجمانی کا جذبہ غالب رہا مگر رفتہ رفتہ پرنٹ میڈیا کے ''قومی دھارے'' میں شمولیت کے جذبہ و شوق نے ادارہ کو مصلحت بلکہ مداھنت کی حد تک ''نرم گوشہ'' اختیار کرنے پر مجبور کردیا حتیٰ کہ جس عظیم شخصیت کی زیر سرپرستی اور ''دعا'' سے اس نیک کام کا آغاز ہوا تھا خود ان کا اسم گرامی ہی ''روزنامہ اسلام'' سے ہٹا دیا گیا!

جس آیت کا ترجمہ ''روزنامہ اسلام'' کی لوح کے عین اوپر دیا گیا ہے (بلاشبہ دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے) وہ ''روزنامہ اسلام'' کے ساتھ ہی کچھ مخصوص نہیں ہے بلکہ دیگر اخبارات کے مسلم مالکان اور پوری امت مسلمہ اس کی قائل ہے۔اس ''روزنامے'' کا نام اگر ''اسلام'' نہ بھی رکھا جاتا یا یہ آیت اس کی ''لوح'' پر نہ بھی رقم کی جاتی تو پھر بھی مذہبی حوالے سے اس کے سرپرستوں کے نام سامنے آجانے کے بعد قارئین کو اس سے اسلام اور اہل حق کی

ترجمانی ہی کی توقع تھی۔ مگر صد افسوس کہ اس میں دین اسلام کے تقاضے کے برعکس منافی عصمت انبیاء و مبنی بر توہین روایات پر مشتمل انتہائی زہریلے، مہلک اور قاتل ایمان مواد کی نہ صرف اشاعت کی گئی بلکہ اس کا پورا پورا دفاع بھی کیا گیا۔

کھلا خط لکھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟

حضرت مفتی صاحب!

اس ''کھلے خط'' کے لکھنے کا ایک اہم سبب و مقصد جہاں روزنامہ اسلام کے ''ادارے'' کو خواب غفلت سے بیدار کرنا ہے وہیں روزنامہ اسلام میں پندرہ ماہ کے طویل سکوت کے بعد ۱۶، ۱۷، ۱۸/ اکتوبر ۲۰۱۶ء کو شائع ہونے والے تین قسطوں پر مشتمل تازہ ''مضمون'' کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟ کی تیسری اور آخری قسط کے حوالے سے آپ کو اپنے باضابطہ احتجاج سے بھی آگاہ کرنا ہے۔

اس قسط کی اشاعت کے بعد کئی دن تک پاکستان و آزاد کشمیر کے مختلف شہروں سے ''احباب'' رابطہ کرتے رہے۔ بعض نے سخت سست اور برا بھلا بھی کہا، ان میں دونوں طرح کے احباب شامل تھے یعنی میری کتاب: ''امام طبری کون؟ مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز'' کا مطالعہ کرنے والے بھی اور نہ کرنے والے بھی۔

ان حضرات نے یہ اقدام ایک دینی و مذہبی اخبار کے ادارتی صفحہ پر شائع ہونے والے کالم پر اندھا دھند اعتماد کرتے ہوئے اٹھایا کہ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ''حق'' اور ''صحیح'' ہے اور میں نے فی الواقع قیس بن ابی حازم کو منکر الحدیث اور عروہ بن زبیر، امام زہری، خلیفہ بن خیاط اور محمد بن سعد پر نقد و جرح کر کے حدیث و تاریخ کے راویوں پر ظلم عظیم کیا ہے۔

علاوہ ازیں روزنامہ اسلام کے قارئین علماء، طلباء اور عام دیندار حضرات کی ایک بڑی تعداد بھی میرے بارے میں اس دینی و مذہبی اخبار پر محض ''اعتماد'' کرنے کی وجہ سے غلط فہمی کا شکار ہو گئی ہے۔ لہٰذا اس کے ازالے کے لئے زیر بحث قسط پر تبصرہ کرنا ناگزیر ہو گیا ہے۔

کیا چیف ایڈیٹر ''مسئول'' نہیں ہیں؟

حضرت مفتی صاحب!

☆ آپ روزنامہ اسلام کے چیف ایڈیٹر ہیں اس لئے اس اخبار میں مختلف فیہ مسائل پر شائع ہونے والے متنازعہ کالموں کی ذمہ داری سے آپ کو اخلاقاً، قانوناً اور شرعاً بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا بالخصوص ان کالموں سے جن میں انبیاءعظام علیہم السلام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی توہین وتنقیص پائی جاتی ہو۔

☆ ''مشاجرات صحابہؓ'' کی بحث کے لئے روزنامہ اسلام کا فورم استعمال کرنے کی اجازت دینا آپ کے لئے بحیثیت ایک مفتی بھی جائز نہیں تھا اور یوں بھی ایک اخبار میں اس بحث کا چھیڑا جانا قطعی طور پر کسی ''ضرورت شرعیہ وشدیدہ'' کے زمرے میں نہیں آتا۔

☆ ۲۱ جولائی ۲۰۱۵ء کو روزنامہ اسلام میں ''تاریخ صحابہ اور راہ اعتدال'' کی پہلی قسط کی اشاعت کے ساتھ ہی اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہونا شروع ہوگئی تھی اور اس احتجاج سے روزنامہ اسلام کے ذمہ داروں کو باضابطہ طور پر آگاہ بھی کردیا گیا تھا۔ مگر اس کے باوجود سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص پر مبنی اس مکروہ مضمون کی ۲۲ جولائی ۲۰۱۵ء کو دوسری قسط بھی شائع کردی گئی جس سے احتجاج میں تیزی آئی اور ملک بھر سے محبان و جان نثاران صحابہؓ نے اپنے غم و غصے کا اظہار کیا اور آپ ہرگز اس معاملے سے بے خبر نہیں تھے۔ تین دن کے تعطل کے بعد ۲۶، ۲۷، ۲۸ جولائی ۲۰۱۵ء کو اس مضمون کی تیسری، چوتھی اور پانچویں قسط بھی شائع کردی گئی۔

☆ مذکورہ پانچ اقساط کی اشاعت کے بعد بھی صحابی رسول سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین وتنقیص کا سلسلہ رکنے کے بجائے جاری رہا اور سوشل میڈیا فیس بک کے ساتھ ساتھ روزنامہ اسلام میں ایک مرتبہ پھر ۲ اور ۵ ستمبر ۲۰۱۵ء کو ''ایک خط اور اس کا جواب'' پر مشتمل دو قسطیں مزید شائع کردی گئیں۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ آپ سمیت

اخبار کے دیگر ذمہ دار اس مکروہ مضمون کے مندرجات کے ساتھ مکمل طور پر متفق ہیں۔

☆ زیر بحث مضمون کی سات اقساط میں روزنامہ اسلام کے ادارتی صفحات پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قطعی طور پر ''بلا جواز اور بلا کسی ضرورت شرعیہ وشدیدہ'' کے ہدف تنقید بنایا گیا ہے اور آں موصوفؓ کی ''مزعومہ ومفروضہ'' بغاوت کو اکابر کے اقوال کی آڑ میں اس کثرت اور تکرار سے زیر بحث لایا گیا ہے جو کسی محبّ صحابہؓ کا فعل ہرگز نہیں ہو سکتا بلکہ یہ تمام تر ''تکرار'' مشاجرات صحابہؓ کے شرعی حکم سے بھی واضح طور پر انحراف کے زمرے میں آتا ہے جو ''براہ راست'' کالم کا برادر نسبتی رسولؐ، خال المسلمین، فاتح عرب وعجم، مدبر اسلام، کاتب وحی، بانی اسلامی بحریہ خلیفہ راشد عادل وبرحق، ہادی ومہدی حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی ذات اقدس پر ''براہ راست'' ناپاک وناروا حملہ ہے۔

تفصیل کے لئے میری کتاب ''امام طبری کون؟ مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز'' (از ص ۲۷۶ تا ۳۱۶) کی طرف مراجعت فرمائیں۔

☆ روزنامہ اسلام کی سات اقساط (21، 22، 26، 27، 28 جولائی، 2، 5 ستمبر 2015ء) میں ''بغاوت، بغاوت اور باغی، باغی کی رٹ لگانے کے علاوہ ایک جلیل القدر صحابی کے خلاف جارحیت، غیر مناسب طرز استدلال، تنقیدانہ انداز بیان اور تنقیصانہ لب ولہجہ اختیار کرنے کے بعد ''کالم براہ راست'' کا رخ فوری اور بالکل غیر ضروری طور پر ''عصمت انبیاء کے سراسر منافی اور صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت معاویہؓ کی توہین پر مبنی روایات کا انبار لگانے والے امام طبری کے دفاع کی طرف مڑ جاتا ہے۔ چنانچہ آپ کے زیر ادارت روزنامہ اسلام کے ادارتی صفحات پر 29، 30، 31 جولائی، 1، 2 اگست 2015ء کو پہلے ''علامہ طبری...... مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز'' کے عنوان سے پانچ اقساط اور پھر 9، 10، 11، 12 اگست 2015ء زیر عنوان ''احتیاط لازم ہے'' چار اقساط (یعنی کل 9 قسطوں) پر مشتمل طویل سلسلہ میں سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کو داغدار اور مجروح کرنے والے ضعیف اور غیر معتبر رواۃ اور ناقلین کا پورا پورا دفاع کیا گیا ہے۔

☆ پیکرِ حمیت اور جذبہ حب النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار عظیم اور عالمی شہرت یافتہ کالم نگار جناب اوریا مقبول جان صاحب نے اپنے ایک کالم میں تاریخ طبری میں نقل کئے گئے دو توہین آمیز واقعات کا اشارتاً اور بالکل مبہم انداز میں ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ:

"...طبری عام مسلمانوں کی بات کرتا تو برداشت تھا لیکن اس نے تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے بارے میں بھی دو عدد من گھڑت قصے اس قدر فضول اور بیہودہ انداز میں تحریر کئے ہیں کہ انہیں درج کرنے کی بھی ہمت نہیں پاتا۔ ان دونوں فضول قصوں کا نہ کہیں قرآن میں ذکر ہے اور نہ ہی احادیث کی کتابوں میں۔ لیکن طبری نے اپنے ذہن کی غلاظت کو تاریخ کی چاشنی بنا کر پیش کیا ہے..." (روزنامہ ایکسپریس ۔ ۷ جولائی ۲۰۱۵ء بہ عنوان: "ہمارے افسانہ ساز مؤرخین")

اس اقتباس میں جناب اوریا مقبول جان صاحب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام میں ان دو من گھڑت اور بے ہودہ قصوں کو نہ صرف یہ کہ نقل کرنے کی ہمت نہیں کر سکے بلکہ موصوف نے ان کی نشاندہی تک نہیں کی، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ منافی عصمت اور مبنی بر توہین ان جھوٹے قصوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہرگز منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اوریا مقبول جان صاحب نے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس اور عصمت کے تحفظ و دفاع میں امام طبری پر نقد کیا تھا۔

حضرت مفتی صاحب!

(۱)	کیا روزنامہ اسلام کے ذمہ داروں کے لئے یہ بات کسی بھی درجے میں مناسب تھی کہ وہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کے بجائے امام طبری کے دفاع میں خم ٹھونک کر اور کشتیاں جلا کر میدان عمل میں اتر پڑتے؟
(۲)	کیا ایک صحافی کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں امام طبری کو ان دو جھوٹے قصوں کی بناء پر "افسانہ ساز" قرار دینے کا "جرم" نظر انداز کر دینے کے قابل نہ تھا؟
(۳)	اگر یہ کوئی "ناقابل معافی جرم" تھا تو ملک میں ہزاروں مدارس، ہزاروں علماء اور سینکڑوں علمی و تحقیقی رسائل و جرائد نے اس "گستاخی" کا نوٹس کیوں نہ لیا؟

(۴)	جب اوریا مقبول جان صاحب نے منافی عصمت اور مبنی بر توہین ہونے کی بناء پر ان قصوں کی خود کوئی نشاندہی نہیں کی تو اس توہین آمیز بحث کو "چھیڑنے" کی خاطر کیا روزنامہ اسلام کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ بتکرار ان سے یہ استفسار کرتے کہ: "چاہے آپ انہیں نقل کرنے کی ہمت نہ پاتے ہوں لیکن ان کا حوالہ تو دیجئے، ضروری نہیں کہ کسی روایت کا وہی مطلب ہو جو آپ سمجھے ہوں"؟

حالانکہ روزنامہ اسلام کے استفسار سے کئی دن پہلے اوریا مقبول جان صاحب قارئین کو اس غلط فہمی سے نکالنے کے لئے اپنی دینی، شرعی اور اخلاقی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے زیر بحث موضوع سے غیر متعلقہ کالم کے آخر میں یہ نوٹ تحریر کر چکے تھے کہ:

"تاریخِ طبری کے حوالے سے ایک قرض تھا، جو میں نے ادا کیا ہے۔ میں اسے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دو گستاخانہ من گھڑت افسانے تخلیق کرنے کا مصنف سمجھتا ہوں، جس کا ذکر نہ قرآن پاک میں اس طرح ہے نہ احادیث کی کتب میں، اور میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید محبت کی وجہ سے طبری سے نفرت کرتا ہوں۔ ایک واقعہ حضرت زیدؓ کی سیدہ زینبؓ سے طلاق کا، جسے کمال بے ہودگی سے اس نے تحریر کیا اور دوسرا واقعہ غرانیق۔ کسی معترض کالم نگار، اخبار نویس یا دانشور میں حوصلہ ہے تو صرف سیدہ زینب والا واقعہ پڑھ کر دیکھ لے اور اس کے باوجود جرأت رکھتا ہے تو اسے من وعن اپنے کالم کی زینت بنا کر دکھا دے۔" (روزنامہ ایکسپریس 13 جولائی 2015ء، تحت "مسلم ہولوکاسٹ امت کا اجتماعی قتل عام")

حضرت مفتی صاحب!

(۵)	کیا روزنامہ اسلام کے لئے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام میں اس بحث سے "سکوت" اختیار کرنا "فرض عین" نہیں تھا؟

مگر صد افسوس کہ "سکوت" اختیار کرنے کے بجائے 13 جولائی 2015ء کے مذکورہ صرف "چھ سطری نوٹ" کے بعد روزنامہ اسلام نے معلوم نہیں کہ کس طبقے کی خوشنودی کی خاطر (کیونکہ کتاب وسنت کی روشنی میں 9 قسطوں پر مشتمل جوابی طویل مضمون میں ہرگز

اللہ تعالیٰ کی رضا نہیں پائی جاتی)29 جولائی تا 12 اگست 2015ء اپنے ادارتی صفحات میں یہ مکروہ اور توہین آمیز بحث چھیڑ دی!

☆ ستم بالائے ستم یہ کہ اس سلسلہ کے 15 ماہ کے بعد 16، 17، 18 اکتوبر 2016ء کو روزنامہ اسلام کے ان ہی صفحات پر عام صحافتی ہی نہیں بلکہ خالص اسلامی آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس بدمزہ بحث کا پھر اعادہ کر دیا گیا۔فیاللعجب۔فیا اسفا

☆ محترم جناب اوریا مقبول جان صاحب نے اپنے "چھ سطری نوٹ" میں نہایت ہی پُراعتماد انداز میں یہ چیلنج دیا تھا کہ: "کسی معترض کالم نگار، اخبار نویس یا دانشور میں حوصلہ ہے تو صرف سیدہ زینب والا واقعہ پڑھ کر دیکھ لے اور اس کے باوجود جرأت رکھتا ہے تو اسے من وعن اپنے کالم کی زینت بنا کر دکھادے۔"(روزنامہ ایکسپریس 13 جولائی 2015ء)

موصوف کا یہ اعتماد اپنی جگہ درست تھا کہ کوئی مسلم کالم نگار، اخبار نویس یا دانشور یا کوئی عام مسلمان اس جھوٹے، لغو اور باطل قصے کو نہ تو پڑھنے کی ہمت کر سکتا ہے اور نہ ہی اسے من وعن لکھنے کا حوصلہ۔پاکستان میں موجود ہزاروں مسلم کالم نگاروں، اخبار نویسوں اور دانشوروں حتیٰ کہ سیکولر طبقہ نے بھی اس "اعتماد" کو ٹھیس نہیں پہنچائی اور انہوں نے باقاعدہ اس اعتماد پر پورا اتر کر بھی دکھا دیا۔مگر صد افسوس کہ جناب اوریا مقبول جان صاحب کے اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کے سراسر منافی اور توہین پر مبنی اس قصے کو روزنامہ اسلام میں نہ صرف یہ کہ "من وعن" نقل کیا گیا بلکہ الٹا یہ باطل دعویٰ بھی داغ دیا گیا کہ:

"اس میں کون سی بات ایسی ہے جسے بے ہودہ اور گستاخانہ کہا جائے اور طبری پر توہین رسالت کا الزام عائد کیا جائے، کیا یہ بات معیوب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کو جسے طلاق ملنے والی تھی اور سیرت وصورت، حسب ونسب ہر لحاظ سے اعلیٰ تھی، سہارا دینے کا سوچ رہے تھے...اسے عیب شمار کیا جائے گا یا اخلاق کی انتہاء۔(حالانکہ طلاق کا ذکر تو بقول طبری نگاہ پڑنے اور ان کی محبت کے دل میں کھب جانے کے بعد آیا تھا۔از راقم) یا یہ بات ناقابلِ یقین ہے کہ ایک دن سیدہ رضی اللہ عنہا دوپٹے کے بغیر گھر میں تشریف فرما تھیں؟اگر

ایسا تھا تو یہ کوئی محال بات نہیں۔ایک گرم ملک میں،گھر کی تنہائی میں کوئی عورت کچھ دیر کے لیے اوڑھنی اتارے ہوئے ہوتو کیااسلام میں اس پر پابندی ہے!یا یہ اخلاق سے ماوراء حرکت ہے!یاغیر محرم پرنگاہِ رسالت کااچانک پڑجانا محال بات ہے؟اس کاذکر عصمتِ انبیاء کے منافی اوراسے نقل کرنا توہینِ رسالت ہے؟یہ تو تب ہوتا جب انبیاء کرام بشری تقاضوں یاسہو سے مبرا ہوتے۔(یہ اسلوب بھی صریح توہین پر مبنی ہے یعنی چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشری تقاضوں اورسہو سے مبرا نہیں تھے اس لئے کسی کی منکوحہ کی محبت کا دل میں واقع ہو جانا نعوذباللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سے کوئی بعید نہیں۔)اُمت کا کبھی بھی یہ عقیدہ نہیں رہا کہ پیغمبر اپنے تمام کمالات و امتیازات کے باوصف بشری خصوصیات سے بے نیاز ہوتے ہیں..اگر کوئی اصل عربی میں طبری کی روایت پڑھے شاید روایت کا یہ فقرہ سب سے زیادہ عجیب بلکہ سخت ناگوار محسوس ہوگا۔"فوقع اعجابها في قلب النبي صلى الله عليه وسلم "(حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی پسندیدگی آئی۔)ہم اپنی سطحی وجذباتی ذہنیت کی بناء پر کم ازکم اس عبارت کوضرور گستاخانہ قرار دے دیتے مگر کیا کیجئے کہ خود اللہ کے فرمان کے مطابق یہ ناممکن بات نہیں۔پیغمبر کے دل میں حسن کی پسندیدگی آجانے کے امکان کاذکر خود خالقِ کائنات نے کیا ہے:" لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ" ان کے علاوہ اورعورتیں آپ کے لئے حلال نہیں ہیں اور نہ یہ درست ہے کہ آپ ان بیویوں کی جگہ دوسری بیویاں کرلیں اگر چہ آپ کو ان (دوسری عورتوں) کا حسن اچھا معلوم ہو(الاحزاب:۵۲) طبری کی روایت میں صرف"اعجاب"(پسندیدگی) کا ذکر ہے۔آیت میں زیادہ صراحت کے ساتھ"اعجابِ حُسن"(حسن کی پسندیدگی) کالفظ ہے۔اچھی چیز کا اچھا لگنا،ایک فطری بات ہے۔قلب ونظر کے صحت مند ہونے کی علامت ہے۔خوشبو ہر کسی کے مشام کومعطر کرتی ہے اوراگر کسی کونہیں محسوس ہوتی تو یہ خوبی نہیں،احساس کی کمزوری شمار ہوگی۔پس اس روایت کوکس لحاظ سے گستاخانہ کہاجائے گا!ایک متاثر کن شخصیت سے متاثر ہونا کوئی انہونی بات ہوسکتی ہے؟ جمال اور بدصورتی میں فرق کرلینا اگر گناہ ہے تو ضرور روایت کوعصمتِ انبیاء کے مخالف قرار دیا جاسکتا ہے،اوراگر یہ کوئی گناہ نہیں بلکہ اللہ کی

دی ہوئی ان فطری نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے جو کم وبیش ہر انسان کو نصیب ہے تو پھر اس واقعے کو توہینِ رسالت پر مبنی قرار دے کر طبری کو گستاخ قرار دینا بھی غلط ہے۔اتنا ضرور ہے کہ طبری میں اس امکان کو واقعاتی شکل میں بیان کیا گیا ہے، یعنی ایسا ہوا تھا۔قرآن مجید میں امکان بیان کیا گیا ہے یعنی ایسا ہو سکتا ہے، یہ ذکر نہیں ہے کہ ایسا کبھی ہوا بھی تھا‘‘ (روزنامہ اسلام 10 اگست 2015ء۔احتیاط لازم ہے)

حضرت مفتی صاحب!

(۶)	کیا ’’آیت وروایت‘‘ کے مذکورہ تقابل میں کوئی توہین وتحقیر نہیں پائی جاتی؟
(۷)	کیا فاسد قیاس کی اس سے بڑھ کر بھی کوئی مثال ہو سکتی ہے؟
(۸)	کیا حضرت زیدؓ کی منکوحہ کے حسن سے متاثر ہو جانا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان ہے؟
(۹)	کیا کسی دوسرے کی ’’منکوحہ‘‘ کی ’’محبت‘‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں واقع ہو سکتی ہے؟
(۱۰)	کوئی مفسر، مجتہد اور مؤرخ اس ’’امکان‘‘ کو باقاعدہ ’’وقوع‘‘ میں تبدیل کر دے تو کیا پھر بھی یہ روایت منافی عصمت اور گستاخانہ قرار نہیں پائے گی؟
(۱۱)	کیا قرآن میں مذکور ’’امکان‘‘ کا پہلو ملحوظ رکھتے ہوئے ہمارے لئے اس روایت کو عصمت کے منافی اور مبنی بر توہین کہنے کی بھی گنجائش نہیں رہتی؟
(۱۲)	اگر ایسا ہے تو پھر جن مفسرین ومحدثین اور علماء (حوالے آگے آرہے ہیں) نے اس روایت کو گستاخانہ اور منافی عصمت قرار دیا ہے ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟
(۱۳)	کیا ’’امکان‘‘ کے پہلو کا شوشہ نکال کر یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر بذات خود اتہام نہیں ہے؟
(۱۴)	کیا دوسرے کی منکوحہ کو دیکھ کر اس کے حسن و جمال میں فرق کرنا بھی بشری تقاضوں میں آتا ہے؟

امام طبری کا تشیع

حضرت مفتی صاحب!

چونکہ آپ "عدیم الفرصت اور کثیر المشاغل" ہونے کی بناء پر 15 ماہ کا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی اس انتہائی اہم اور حساس ترین مسئلہ کو وقت نہیں دے سکے ہیں اس لئے آپ کی سہولت کے پیش نظر امام طبری کی تاریخ اور تفسیر سے انبیاء عظام علیہم السلام اور صحابہ کرام کی توہین وتنقیص پر مبنی چند روایات پیش کی جاتی ہیں تاکہ ان کی روشنی میں آپ کسی نتیجے پر پہنچ جائیں۔ ملاحظہ فرمائیں:۔

"سنی" مفسر، محدث، مجتہد، فقیہ اور مؤرخ محمد بن جریر بن یزید طبری کی:

"آیت وضو، آیت مباہلہ، آیت ولایت، آیت مودّت قربیٰ، آیت تطہیر اور حدیث کساء کی تفسیر وتشریح میں اہل تشیع کے نظریات وافکار کے ساتھ، مشابہت، موافقت اور کامل مطابقت کے علاوہ خوارزمی، محمد سلیمانیؒ اور مفسر ابوحیان اندلسیؒ کی امام طبری کے رفض سے متعلق شہادات کو اگر قبول نہ بھی کیا جائے تو یاقوت حمویؒ، ابن اثیر جزریؒ، امام ابن کثیرؒ، امام ذہبیؒ اور علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کی گواہی اور اعتراف کے مطابق "فیہ تشیع وموالات" کو تو کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا حتیٰ کہ "روزنامہ اسلام" کے ادارتی صفحہ پر بھی یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ "امام ذہبیؒ اور ابن حجرؒ کی ان الفاظ سے مراد یہ ہے کہ امام طبری میں معمولی سا تشیع اور اصحاب علیؓ کی طرف جھکاؤ پایا جاتا تھا جو مضر نہیں تھا نیز پہلی صدی ہجری سے تیسری صدی ہجری کے اواخر تک تشیع کا مطلب آج کل جیسی شیعیت نہ تھا جبکہ صحابہؓ سے بیزار طبقہ کو اس دور میں رافضی کہا جاتا تھا لہٰذا امام طبری کے ترجمہ میں "فیہ تشیع" کی جرح سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا" (روزنامہ اسلام 31 جولائی 2015ء)

حضرت مفتی صاحب!

(۱۵)	روزنامہ اسلام کے مضمون کے مطابق امام طبری میں تشیع وموالاۃ جب دونوں جمع ہیں تو پھر امام طبری کا "تشیع" یسیر یا غیر مضر کیوں کر قرار دیا جاسکتا ہے؟

روزنامہ اسلام میں امام طبری کے متعلق یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ ان میں ''تشیع، موالات، علویوں کی حمایت، اہل بیت کی طرف جھکاؤ میں غلو پایا جاتا تھا اور موصوف نے حدیث غدیر خم کو ثابت کرنے کے لئے ''چار اجزاء'' پر مشتمل کتاب بھی تصنیف فرمائی ہے''

حضرت مفتی صاحب!

(۱٦)	ان حقائق کو تسلیم کر لینے کے بعد اس دلیل سے استدلال کرنا کہ ''پہلی صدی ہجری سے تیسری صدی ہجری کے اواخر تک تشیع کا مطلب آج کل جیسی شیعیت نہ تھا...'' کیا یہ خود فریبی اور فریب دہی کی ایک بدترین مثال نہیں ہے؟

☆ تفصیل کے لئے میری کتاب ''امام طبری کون؟ مورخ، مجتہد یا افسانہ ساز'' از صفحہ نمبر 126 تا 138 ملاحظہ فرمائیں۔

رفض طبری اور توہین صحابہؓ

روزنامہ اسلام (31 جولائی 2015ء) میں تو اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے کہ

''متقدمین کے دور میں صحابہؓ سے بیزار طبقہ کو ''رافضی'' کہا جاتا تھا''

''سنی'' امام طبری نے اپنی ''مایہ ناز'' کتاب ''تاریخ الامم والملوک'' میں کذاب راویوں کے کندھے پر بندوق رکھ کر صحابہ کرامؓ پر جو ''چاند ماری'' کی ہے اس سے تو خود روزنامہ اسلام کے اپنے ''اعتراف'' کے مطابق امام طبری کا صرف شیعہ ہونا ہی نہیں بلکہ رافضی ہونا بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ تاریخ طبری میں واضح طور پر صحابہ کرامؓ سے بیزاری پائی جاتی ہے۔

حضرت مفتی صاحب!

(۱۷)	کیا کوئی ''سنی مؤرخ'' یا مومن بالقرآن صحابہ کرامؓ کی ''تفسیق، تکفیر اور انؓ پر لعنت بھیجنے کا تصور بھی کر سکتا ہے؟

اب مختصراً امام طبری کی صحابہ کرامؓ پر ''چاند ماری'' ملاحظہ فرمائیں:

☆ امام طبری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین اور تدفین سے پہلے سقیفہ

بنو ساعدہ میں حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے انعقاد کی منظر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

... عن أبي مخنف... فأقبل الناس من كل جانب يبايعون أبابكر و كادوا يطؤون سعد بن عبادة، فقال ناس من أصحاب سعد: اتقوا سعدا لاتطؤه، فقال عمر: اقتلوه قتله الله، ثم قام على رأسه فقال: لقد هممت أن أطأك حتى تندر عضوك، فأخذ سعد بلحية عمر، فقال: والله لو حصصت منه شعرة مارجعت و في فيك واضحة...

لما قام الحباب بن المنذر انتفى سيفه... فحامله عمر، فضرب يده فندر السيف فأخذه، ثم وثب على سعد، و وثبوا على سعد، و تتابع القوم على البيعة، و بايع سعد، و كانت فلتة كفلتات الجاهلية، قام أبوبكر دونها و قال قائل حين أوطئ سعد قتلتم سعدا، فقال عمر: قتله الله إنه منافق...

(تاریخ الامم والملوک الجزء الثانی ص ۴۵۹ ۔ تحت سنۃ ۱۱ھ طبع بیروت)

''اب ہر طرف سے لوگ آ کر ابو بکرؓ کی بیعت کرنے لگے۔ قریب تھا کہ وہ سعدؓ کو روند ڈالتے۔ اس پر حضرت سعدؓ کے اصحاب میں سے کسی نے کہا: سعدؓ کو بچاؤ، ان کو نہ روندو۔

عمرؓ نے کہا: اللہ اسے ہلاک کرے، اس کو قتل کردو۔ اور خود ان کے سر پر آ کر کھڑے ہوگئے اور کہا: میں چاہتا ہوں کہ تم کو روند کر ہلاک کردوں۔ سعدؓ نے عمرؓ کی داڑھی پکڑ لی۔ عمرؓ نے کہا: چھوڑ دو اگر اس کا ایک بال بھی بیکا ہوا تو تمہارے منہ میں ایک دانت بھی نہ رہے گا...

عمرؓ نے اس (حباب بن منذرؓ) پر حملہ کیا، اس کے ہاتھ پر وار کیا، تلوار گر پڑی تو عمرؓ نے اسے اٹھالیا اور پھر سعدؓ پر جھپٹے...

اس وقت عہد جاہلیت کا سا منظر پیش آیا اور تو تو، میں میں ہونے لگی۔ ابو بکرؓ اس جھگڑے سے دور رہے۔ جس وقت سعدؓ پر لوگ چڑھ گئے، کسی نے کہا کہ: تم نے سعدؓ کو مار ڈالا۔ عمرؓ نے کہا: اللہ اسے ہلاک کردے۔ یقیناً وہ منافق ہے۔'' العیاذ باللہ!

(تاریخ الامم والملوک الجزء الثانی ص 459 ۔ تحت سنۃ 11 ھ طبع بیروت، تاریخ طبری حصہ دوم ۔ خلافت راشدہ حصہ اول مترجمہ محمد ابراہیم ص 34)

امام طبری نے کذاب اور جلے بھنے شیعہ راوی ابو مخنف کی سند سے مہاجرین و انصار صحابہ کرامؓ کا جاہلی حمیت و عصبیت اور شدید ترین توہین پر مبنی یہ مکروہ ترین منظر نامہ اس وقت کا پیش کیا ہے کہ ابھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو نہ تو غسل دیا گیا تھا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکفین و تدفین عمل میں آئی تھی۔

امام طبری نے مہاجرین و انصار کے اس ''تصادم'' کو عہد جاہلیت کی ''حمیت و عصبیت'' کے ساتھ تشبیہ دی جو کفار کا طرّہ امتیاز تھی۔ سخت حیرت ہے کہ اس ''تاریخ'' میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبانی رئیس انصار اور بدری صحابی حضرت سعد بن عبادہؓ کو ''منافق اور واجب القتل'' قرار دے دیا گیا!

اس موقع کے لحاظ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات تو یہ ہیں کہ: تم پر کوئی حبشی غلام بھی امیر بنا دیا جائے تو اس کا حکم سنو اور اس کی اطاعت کرو، جو ایسی حالت میں مرا کہ اس نے بیعت نہیں کی تو وہ جاہلیت کی موت مرا، جس نے جماعت چھوڑ دی وہ جاہلیت کی موت مرا۔

حضرت مفتی صاحب!

(۱۸)	کیا مہاجرین و انصار صحابہ کرامؓ کے اس اختلاف کو عہد ''جاہلیت کی حمیت و عصبیت'' کے ساتھ تشبیہ دینا ان شخصیات مقدسہ کی بدترین توہین نہیں ہے؟
(۱۹)	کیا حضرت عمرؓ ایک بدری صحابیؓ اور رئیس انصار حضرت سعدؓ بن عبادہ کو ''منافق'' قرار دے سکتے تھے؟
(۲۰)	کیا حضرت ابو بکر صدیقؓ اس نازک موقع پر ''سکوت'' اختیار کر سکتے تھے؟
(۲۱)	کیا یہ اولین ''انتخابی'' منظر نامہ ''اشداء علی الکفار رحماء بینھم'' کی عکاسی کرتا ہے؟
(۲۲)	''سنی'' مؤرخ طبری کے بیان کے مطابق کیا حضرت سعدؓ نے بیعت سے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ احکامات کی تعمیل کی تھی؟

اس کے بعد بقول طبری حضرت عمرؓ کو جب معلوم ہوا کہ کچھ لوگ حضرت فاطمہؓ کے گھر پر جمع ہیں اور وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت کرنے سے انکار کر رہے ہیں تو ''عمرؓ علیؓ'' کے مکان پر آئے وہاں طلحہؓ، زبیرؓ اور دوسرے مہاجر صحابہؓ موجود تھے:

''أتى عمر بن الخطاب منزل عليؓ، و فيه طلحة والزبير و رجال من المهاجرين، فقال: والله لأحرقن عليكم أو لتخرجنّ إلى البيعة، فخرج عليه الزبير مصلتاً بالسيف، فعثر فسقط السيف من يده، فوثبوا عليه فأخذوه''

(تاریخ الامم والملوک الجزء الثانی ص ۴۴۳ طبع بیروت)

''عمر بن خطابؓ، حضرت علیؓ کے مکان پر آئے وہاں طلحہؓ، زبیرؓ اور دوسرے مہاجر صحابہؓ موجود تھے۔ عمرؓ نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس گھر میں آگ لگا کر تم سب کو ضرور جلا دوں گا یا تم ضرور بیعت کے لئے باہر نکلو گے۔ تو اس دھمکی پر زبیرؓ تلوار نکال کر عمرؓ کی طرف بڑھے تو فرش میں پاؤں الجھ جانے کی وجہ سے گر پڑے اور تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ تب اور لوگوں نے زبیرؓ پر یورش کر کے ان کو قابو میں کر لیا۔'' (تاریخ طبری اردو جلد اول۔ سیرت النبی ص ۵۲۹۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی)

تاریخ طبری کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ اقدام بھی حضرت ابوبکرؓ کی مشاورت سے اٹھایا تھا۔ اسی لئے ۱۳ھ میں اپنی مرض موت میں انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے اپنی ندامت کا اظہار کیا تھا کہ تین کام ایسے تھے کہ میری خواہش اور چاہت یہ ہے کہ کاش میں نے وہ چھوڑ دیئے ہوتے۔ ان میں سے ایک بیت فاطمہؓ کا معاملہ بھی ہے۔ ''فأما الثلاث اللاتي و ددت أني تركتهن: فوددت أني لم أكشف بيت فاطمة عن شئي و إن كانوا قد غلّقوه على الحرب...(تاريخ الامم والملوك الجزء الثاني ص ٦١٩- طبع بيروت)

حضرت مفتی صاحب!

(۲۳)	حضرت عمرؓ کا ''بیت فاطمہؓ'' کو آگ لگانے کے لئے جانا کیا اہل تشیع کا نظریہ نہیں ہے؟

(۲۴)	کیا اہل سنت کے نزدیک بھی یہ بات درست کہ حضرت عمرؓ "بیت فاطمہؓ" کو آگ لگانے کے ارادے سے گئے تھے؟
(۲۵)	کیا یہ صحیح ہے کہ حضرت عمرؓ بیت فاطمہؓ پر حملہ کرنے کے لئے حضرت ابوبکرؓ کی مشاورت کے ساتھ گئے تھے؟

امام طبری حضرت ابوبکرؓ کے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد حضرت ابوسفیانؓ پر بہتان طرازی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"قال أبوسفيان لعليّ: مابال هذا الأمر في أقل حيّ من قريش، والله لئن شئت لأملأ نها عليه خيلا و رجالا، قال فقال عليّ: يا أبا سفيان طال ما عاديت الإسلام و أهله فلم تضره بذلك شيئا، إنا وجدنا أبابكر لها أهلا...

لـمّا اجتمع الناس على بيعة أبي بكر أقبل أبوسفيان وهو يقول: والله انّي لأرى عجاجة لا يطفئها إلّا دم، يا آل عبد مناف فيم أبوبكر من أموركم؟ أين المستضعفان؟ أين الأذلان عليّ والعباس؟ و قال: أبا حسن، ابسط يدك حتىٰ أبا يعك فأبى عليّ عليه...

قال فزجره عليّ وقال: إنك والله ما أردت بهذا الاّ الفتنة و إنك والله طال ما بغيت الاسلام شرا، لا حاجة لنا في نصيحتك...

قال هشام بن محمد و أخبرني أبو محمد القرشي قال لمّا بويع أبوبكر قال أبوسفيان لعليّ والعباس: أنتما الأذلان...

(تاریخ الامم والملوک الجزء الثانی ص ۴۴۹ طبع بیروت)

ابوسفیانؓ نے علیؓ سے کہا: یہ کیا ہوا کہ حکومت قریش کے سب سے کم تعداد قبیلے میں چلی گئی۔ اللہ کی قسم! اگر تم چاہو تو میں ایک زبردست فوج سے اس حکومت کو ابوبکرؓ سے چھین لوں۔

علیؓ نے کہا: اے ابوسفیانؓ! تم ہمیشہ سے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن رہے مگر تمہاری دشمنی سے اسلام کو کوئی نقصان نہیں ہوا۔ ہم نے ابوبکرؓ کو حکومت کا اہل سمجھا ہے...

جب لوگ ابوبکرؓ کی بیعت کے لئے اکٹھے ہوئے تو ابوسفیانؓ سب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ: مجھے یقین ہے کہ اس کارروائی سے ایک ہنگامہ برپا ہو جائے گا جس میں خون ریزی ہو کر رہے گی۔ اے آل عبد مناف! ابوبکرؓ کو تمہارے معاملات میں مداخلت کرنے کا کیا حق ہے؟ وہ دونوں ذلیل کہاں ہیں؟ جن کو کمزور اور حقیر سمجھا گیا ہے یعنی علیؓ اور عباسؓ۔ اے ابوالحسن تم ہاتھ بڑھاؤ میں تمہاری بیعت کرتا ہوں مگر علیؓ نے اس کی بات نہ مانی...... پس علیؓ نے ابوسفیانؓ کو ڈانٹا اور کہا اس تجویز سے تیرا مقصد صرف فتنہ و فساد برپا کرنا ہے۔ تو نے ہمیشہ اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ ہمیں تیری اس نصیحت کی کوئی ضرورت نہیں۔

ھشام بن محمد کلبی ابومحمد القرشی سے روایت کرتے ہیں کہ: ابوبکرؓ کی بیعت کے بعد ابوسفیانؓ نے علیؓ اور عباسؓ سے کہا کہ: تم دونوں ذلیل ہو کہ اس موقع پر خاموش ہو...

حضرت مفتی صاحب!

(۲۶)	کیا اس "مکالمے" میں حضرت علی، حضرت عباس اور حضرت ابوسفیان کی شدید ترین توہین نہیں پائی جاتی؟

مولانا مودودی صاحب نے بھی امام طبری کی اسی روایت کی بناء پر یہ لکھا ہے کہ:

"حضرت ابوسفیان کو بھی عصبیت ہی کی بناء پر ان (یعنی ابوبکر صدیقؓ) کی خلافت ناگوار ہوئی تھی اور انہوں نے حضرت علیؓ سے جا کر کہا تھا کہ قریش کے سب سے چھوٹے قبیلے کا آدمی کیسے خلیفہ بن گیا؟ تم اٹھنے کے لئے تیار ہو تو میں وادی کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں، مگر حضرت علیؓ نے یہ جواب دے کر ان کا منہ بند کر دیا کہ تمہاری یہ بات اسلام اور اہل اسلام کی دشمنی پر دلالت کرتی ہے..." (خلافت و ملوکیت ص 97)

حضرت مفتی صاحب!

(۲۷)	کیا آپ اور مولانا مودودی صاحب اس روایت کے حوالے سے ایک ہی پیج پر نہیں آ گئے؟

حضرت عمرؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا: ''مجھے خبر ملی ہے کہ تم یہ کہتے ہو کہ انہوں نے اسے (یعنی خلافت کو) ہم سے حسد اور ظلم کی وجہ سے الگ کر رکھا ہے''۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: ''آپ نے ظلم کا ذکر کیا ہے تو ہر جاہل اور عقل مند پر ظاہر ہے۔ جہاں تک حسد کا ذکر ہے تو حسد تو ابلیس نے حضرت آدمؑ پر بھی کیا تھا۔ ان ہی کی اولاد ہم ہیں جن پر حسد کیا جا رہا ہے'' (تاریخ طبری اردو حصہ سوم خلافت راشدہ حصہ دوم ص ۲۸۲)

(۲۸)	کیا اس روایت میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی زبانی حضرت عمرؓ کو ''ظالم اور حاسد'' نہیں قرار دیا گیا ہے؟
(۲۹)	کیا ظلم و حسد سے ان کے مابین باہمی محبت پیدا ہو سکتی ہے؟

امام طبری حضرت عثمانؓ کی بیعت کے موقع پر حضرت علیؓ کا احتجاج بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عثمانؓ کی خلافت کا اعلان کیا تو لوگ حضرت عثمانؓ کے چاروں طرف چھا گئے سب نے بیعت کی مگر حضرت علیؓ پیچھے رہ گئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا: ''جو عہد شکنی کرے گا اس کی عہد شکنی اس کی ذات کے لئے نقصان دہ ہوگی۔'' یہ سن کر حضرت علیؓ نے بیعت کی اور فرمایا: ''دھوکا اور فریب! کس قدر فریب دیا گیا ہے۔'' (تاریخ طبری حصہ سوم، خلافت راشدہ حصہ دوم ص ۳۱۰۔ مترجمہ رشید احمد)

حضرت مفتی صاحب!

(۳۰)	کیا حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ کی بیعت کرنے میں پیچھے رہ گئے تھے؟
(۳۱)	کیا حضرت علیؓ نے عہد شکنی کی تھی، جس کی بناء پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے انہیں اپنا عہد اور اقرار یاد دلایا؟
(۳۲)	کیا حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت علیؓ کے ساتھ دھوکا اور فریب کیا تھا؟

امام طبری خود اپنے حوالے ''قال أبو جعفر'' سے لکھتے ہیں کہ:

''وقد كان الناس انهزموا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم... وفرّ عثمان بن

عفان و عقبة بن عثمان و سعد بن عثمان رجلان من الأنصار حتیٰ بلغوا الجلعب جبلا بناحية المدينة ممایلی الأعوص، فأقاموا به ثلاثا ثم رجعوا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم... (**تاریخ الامم والملوک الجزء الثانی ص ۲۰۳ طبع بیروت**)

اس روایت میں امام طبری (۳۱۰ھ) خود حضرت عثمانؓ کی توہین کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ غزوہ احد سے فرار ہو کر مدینہ کے کنارے میں واقع ایک پہاڑی "جلعب" کے قریب چلے گئے جہاں وہ تین دن روپوش رہنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئے۔

ترجمان شیعت غلام حسین نجفی اس روایت کو اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں:

"السلام علیکم یا سرکار نبیوں کے سردار اے تو کون ہے؟ اجی میں آپ کا پہلا یار غار

تُو کون ہے میاں؟ اجی میں دوسرا یار، حاضر دربار، فاروق تابعدار

ارے تُو کون ہے؟ اجی خاکسار عثمان بن عفان جو تین دن سے فرار لیکن اس وقت ہوشیار اور خبردار، تنخواہ کا حقدار، مال غنیمت میں حصہ دار۔

خلاصہ نبی کریمؐ کے زمانے میں جتنی فتوحات ہوئی ہیں ثلاثہ کا جنگ سے بھاگنے میں نمبر فرسٹ رہا ہے۔" (قول مقبول ص 386)

امام طبری نے ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی حضرت عثمان کو کافر اور یہودی کہہ کر واجب القتل قرار دیا۔ ملاحظہ فرمائیں:

"اقتلوا نعثلاً فقد كفر قالت إنهم استتابوه ثم قتلوه..."

(تاريخ الامم والملوك الجزء الثالث ص ٤٧٧ - تحت سنة ٣٦هـ)

اس طرح امام طبری نے خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب ایک قول سے قاتلین عثمانؓ کو قتل عثمانؓ کے جواز کی ایک "دلیل" فراہم کر دی۔

حضرت مفتی صاحب!

آپ جانتے ہیں کہ حدیث میں جنگ کے موقع پر بھاگنے کو "اکبر الکبائر" میں شمار کیا گیا ہے۔

(۳۳)	کیا حضرت عثمانؓ غزوہ احد کے موقع پر جنگ سے پیٹھ پھیر کر فرار ہو گئے تھے؟

(۳۴) کیا حضرت عائشہؓ نے حضرت عثمانؓ کو واجب القتل قرار دیا تھا؟

موصوف نے محاربین علیؓ ہی کو نہیں بلکہ جا بہ جا حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، زبیر، سعد بن عبادہ، ابوموسیٰ اشعری، عمرو بن العاص، ابوسفیان، عباس بن عبدالمطلب اور حسین رضی اللہ عنہم کو بھی ہدف تنقید بنا ڈالا۔

جنگ صفین کے موقع پر ایک کذاب راوی کی روایت کی بنیاد پر تمام محاربین علیؓ کو فاسق اور باطل پر قرار دے دیا۔

"قال أبو مخنف... ان عمار بن یاسر خرج إلی الناس فقال: اللّٰهم إنك تعلم أنی لو أعلم ان رضاك في أن اقذف نفسي في هذا البحر لفعلته۔ اللّٰهم إنك تعلم أنی لو أعلم أن رضاك في أن أضع ظبة سيفي في صدري ثم أنحني عليها حتى تخرج من ظهري لفعلت، و إني لا أعلم اليوم عملا هو أرضى لك من جهاد هؤلاء الفاسقين، ولو أعلم أن عملا من الأعمال هو أرضىٰ لك منه لفعلته...

واللّٰه إني لأرى قوما ليضربنكم ضرباً يرتاب منه المبطلون و أيم الله لو ضربونا حتى يبلغوا بنا سعفات هجر لعلمنا أنا على الحق و إنهم على الباطل"

'(تاریخ الامم والملوک الجزء الرابع ص ۲۶۔۲۷ تحت سنہ ۳۷ھ۔طبع بیروت)

"ابومخنف (کذاب) سے روایت ہے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ نے لوگوں کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا: اے اللہ! آپ جانتے ہیں: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کی رضا اس میں ہے کہ میں اپنے آپ کو اس سمندر میں غرق کر دوں تو میں یہ بھی کر گزرتا۔ اے اللہ! آپ جانتے ہیں کہ مجھے اس کا علم ہوتا کہ آپ کی رضا اس میں ہے کہ میں اپنے سینے پر تلوار کی نوک رکھ کر اس پر گر جاؤں اور وہ میری پشت سے نکل جائے تو میں یہ بھی کر گزرتا۔ آج کے روز مجھے کسی ایسے عمل کا علم نہیں جو ان **"فاسقوں"** کے ساتھ جہاد کرنے سے بہتر ہو اور اگر مجھے کسی ایسے عمل کا علم ہوتا جو اس عمل سے زیادہ آپ کی رضا کا باعث ہوتا تو میں اسے ضرور انجام دیتا...

اللہ کی قسم میں ایک ایسی قوم کو دیکھ رہا ہوں جو تمہیں خوب مارے گی اور جس کی مار سے

باطل پرست روگردانی کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر وہ ہمیں مارتے مارتے ہجر کے کھجوروں کے باغوں تک بھی پہنچا دیں گے تب بھی ہم یہی یقین رکھیں گے کہ ہم حق پر ہیں اور یہ لوگ باطل پر۔"

حضرت مفتی صاحب!

(۳۵)	کیا محاربین علیؓ بالخصوص حضرت معاویہؓ، حضرت عمرو بن العاص اور دیگر صحابہ و تابعین فاسق تھے؟
(۳۶)	کیا محاربین علیؓ بالخصوص حضرت معاویہؓ، حضرت عمرو بن العاص اور دیگر صحابہ و تابعین باطل پر تھے؟

صفین کے مقام پر جنگ کے خاتمے کے لئے اہل شام کی طرف سے جب مصاحف بلند کئے گئے تو بقول امام طبری حضرت علیؓ نے فرمایا کہ:

"عباداللہ ! امضوا علیٰ حقکم و صدقکم قتال عدوّکم، فان معاویۃ و عمر بن العاص وا بن أبی معیط و حبیب بن مسلمۃ و ابن أبی سرح والضحاك بن قیس لیسوا بأصحاب دین ولا قرآن، انا أعرف بھم منکم وقد صحبتھم أطفالاً و صحبتھم رجالاً فکانوا شرّ أطفال و شر رجال..."

(تاریخ الامم والملوک الجزء الرابع ص ۳۴ تحت سنۃ ۳۷ھ طبع بیروت)

"اے اللہ کے بندو! تم اپنے حق و صداقت اور اپنے دشمنوں سے جنگ پر قائم رہو۔ کیونکہ معاویہ، عمرو بن العاص، عقبہ بن ابی معیط، حبیب بن مسلمہ، عبداللہ بن ابی سرح اور ضحاک بن قیس نہ دین والے ہیں اور نہ قرآن والے۔ (یعنی نہ ان کا دین ہے اور نہ ہی ان کا ایمان) میں تم سے زیادہ ان لوگوں سے واقف ہوں۔ میں تو بچپن میں بھی ان لوگوں کے ساتھ رہا اور بڑے ہو کر بھی ان کے ساتھ رہا۔ یہ بچپن میں نہایت شریر بچے تھے اور بڑے ہو کر بھی نہایت شریر آدمی نکلے۔"

حضرت مفتی صاحب!

امام طبری نے صحابہ کرامؓ کا کس قدر مکروہ نقشہ پیش کیا ہے۔

(۳۷)	کیا بے دین، بے ایمان اور شریر لوگ "رضی الله عنهم و رضواعنه" کا مصداق ہو سکتے ہیں؟
(۳۸)	کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء بے دین اور منکر قرآن ہیں؟
(۳۹)	کیا حضرت علیؓ اصحاب رسول سے متعلق یہ انداز تکلم اختیار کر سکتے ہیں؟

امام طبری اپنے ''مشائخ'' ابومخنف اور محمد بن السائب کلبی کی روایت سے حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا ''تحکیم'' کے موقع پر ایک یہ کردار پیش کرتے ہیں کہ:"فقال أبوموسیٰ: مالك لا وفقك الله، غدرت و فجرت، إنما مثلك كمثل الكلب، إن تحمل عليه يلهث أو تتركه يلهث۔قال عمرو: انما مثلك كمثل الحمار يحمل أسفارا......

(تاريخ الامم والملوك الجزء الرابع ص ۵۲۔ تحت سنة ۳۷ھ طبع بيروت)

''ابوموسیٰ نے کہا: اے عمرو: تجھے کیا ہو گیا۔اللہ تجھے نیک کام کی توفیق نہ دے تو نے غداری کی اور دھوکا دیا۔تیری مثال کتے کی مثال کی طرح ہے کہ اگر اسے کچھ ڈالو تب بھی زبان نکالے رہتا ہے اور اگر چھوڑ دو تب بھی زبان نکالے رہتا ہے۔اس پر عمرو بن عاصؓ نے جواب دیا کہ: اے ابوموسیٰ! تیری مثال گدھے کی مثال کی طرح ہے، جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہو۔''

حضرت مفتی صاحب!

حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما دونوں جلیل القدر صحابی ہیں۔انہوں نے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی طرف سے جنگ صفین میں ''ثالثی'' کا کردار ادا کیا تھا۔

(۴۰)	امام طبری نے "كان يضع للروافض" کے مطابق خود یہ روایت گھڑ لی یا پھر کسی دشمن صحابہ کے الفاظ نقل کر دیئے۔ دونوں صورتوں میں کیا ''حضرت موصوف'' مجرم نہیں ٹھہرتے؟

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی کہ: "اے اللہ اس کو باعزت مقام میں داخل کر، وہ مجھ سے ہیں، میں ان سے ہوں" (صحیح مسلم ابواب الفضائل)

اور عمرو بن العاص کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "لوگ اسلام لائے اور عمرو بن العاص ایمان لائے اور اپنی وفات تک ان سے محبت کرتے رہے" (مسند احمد)

امام طبری نے ان عظیم لوگوں کا کردار جس مکروہ اور بھونڈے طریقے سے پیش کیا ہے اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فریضۂ نبوت (ویزکیھم) ادا کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔

امام طبری کے مطابق حضرت علیؓ کو جب اس فیصلے سے آگاہ کیا گیا تو انہوں نے صبح کی نماز میں "قنوت" میں "دعا" پڑھنا شروع کر دی کہ

"كان إذا صلى الغداة يقنت فيقول: اللّهم العن معاوية و عمرا، وأبا الاعور السلمى و حبيبا و عبدالرحمن بن خالد (بن وليد) والضحاك بن قيس و الوليد... فبلغ ذلك معاوية فكان إذا قنت: لعن عليًا وابن عباس والأشتر و حسناً و حسيناً..." (حوالہ مذکور ص ۵۲)

اے اللہ معاویہ، عمرو بن عاص، ابوالاعور سلمی، حبیب بن مسلمہ، عبدالرحمٰن بن خالد (بن ولید) ضحاک بن قیس اور ولید بن عقبہ پر لعنت نازل فرما۔ پھر جب حضرت معاویہ کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے بھی قنوت میں حضرت علی، ابن عباس، اشتر، حسن اور حسین پر لعنت بھیجنی شروع کر دی۔

حضرت مفتی صاحب!

(۴۱)	کیا حضرت علیؓ بحالت نماز "قنوت" میں حضرت معاویہؓ، حضرت عمروؓ، اور حضرت ابوالاعور السلمیؓ اور حضرت حبیبؓ بن مسلمہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن ولیدؓ اور ضحاک بن قیسؓ پر لعنت بھیجا کرتے تھے؟
(۴۲)	کیا حضرت معاویہؓ بھی نماز میں حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ و حسینؓ پر لعنت بھیجا کرتے تھے؟

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ فلعنۃ اللہ علی الکاذبین

گذشتہ سطور سے یہ بات واضح ہوگئی کہ امام طبری نے متعدد کبار صحابہ کرام کو اپنے مشائخ ورواۃ کے ذریعے تنقید کا نشانہ بنایا ہے مگر حضرت معاویہؓ پر موصوف نے جو ستم ڈھایا ہے وہ کم از کم کسی کلمہ گو مسلمان کے تو کجا بلکہ کسی عام شریف انسان کے شایان شان بھی ہرگز نہیں ہے۔ تاریخ طبری کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ''رافضیت'' مجوسیت، سبائیت کے گٹھ جوڑ یا ''تگڈم'' نے ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید (سنی) طبری کا روپ دھار لیا ہے، بالفاظ دیگر امام طبری نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس ''تگڈم'' پر اندھا اعتماد کر کے اسے اپنی تاریخ کا حصہ بنا دیا ہے۔

اگر امام طبری بالفرض حضرت معاویہؓ ہی کو ہدف تنقید بناتے تو پھر بھی اس کا یہی مطلب لیا جاتا کہ وہ جملہ صحابہ کرام کی توہین کے مرتکب ہوئے ہیں کیونکہ جس طرح ایک نبی یا رسول کا انکار سب انبیاء ورسل کے انکار کو مستلزم ہے۔ اسی طرح ایک صحابی کی توہین بھی جملہ صحابہ کی توہین سمجھی جائے گی۔ قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط اور قوم نوح نے اگرچہ اپنے اپنے رسول ہی کی تکذیب کی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اسے سب رسولوں کی تکذیب قرار دیا۔ ملاحظہ ہو:

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ٥ (الحجر آیت ۸۰)

اور حجر والوں (یعنی قوم ثمود) نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِالْمُرْسَلِيْنَ٥ (الشعرآء آیت ۱۰۵)

نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔

كَذَّبَتْ عَادُ ِالْمُرْسَلِيْنَ٥ (الشعرآء آیت ۱۲۳)

قوم عاد نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ٥ (الشعرآء آیت ۱٤۱)

قوم ثمود نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِالْمُرْسَلِيْنَ٥ (الشعرآء آیت ۱٦۰)

قوم لوط نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔

كَذَّبَ اَصْحَابُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ o (الشعرآء آیت ۱۷۶)

ایکہ والوں (قوم شعیبؑ) نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔

حضرت مفتی صاحب!

امام طبری نے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت متعدد صحابہ کے خلاف بہ تصریحِ نام مبنی بر توہین روایات نقل کی ہیں؛ جن میں جا بہ جا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی کے ساتھ "لعنہ اللّٰہ" کے الفاظ اور جوازِ لعنت کے دلائل تحریر کئے گئے جو صدیوں سے مسلسل نقل ہوتے چلے آرہے ہیں جنہیں برابر لکھا اور پڑھا بھی جا رہا ہے۔ حضرت معاویہؓ کو بہ تصریح نام "ضال و مضل" لکھا گیا، پھر امام طبری نے وہ کارنامہ سرانجام دیا جس کا کوئی شریف انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔

حضرت مفتی صاحب!

امام طبری کے چہرے پر سے نقاب تقیہ اتارنے اور ان کی اصل تصویر دکھانے کی خاطر بکثرت توبہ و استغفار کرتے ہوئے، "نقل کفر، کفر نباشد" کے اصول کے تحت انتہائی دل آزار اور ناقابل برداشت عبارات آپ کی نذر کی جارہی ہیں تا کہ آپ یہ فیصلہ کریں کہ:

(۴۳)	کیا امام طبری مذکورہ آیات کریمات کی روشنی میں جملہ صحابہ کرامؓ کی توہین کے مرتکب نہیں ہوئے؟
(۴۴)	کیا اس موقع پر یہ جواب کسی بھی لحاظ سے اطمینان بخش ہو سکتا ہے کہ امام طبری سند لکھ کر بریُ الذمہ ہو گئے ہیں؟
(۴۵)	اگر بالفرض کسی مفسر، محدث، فقیہ، مؤرخ، عالم، مفتی اور صوفی کے والد محترم کو کوئی راوی "ضال مضل، فرعون ملعون" کے "القابات" سے نوازتا تو کیا وہ انہیں "دیانتاً" اپنی کتب میں "باسند" نقل کر کے راوی کی چھان پھٹک کی ذمہ داری اپنے بعد آنے والے علماء پر چھوڑ سکتا تھا؟

(۴۶)	کیا اس "نظریۂ فکر" کے حامی علماء کرام اپنے اکابر کے بارے میں اس طرح کے الفاظ استعمال کرنے پر محض روایت کی سند دیکھ کر مطمئن یا خاموش رہ سکتے تھے؟
(۴۷)	کیا وہ تب بھی یہ بودی دلیل دے سکتے تھے کہ مؤرخ "سند" لکھ کر بری الذمہ ہو گیا ہے اور یہ مستقبل کے محققین کی ذمہ داری ہے کہ وہ "سند" کی چھان پھٹک کریں؟
(۴۸)	کیا جس سے اللہ راضی ہو جائے وہ لعنت کا مستحق ہو سکتا ہے؟
(۴۹)	کیا اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اعزاز "رضی اللہ عنہم" کو، کوئی مؤرخ یا راوی "لعنہم اللہ" میں تبدیل کر سکتا ہے؟
(۵۰)	اگر کوئی شخص فی الواقع لعنت کا مستحق نہ ہو تو کیا از روئے شریعت اس پر لعنت کرنے والا یا لعنت کے الفاظ نقل کرنے والا یا ان کی تصدیق کرنے والا یا اس ناقل کی وکالت کرنے والا خود لعنت کا مستحق نہیں ہو جاتا؟

حضرت مفتی صاحب!

حضرت معاویہؓ سمیت جملہ صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ نے بصیغۂ ماضی، ابداً آباد تک "رضی اللہ عنہم" کے اعزاز سے نوازا ہے لہٰذا وہ اس "الٰہی اعزاز" سے کبھی بھی محروم نہیں کیے جا سکتے۔ امام طبری کے وکلائے صفائی کا یہ جواب کہ وہ "سند" بیان کر کے بری الذمہ ہو گئے ہیں قرآن و حدیث کے حکم کے صریح خلاف ہے۔

حضرت مفتی صاحب!

اس تمہید کے بعد حضرت معاویہؓ کے بارے میں امام طبری کی منقولہ چند توہین آمیز عبارات ملاحظہ فرمائیں:

"وانهم علی الباطل" حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھی باطل پر ہیں، "ھٰؤلاء الفاسقین" یہ لوگ فاسق ہیں۔ "قال علیّ: فان معاویة... لیسوا بأصحاب دین ولا قرآن، أنا اعرف

بهم منكم... فكانا شرّ أطفال و شرّ رجال" ۔حضرت علیؓ نے فرمایا:حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھی دین والے اور قرآن والے نہیں ہیں(یعنی بے دین اور بے ایمان ہیں) میں تم سے زیادہ ان لوگوں سے واقف ہوں۔وہ بچپن میں بھی شریر تھے اور بڑے ہو کر بھی شریر ہی رہے۔

"كان إذا صلى الغداة يقنت فيقول: اللّهم العن معاوية..."حضرت علیؓ صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے اور فرماتے اے اللہ معاویہؓ (اور ان کے ساتھیوں) پر لعنت کر۔(تاریخ الامم والملوک،الجزء الرابع ص ۲۷،۳۴،۲۵)

"أقرّ معاوية سمرة بن (جندب) بعد زياد ستة أشهر، ثم عزله، فقال سمرة لعن الله معاوية، والله لو أطعت الله كما أطعت معاوية ما عذبني أبداً۔" (حوالہ مذکور ص ۲۱۷)

زیاد کی وفات کے بعد حضرت معاویہؓ نے سمرہ بن جندبؓ کو بصرہ پر چھ ماہ تک حاکم رکھا پھر انہیں معزول کر دیا،سمرہؓ کہتے تھے کہ اللہ لعنت کرے معاویہؓ پر۔جتنی اطاعت اس کی میں نے کی اگر اللہ کی کرتا تو عذاب ابدی سے نجات پاتا۔

وكان جعفر بن أبي سفيان ممن ثبت يوم حنين مع رسول الله صلى الله عليه وسلم من أصحابه، ولم يزل مع أبيه ملازماً لرسول الله حتىٰ قبض، وتوفي جعفر في وسط خلافة معاوية لعنه الله(تاریخ الرسل والملوک۔القسم الرابع جلد۱۳۔ص۲۳۔۲۴)

"جعفر بن ابی سفیانؓ ان صحابہ کرامؓ میں سے ایک ہیں جو غزوہ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے اور زندگی بھر اپنے والد(ابوسفیانؓ) کے ساتھ آپ کی بارگاہ میں حاضر رہے۔حضرت جعفر،معاویہ "لعنه الله" (اللہ اس پر لعنت کرے) کی خلافت کے درمیان میں فوت ہوئے۔"

"وقد روى نوفل بن معاوية عن النبي صلى الله عليه وسلم، و توفي نوفل في خلافة يزيد بن معاوية لعنهما الله۔" (المنتخب من كتاب ذيل المذيل من تاريخ الصحابه والتابعين۔ الملحق بالجزء الثامن ص ۳۷۔طبع بيروت تحت "ذكر من مات أو قتل سنة ۸۰ھ)

نوفل بن معاویہؓ نے نبیؐ سے حدیث روایت کی ہے اور نوفلؓ مدینہ منورہ میں یزید بن

معاویہ "لعنهما الله" (ان دونوں پر اللہ کی لعنت ہو) کی خلافت میں فوت ہوئے۔

امام طبری نے حضرت معاویہؓ کو مرض الموت میں بھی نہیں بخشا حالانکہ اس نازک وقت میں تو بڑے سے بڑے گناہ گار کو بھی فکر آخرت دامن گیر ہو جاتی ہے مگر ان کی طرف ایک من گھڑت وصیت نامہ کو منسوب کر دیا۔ چنانچہ موصوف نے حضرت معاویہؓ کے آخری لمحات کے موقع پر بھی سقیفہ بنی ساعدہ والا نقشہ کھینچ دیا جس میں حضرت معاویہ، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم تینوں کی شدید ترین توہین پائی جاتی ہے چنانچہ امام طبری لکھتے ہیں کہ:

''معاویہؓ کو جب مرض موت لاحق ہوا تو اپنے بیٹے یزید کو بلایا اور کہا: اے میرے بیٹے! میں نے تجھے زحمت و مشقت سفر سے بچالیا۔ تیرے ہر امر کو آسان کر دیا، تیرے لئے دشمنوں کو میں نے رام کر دیا، تیرے لئے عرب کی گردنوں کو میں نے جھکا دیا۔ تیرے لئے جو کچھ میں نے جمع کیا ہے وہ کسی نے نہ کیا ہوگا۔ مجھے اس بات کا اندیشہ نہیں ہے کہ امر خلافت جو تیرے لئے یقینی ہو چکا ہے قریش میں سے چار شخصوں کے سوا کوئی تجھ سے اس باب میں نزاع کرے گا: حسین بن علی، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر (رضی اللہ عنہم)۔

فأمّا عبدالله بن عمر فرجل قدو قذته العبادة، و اذا لم يبق أحد غيره بايعك و أما الحسين بن عليّ فإن أهل العراق لن يدعوه حتى يخرجوه، فإن خرج عليك فظفرت به فاصفح عنه، فان له رحما ماسة و حقاً عظيما، واما ابن أبي بكر فرجل إن راى أصحابه صنعوا شيئا صنع مثلهم ليس له همة الا في النساء واللهو و أما الذي يجثم لك جثوم الأسد و يراوغك مراوغة الثعلب فاذا أمكنته فرصة وثب فذاك ابن الزبير فان هو فعلها بك فقدرت عليه فقطعه إرباً إرباً۔ (تاريخ الامم والملوك۔ الجزء الرابع ص ٢٣٨۔ تحت سنة ٦٠ھ)

''ان میں سے عبداللہ بن عمرؓ کا عبادت نے کام تمام کر دیا ہے اور جب وہ دیکھیں گے کہ ان کے سوا کوئی باقی نہیں رہا تو وہ بھی تجھ سے بیعت کر لیں گے۔ اور حسینؓ بن علیؓ کو عراق کے لوگ جب تک خروج پر آمادہ نہ کر لیں گے، ہرگز نہ چھوڑیں گے۔ اگر وہ تجھ پر خروج کریں اور تو ان پر قابو پا جائے تو درگذر کرنا۔ ان کو قرابت قریبہ حاصل ہے اور بہت بڑا حق

رکھتے ہیں۔ اور عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ وہ شخص ہے کہ اپنے ساتھیوں کو جو کام کرتے دیکھے ویسا ہی خود بھی کرے گا۔ اسے عورتوں اور لہو ولعب کے سوا کسی بات کا خیال نہیں۔

ہاں جو شخص شیر کی طرح تیری گھات میں بیٹھے گا اور لومڑی کی طرح تجھے دھوکہ دے گا جب اسے موقع ملے گا حملہ کر دے گا وہ ابن زبیرؓ ہے۔ اگر ایسی حرکتیں وہ تیرے ساتھ کرے اور تیرے قابو میں آ جائے تو اس کے ٹکڑے اڑا دینا۔"

امام طبری نے حضرت معاویہؓ کا یہ وصیت نامہ اپنے "مشائخ" ہشام بن محمد بن سائب کلبی اور ابو مخنف لوط بن یحیٰ کی سند سے نقل کیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ امام طبری نے اپنی تاریخ کا اکثر حصہ انہی راویوں اور ان کے ہم خیال و ہم مسلک حضرات کے "تعاون" سے ہی مرتب کیا ہے۔ ائمہ رجال نے کلبی اور ابو مخنف پر شدید قسم کی جرح کی ہے کہ یہ غیر معتبر، ضعیف و متروک، قصہ گو، اخباری، کذاب، دجال، رافضی اور آگ لگانے والے شیعہ ہیں۔ ان کذاب راویوں کے مفصل حالات جاننے کے لئے میری کتاب "امام طبری کون؟ مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز" کی طرف مراجعت فرمائیں۔

حضرت مفتی صاحب!

صد افسوس کہ امام طبری نے ابن کلبی اور ابو مخنف جیسے غیر معتبر، ضعیف، متروک، قصہ گو، اخباری، کذاب، دجال، رافضی اور آگ لگانے والے شیعہ راویوں پر اعتماد کر کے حضرت معاویہؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ پر الزامات عائد کر کے صحابہ کرامؓ کے بارے میں قرآن و حدیث کے واضح احکامات کو پس پشت ڈال دیا۔

اگر بفرض محال یہ سارے راوی اور ناقل رافضی اور کذاب نہ بھی ہوتے تو پھر بھی اس "وصیت نامے" کے جھوٹے اور جعلی ہونے کا سب سے بڑا ثبوت حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا اسم گرامی ہے۔ حضرت معاویہؓ کی یہ وصیت رجب ۶۰ ھجری میں ان کے مرض الموت میں تحریر کی جا رہی ہے مگر آں محترمؓ جیسے صاحب بصیرت، ملکی اور عالمی حالات، شخصیات اور واقعات پر گہری نظر رکھنے والے عظیم مدبر اور سیاست دان کی زبان سے حضرت عبدالرحمٰن

بن ابی بکرؓ کا نام نکلوایا جا رہا ہے جو وصیت نامہ تحریر ہونے سے سات سال پہلے ۵۳ھ میں وفات پا چکے تھے۔ اگر کسی شخص کو ان کے سن وفات سے اختلاف ہو تو پھر بھی یہ بات قطعی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ وصیت نامہ کی تحریر یا املاء سے پہلے وفات پا چکے تھے۔

علاوہ ازیں ان پر یہ بدترین الزام بھی لگایا گیا ہے کہ انہیں "عورتوں اور لہو ولعب" کے سوا کسی بات کا خیال نہیں جبکہ ان کی ساری زندگی جہاد اور اللہ کا کلمہ سربلند کرنے میں گذری۔ اول تو وہ مذکورہ وصیت کے وقت دنیا میں موجود ہی نہیں تھے اور اگر بالفرض وہ اس وقت زندہ بھی ہوتے تو اس وقت ان کی عمر ۷۰ سال سے کچھ زائد ہوتی۔

(۵۱)	کیا یہ عمر کھیل کود، لہو ولعب اور عورتوں سے دلچسپی کی ہوتی ہے؟

امام طبری نے حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد حضرت حسینؓ کی زبانی حضرت معاویہؓ کو "طاغیۃ و فرعون" کا لقب بھی دلایا ہے۔ حالانکہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے حضرت معاویہؓ کے ساتھ آخر وقت تک مثالی تعلقات قائم رہے اور ان حضرات نے باہمی ادب واحترام میں بھی کبھی کوئی فرق نہ آنے دیا۔ چنانچہ امام ابن کثیر (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ:

"فيكرمهما معاوية إكراما زائدا و يقول لهما مرحبا و أهلا، و يعطيهما عطاء جزيلا، و قد أطلق لهما في يوم واحد مائتي ألف..." (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۵۱)

''حضرت معاویہؓ ان دونوں کی بہت زیادہ تکریم کرتے، مرحبا و اھلا کے الفاظ سے ان کا استقبال کرتے، عطیاتِ کثیرہ سے نوازتے اور بعض اوقات ایک دن میں دو، دو لاکھ درہم بھی پیش کر دیتے تھے۔''

حضرت مفتی صاحب!

حضرت حسنؓ کی وفات (۵۰ھ) کے بعد بھی حضرت حسینؓ باقاعدہ ہر سال شام تشریف لے جاتے رہے۔ اگر بالفرض حضرت معاویہؓ منصب خلافت پر فائز نہ بھی ہوتے تو پھر بھی بحیثیت صحابی اور عمر میں بڑے ہونے کی بناء پر حضرت حسینؓ پر ان کا ادب واحترام فرض تھا لیکن امام طبری نے (اپنے راوی کے ذریعے) حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد حضرت حسینؓ کی

زبان مبارک سے جو الفاظ نکلوائے وہ کسی عام مسلمان کے بھی شایان شان نہیں ہیں تو پھر حضرت حسین جیسی شخصیت کی طرف ان کو کیوں کر منسوب کیا جا سکتا ہے؟ مگر امام طبری کو اس سے کیا غرض؟ ان کا مقصد تو محض حضرت معاویہؓ کو کسی نہ کسی طرح مطعون کرنا ہے۔

امام طبری کے بقول حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد گورنر مدینہ ولید بن عتبہ نے اپنے قاصد کے ذریعے حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو طلب کیا:

"فوجدهما في المسجد وهما جالسان فأتاهما في ساعة لم يكن الوليد يجلس فيها للناس ولا يأتيانه في مثلها، فقال: أجيبا الأمير يدعوكما۔ فقال له: انصرف الآن نأتيه، ثم أقبل أحدهما على الآخر، فقال عبدالله بن الزبير للحسين: ظنّ فيما تراه بعث إلينا في هذه الساعة التي لم يكن يجلس فيها، فقال حسين: قد ظننت أرى "طاغيتهم" قد هلك فبعث إلينا ليأخذنا بالبيعة قبل أن يفشو في الناس الخبر فقال و أنا ما أظنّ غيره...

فدخل فسلّم عليه بالإمرة، و مروان جالس عنده، فقال حسين: كأنه لا يظن ما يظن من موت معاوية، الصلة خير من القطعية، أصلح الله ذات بينكما فلم يجيباه في هذا بشئي، وجاء حتى جلس فأقرأه الوليد الكتاب و نعىٰ له معاوية و دعاه الى البيعة۔ فقال حسين: إنا لله و إنا اليه راجعون و رحم الله معاوية و عظم لك الأجر... (تاريخ الامم والملوك الجزء الرابع ص ٢٥١ تحت سنة ٦٠ھ بطبع بيروت)

اس (قاصد) نے ان دونوں (حضرت حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ) کو مسجد میں پایا وہ بیٹھے ہوئے تھے کہ اس نے آ کر کہا: امیر نے تم دونوں کو طلب کیا ہے۔ یہ وقت ایسا تھا کہ ولید اس وقت لوگوں سے نہیں ملتا تھا، نہ ہی یہ دونوں حضرات کبھی ایسے وقت میں اس سے ملنے کو جاتے تھے۔ دونوں نے یہ جواب دیا: اس وقت تم جاؤ، ہم ابھی آتے ہیں۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے اب حسینؓ سے پوچھا اس وقت تو ولید کسی سے ملتا نہیں۔ بتاؤ کیوں ہم لوگوں کو بلایا ہے؟

حسینؓ نے کہا: میں سمجھتا ہوں ان لوگوں کا "فرعون" ہلاک ہو گیا ہے ہم کو اس لئے بلا بھیجا ہے کہ اس خبر کے فاش ہونے سے پہلے ہی بیعت کے لئے ہم پر مواخذہ کرے۔

ابن زبیرؓ نے کہا: میں بھی یہی سمجھتا ہوں (پھر پوچھا تمہارا کیا ارادہ ہے؟ کہا اسی وقت اپنے جوانوں کے ساتھ ولید کے پاس جاتا ہوں۔ دروازے پر ان لوگوں کو روک دوں گا اور خود اس کے پاس جاؤں گا۔ ابن زبیرؓ نے کہا: اگر تم اس کے پاس گئے تو مجھے تمہاری جان کا اندیشہ ہے۔ حسینؓ نے کہا: میں اس طرح جاؤں گا کہ نکل بھی سکوں)

حضرت حسینؓ داخل ہوئے اور السلام علیک یا امیر کہا۔ مروان اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ حسینؓ نے موت معاویہؓ سے انجان ہو کر کہا: میل رکھنا ترکِ ملاقات سے بہتر ہے۔ خدا نے تم دونوں آدمیوں میں صلح کرا دی، دونوں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ حسینؓ آ کر بیٹھ گئے تو ولید نے خط پڑھ کر سنایا، معاویہؓ کے مرنے کی خبر دی اور بیعت کا طالب ہوا۔

حسینؓ نے یہ سن کر "انا للہ و انا الیہ راجعون" کہا اور کہا کہ خدا معاویہؓ پر رحم کرے (اور بیعت کا جو تم نے مجھ سے سوال کیا تو میں پوشیدہ طور پر بیعت کرنے والا نہیں...)

(تاریخ طبری جلد چہارم ص ۱۶۴۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی)

امام طبری نے ایک ہی صفحہ پر حضرت حسینؓ کا متضاد کردار پیش کیا ہے کہ پہلے مسجد نبوی میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے سامنے حضرت معاویہؓ کے بارے میں تو یہ کہتے ہیں کہ "ان کا فرعون ہلاک ہو چکا ہے" (یہ کردار کسی بھی مسلمان کے شایانِ شان نہیں) پھر گورنر کے سامنے تعزیت کرتے ہوئے کلمہ "استرجاع" پڑھتے ہیں۔

(۵۲)	کیا یہ دوغلا کردار سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے شایان شان ہے؟

امام طبری (م ۳۱۰ھ) اپنی تاریخ میں ۶۱ھ کے واقعات کے تحت بروایت ابومخنف لکھتے ہیں کہ یزید بن معقل نے بریر سے کہا کہ تم کو یاد ہوگا کہ میں بنی لوذان میں تمہارے ساتھ چل رہا تھا اور تم یہ کہتے جاتے تھے کہ: "إن عثمان بن عفان کان علی نفسہ مسرفاً، و ان معاویۃ بن أبی سفیان ضال مضل و ان امام الهدی والحق علی بن أبی طالب۔ فقال لہ بریر: اشهد أن هذا رأی و قولی...

عثمانؓ بن عفان نے اپنے نفس کے ساتھ اسراف کیا اور معاویہ گمراہ و گمراہ کنندہ ہے۔ اور

امام ہدیٰ و برحق علیؓ بن ابی طالب ہیں۔ جریر نے کہا ہاں ہاں یہی میرا عقیدہ ہے اور یہی میرا قول ہے۔(تاریخ الامم والملوک الجزء الرابع ص ۳۲۸ تحت سنہ ۶۱ھ طبع بیروت۔لبنان)

حضرت مفتی صاحب!

امام طبری، حضرت علیؓ (م ۴۰ھ) اور حضرت معاویہؓ (م ۶۰ھ) دونوں کی وفات کے بعد کا مکالمہ لکھ رہے ہیں۔

(۵۳)	حضرت علیؓ کے خلیفہ برحق و راشد ہونے میں تو کوئی مومن شک نہیں کر سکتا مگر کیا اس کے ساتھ ساتھ حضرت معاویہؓ کو ''ضال و مضل'' کہنا بھی ضروری ہے؟
(۵۴)	کیا مذکورہ کلمات میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی توہین نہیں پائی جاتی؟

امام طبری نے ایک بدترین ظلم یہ کیا ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کے خلاف خلیفہ ''المامون'' (م ۲۱۸ھ) عباسی کی تیار کردہ ''خفیہ دستاویز'' (جو المعتضد باللہ (م ۲۷۹ھ) کے برسر اقتدار آنے تک ''خفیہ'' رہی) کو اپنی تاریخ میں محفوظ کر کے حضرت معاویہؓ پر لعن وطعن اور سب وشتم کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھول دیا جس سے ہر دور میں خود ''اہل سنت'' کا ایک طبقہ متاثر ہوتا رہا اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔

مذکورہ ''خفیہ دستاویز'' کے متعلق امام طبری لکھتے ہیں کہ:

اسی سال (یعنی ۲۸۴ھ میں) المعتضد باللہ نے منبروں پر حضرت معاویہ بن ابی سفیان پر لعنت کرنے کا پختہ ارادہ کیا اور اس کے متعلق ایک فرمان لکھنے کا حکم دیا کہ لوگوں کو پڑھ کر سنایا جائے۔عبیداللہ بن سلیمان بن وہب نے عوام کے اضطراب کا خوف دلایا کہ اندیشہ ہے کہ فتنہ ہوگا مگر اس نے اس کی پرواہ نہ کی۔

"وفی ھذہ السنة عزم المعتضد باللہ علی لعن معاویة بن أبی سفیان علی المنابر و أمر بانشاء کتاب بذلك یقرأ علی الناس فخوّفه... فلم یلتفت إلی ذلك...

پھر المعتضد نے یہ فرمان جاری کیا کہ جو لوگ مناظرہ یا بحث کے لئے جمع ہوں گے سلطنت ان سے بری الذمہ ہے جو شخص یہ کرے گا وہ اپنے لئے زدوکوب کو حلال کر دے گا...

پھر سب کو یہ حکم دیا گیا کہ معاویہ پر رحمت نہ بھیجیں (یعنی رحمۃ اللہ علیہ نہ کہیں) اور نہ بھلائی کے ساتھ ان کا ذکر کریں۔("... الا یترحموا علی معاویۃ ولا یذکروہ بخیر")

بعد ازاں المعتصد نے اس کتاب کے نکالنے کا حکم دیا جو لعن معاویہ میں المامون کے حکم سے لکھی گئی تھی یہ کتاب اس کے حکم سے دفتر سے نکالی گئی اس کے جمع کرنے والوں سے اس کتاب کی نقل لے لی گئی۔

اس کتاب میں قرآن اور حدیث کی رو سے ثابت کیا گیا کہ بنی امیہ "شجر ملعونہ" ہے۔ (والشجرۃ الملعونۃ فی القرآن) یہ خاندان نبوت کے دشمن ہیں۔ آپ کا سب سے بڑا مخالف بنو امیہ کا ابوسفیان بن حرب اور اس کا گروہ ہے جن پر کتاب اللہ میں لعنت کی گئی، جن پر لسان نبوت سے لعنت کی گئی، یہ لوگ اسلام کے غلبہ کی وجہ سے منافقانہ اسلام لائے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گدھے پر سوار ابوسفیان اور اسے کھینچنے والے معاویہ اور ہانکنے والے یزید بن ابی سفیان کے متعلق فرمایا کہ ان پر اللہ کی لعنت ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ کے لئے فرمایا:

"یطلع من ھذا الفج رجل من أمتی یحشر علی غیر ملّتی فطلع معاویۃ ___ اذا رأیتم معاویۃ علی منبری فاقتلوہ___

"اس پہاڑی راستے سے میری امت میں سے ایک شخص نکلے گا جس کا حشر میرے دین کے خلاف ہوگا۔ اس کے بعد اس راستے سے معاویہ نمودار ہوا۔ ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب تم لوگ معاویہ کو میرے منبر پر دیکھنا تو اسے قتل کر دینا"

منجملہ ان کے وہ حدیث مرفوع ومشہور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

معاویہ آگ کے ایک صندوق میں ہے جو اس کے سب سے نیچے کے درجے میں ہے جو یا حنان یا منان کی صدا لگاتا ہے کہ یا اللہ اس وقت مجھ پر رحم کر، حالانکہ اس کے قبل میں نے نافرمانی کی تھی اور میں مفسدین میں سے تھا، معاویہ نے حضرت علیؓ سے ناحق جنگ کی، ان ہی افعال کا ارتکاب کیا جس کا ارتکاب اس کے باپ دادا کرتے رہے جو اللہ کے نور کا

گل کرنا اور اس کے دین کا انکار کرنا تھا حالانکہ اللہ کو سوائے اپنے نور کے پورا کرنے کے اور سب چیزوں سے انکار ہے، جو اپنے اس مکر و بغاوت سے بے وقوفوں کو مائل کرتا تھا دانوں کو فریب دیتا تھا جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے خبر دے دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمارؓ سے فرمایا کہ: تجھے ایک باغی جماعت قتل کرے گی، تو انہیں جنت کی طرف بلائے گا اور وہ تجھے دوزخ کی طرف بلائیں گے۔

جس نے دنیا کو اختیار کیا تھا، آخرت سے اسے انکار تھا، جو اسلام کے حلقے سے خارج تھا، جو حرام خون کو حلال سمجھتا تھا یہاں تک کہ اس نے اپنے فتنے میں اور اپنی گمراہی کے راستے میں ان مسلمانوں کے اتنے خون بہائے جن کا شمار نہیں ہو سکتا، ایسے مسلمانوں کے خون بہائے جو برگزیدہ تھے، اللہ کے دین کے محافظ تھے، اس کے حق کے مددگار تھے، یہ (معاویہ) اللہ سے جہاد کرنے والا، اس امر کی کوشش کرنے والا تھا کہ اللہ کی نافرمانی کی جائے، اس کی اطاعت نہ کی جائے، اس کے احکام اس طرح باطل ہو جائیں کہ پھر نہ قائم ہوں، اس طرح اس کے دین کی مخالفت ہو کہ پھر دین ہی باقی نہ رہے، گمراہی کا بول بالا ہو، باطل کی دعوت بلند ہو، حالانکہ اللہ ہی کا بول بالا ہے، اسی کا دین منصور ہے، اسی کا حکم مانا جاتا ہے اور نافذ ہے اور اسی کا حکم غالب ہے۔ اس شخص کا مکر مغلوب اور باطل ہے جو اللہ سے عداوت کرے۔

یہاں تک کہ اس (معاویہ) نے ان تمام جنگوں کے اور جو ان کے بعد ہوئیں سب کے بوجھ برداشت کئے، ان خونوں کا طوق اور جو ان کے بعد ہوئے اپنی گردن میں ڈالا، ایسے فساد کے طریقے ایجاد کئے کہ ان کا بھی گناہ اس پر ہے اور قیامت تک اس کا بھی گناہ اس پر ہے جو اس پر عمل کرے گا ان امور میں سے جن کی وجہ سے اللہ نے اس پر لعنت واجب کر دی اور اس (معاویہ) کا ان اہل فضیلت و دیانت نیک صحابہ و تابعین کا قتل کرنا ہے جو جبر کے ساتھ قتل کئے گئے مثلاً: عمرو بن الحمق اور حجر بن عدی۔ ان کو محض اس لئے قتل کیا کہ عزت اور ملک اور غلبہ اسی کا ہو۔ حالانکہ اللہ ہی کے لئے ملک و قدرت ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: ''جو مومن کو عمداً قتل کرے گا اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہے اور لعنت

ہے اور اللہ نے اس کے لئے عذاب دردناک تیار کیا ہے“

ومما استحق به اللعنة من الله و رسوله“:

منجملہ ان امور کے جن کی وجہ سے وہ (معاویہ) اللہ و رسول کی لعنت کا مستحق ہے، اس کا زیاد بن سمیہ کا، اللہ پر جرأت کر کے، استلحاق ہے۔ حالانکہ اللہ فرماتا ہے کہ انہیں ان کے باپ کے نام سے پکارو، یہی اللہ کے نزدیک زیادہ درست ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: وہ شخص ملعون ہے جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی کو باپ بنایا اور اپنے آقا کے سوا اپنے کو کسی اور سے منسوب کیا اور فرماتے ہیں کہ: بیٹا (جو زنا سے ہو) ماں کا ہے اور زانی کی سزا یہ ہے کہ اس پر سنگ باری ہو۔ اس (معاویہ) نے اللہ عز و جل کے حکم کی اور اس کے نبی کی سنت کی اعلانیہ مخالفت کی، اولاد کو غیر صاحب الفراش کے لئے کر دیا۔

منجملہ ان کے اللہ کے دین کے لئے اس کا اپنے بیٹے یزید کو اختیار کرنا ہے اور اللہ کے بندوں کو اس کی طرف دعوت دینا ہے جو بکثرت شراب خوار، متکبر، مرغ والا، بندر والا، چیتے والا تھا۔ اس (معاویہ) کا بہترین مسلمانوں سے قہر و غلبہ و دہشت و خوف و جبر و اکراہ سے اس کی بیعت لینا ہے حالانکہ وہ اس کی نادانی کو جانتا تھا۔ یزید کے جرائم میں اہل حرہ کے علاوہ سب سے بڑا جرم، عظیم ترین قتل حضرت حسین بن علیؓ و فاطمہؓ کا قتل ہے۔ اللہ تعالیٰ پر جرأت کے باعث، اللہ کے دین پر کفر کے سبب، اللہ کے رسول کی عداوت رکھنے کی بناء پر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو مشقت میں ڈالنے اور ان کے احترام میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے یہ حرکتیں اس سے ہوئیں۔ اہل بیت نبوت کو اس طرح تہ تیغ کر رہا تھا کہ گویا کفار ترک و دیلم کی جماعت کو قتل کرتا تھا...

”والعنوا من لعنه الله و رسوله، و فارقوا من لا تنالون القربة من الله و رسوله إلا بمفارقته،اللهم العن أبا سفيان بن حرب و معاوية ابنه و يزيد بن معاوية و مروان بن الحكم وولده، اللّٰهم العن أئمة الكفر وقادة الضلالة وأعداء الدين و مجاهدى الرسول و مغيرى الأحكام و مبدلى الكتاب و سفاكى الدم الحرام۔

اللّٰهم إنّا نتبرأ اليك من موالاة أعدائك و من الإغماض لأهل معصيتك كما

قلت: "لا تجد قوماً یؤمنون باللہ والیوم الآخر یوادّون من حادّاللہ و رسولہ"۔

اور اس پر لعنت کرو جس پر اللہ و رسول نے لعنت کی، اس سے مفارقت اختیار کرو جس کی مفارقت کے بغیر تم اللہ کی قربت نہیں حاصل کر سکتے ۔اے اللہ! لعنت کر ابوسفیان بن حرب اور اس کے بیٹے معاویہ پر، یزید بن معاویہ پر، مروان بن الحکم پر اور اس کی اولاد پر۔اے اللہ! لعنت کر کفر کے اماموں، گمراہی کے پیشواؤں، دین کے دشمنوں، رسول سے لڑنے والوں، احکام میں تغیر کرنے والوں، کتاب کے بدلنے والوں اور محترم خون بہانے والوں پر ۔اے اللہ! ہم تیرے دشمنوں کی دوستی سے، تیرے گناہ گاروں سے چشم پوشی کرنے سے، تیرے سامنے اپنی بے زاری ظاہر کرتے ہیں جیسا کہ تو نے کہا ہے کہ: "تو کسی جماعت کو جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان لاتے ہیں ایسا نہ پائے گا کہ وہ ان لوگوں سے محبت کریں جو اللہ اور رسولؐ کے دشمن ہیں"...

(تاریخ الامم والملوک ۔الجزء الثامن طبع بیروت لبنان ص ۱۸۲ تا ۱۹۰، تاریخ طبری حصہ دہم خلافت بغداد کا دور انحطاط حصہ دوم ۲۵۷ھ تا ۳۰۲ھ مترجمہ علامہ عبداللہ العمادی ص ۲۵۳ تا ۲۶۶ ۔مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی)

حضرت مفتی صاحب!

(۵۵)	کیا اس حقیقت سے انکار ممکن ہے کہ کیا سنی اور کیا شیعہ، حضرت معاویہؓ کے جملہ معاندین و ناقدین کا اصل مأخذ امام طبری کا تصنیف کردہ یہی رسالہ یا کتاب ہے جسے موصوف نے اپنی تاریخ الامم والملوک میں محفوظ کر دیا ہے؟

امام طبری (۳۱۰ھ) کی "تحقیق" کے مطابق مذکورہ "کتاب" مامون الرشید نے اپنی خلافت (۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ) کے دوران میں لکھوائی تھی جامعین اور مؤلفین کا کوئی اتا پتہ نہیں ہے کہ یہ کون لوگ تھے؟ اس "کتاب" کو پڑھنے اور نافذ کرنے کے بجائے دفتر میں محفوظ کر دیا گیا۔ مامون کی وفات کے بعد معتضد کی خلافت سے پہلے آٹھ عباسی خلفاء معتصم باللہ، واثق باللہ، متوکل علی اللہ، منتصر باللہ، مستعین باللہ، معتز باللہ، مہتدی باللہ، معتمد علی اللہ (از ۲۱۸ھ تا ۲۷۹ھ) گزرے ہیں مگر یہ کتاب "دیوان" میں ہی محفوظ رہی جسے معتضد باللہ نے ۲۸۴ھ میں نکلوایا اور

بزورِ شمشیر نافذ کرنے کا اعلان کیا مگر قاضی کے مشورے کے مطابق اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

مؤرخین نے مامون اور معتضد کے شیعہ ہونے کی تصریح کی ہے اور ان دونوں کے درمیان آٹھ ''سنی'' خلفاء گزرے ہیں مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی اس کتاب کو تلف نہیں کرایا۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مامون کی طرف اس کتاب کی ''نسبت'' مشکوک ہے۔

(۵٦) سوال یہ ہے کہ خلیفہ کے دفتر میں محفوظ یہ کتاب امام طبری تک کیسے پہنچی جو موصوف کی ولادت (۲۲۴ھ) سے پہلے لکھی گئی تھی؟

جب معتضد نے اسے ۲۸۴ھ میں نکلوایا اس وقت طبری کی عمر ٦۰ سال تھی اور ماشاءاللہ تفسیر لکھنے میں مصروف تھے۔ پھر تاریخ پر کام شروع کیا جسے اپنی وفات سے آٹھ سال پہلے ۳۰۲ھ تک مکمل کر لیا۔ معتضد باللہ کی خلافت ۲۷۹ھ سے ۲۸۹ھ تک قائم رہی پھر امام طبری کی وفات (۳۱۰ھ) تک دو خلفاء مکتفی باللہ (۲۸۹ تا ۲۹۵ھ) و مقتدر باللہ (۲۹۵ھ تا ۳۲۰ھ) گزرے ہیں۔ مؤخر الذکر دونوں خلفاء معتضد باللہ کے بیٹے ہیں اور یہ تینوں اس کے نفاذ میں ناکام رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اموی صحابہؓ کی شدید ترین توہین پر مبنی زیرِ تبصرہ کتاب امام طبری تک پہنچانے میں ان تینوں خلفاء میں سے کسی ایک ہی خلیفہ کا کردار ہو سکتا ہے لیکن یہ کیوں کر ممکن ہے کہ سرکاری دستاویز سرکاری دفتر سے نکلوا کر اسے امام طبری تک پہنچا دیا جائے اور کسی کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی ہو۔

معتضد جیسا ظالم اور شیعہ خلیفہ شدید خواہش کے باوجود محض اس خوف سے کتاب کے نفاذ سے باز آ گیا تھا کہ کہیں خلافت عباسیوں سے نکل کر ''اہل بیت'' میں نہ پہنچ جائے، لہٰذا وہ تو اسے طبری کے حوالے کر کے اپنی خلافت کو غیر مستحکم نہیں کر سکتا تھا جبکہ کتاب لکھنے والا اس کا وزیر عبید اللہ بن سلیمان اور قاضی یوسف بن یعقوب تو ابتداء ہی سے اس کے نفاذ کے حق میں نہیں تھے۔

یہ بات یقیناً باعثِ حیرت ہے کہ امام طبری نے اتنی اہم ''کتاب'' کی کوئی سند نہیں دی اور نہ ہی ان ''جامعین'' کے نام بتائے جنھوں نے یہ نسخہ نقل کر کے معتضد کو دیا تھا۔ پھر آخر میں ''ذُکِرَ'' (یعنی مذکور ہے) کے صیغہ سے اس کتاب کا ''ڈراپ سین'' بتایا گیا ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کتاب کے ''مصنف'' دراصل امام طبری خود ہی

ہیں جنہیں بنوامیہ بالخصوص حضرت معاویہؓ کے ساتھ شدید بغض تھا اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ طبرستان حضرت معاویہؓ کے دور میں فتح ہوا تھا۔انہوں نے ۲۸۴ھ میں اس کتاب کے"وجود"میں آنے سے بہت پہلے حضرت معاویہؓ کے نام کے ساتھ متعدد مقامات پر"لعنہ اللہ" کے الفاظ لکھے تھے جبکہ اس کتاب میں بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں موجباتِ لعن ہی بتائے گئے ہیں۔طبری کی اس ناپاک جسارت پر ترجمان اہل سنت مولانا محمد نافع صاحبؒ جیسے معتدل مفکر بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ:

"غور طلب یہ بات ہے کہ صاحب التاریخ محمد ابن جریر الطبری کے لئے عباسیوں کے اس فراہم کردہ غلیظ مواد کو من وعن نقل کر کے اپنی تصنیف میں شامل کرنے کا کون سا داعیہ تھا؟ اور اس نے کون سی مجبوری کی بناء پر یہ کارخیر پورا کیا؟ گویا الطبری نے اس مواد کو اپنی تاریخ میں درج کر کے آنے والے لوگوں کو اس پر آگاہ کیا اور سب وشتم اور لعن طعن کے جو دلائل عباسیوں نے مرتب کروائے تھے ان پر آئندہ نسلوں کو مطلع کرنے کا ثواب کمایا۔چنانچہ شیعہ اور روافض رسالہ مذکورہ میں مندرجہ مواد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی کتب میں ابوسفیانؓ اور حضرت امیر معاویہؓ پر مطاعن قائم کرتے ہیں اور شدید اعتراضات پیدا کرتے ہیں۔درحقیقت الطبری نے اہل اسلام میں انتشار پھیلانے اور افتراق ڈالنے کے لئے بڑی عجیب تدبیر اور حکمت عملی اختیار کی، جس سے مخالفین صحابہ کو ایک گونہ رہنمائی حاصل ہوئی اور ان کو عداوت پوری کرنے کے لئے ایک تیار شدہ مواد دستیاب ہو گیا۔

کئی لوگ ان دلائل پر نظر کرنے سے متذبذب ہوں گے، کئی ناظرین صحابہ کرام سے متنفر ہوں گے اور بعض قارئین دل برداشتہ ہو کر اموی صحابہ سے منحرف ہو جائیں گے۔الطبری کو اس باطل مواد کا اس تفصیل سے ذکر ہی نہیں کرنا چاہئے تھا بلکہ صرف ایک واقعہ تاریخی حیثیت سے اجمالاً ذکر کر دینا کافی تھا جیسا کہ باقی مؤرخین نے واقعہ ھذا کو اجمالاً درج کیا ہے اور دلائل کی تفصیل کی طرف نہیں گئے۔اور اگر کسی مجبوری کی وجہ سے ذکر کیا تھا تو پھر اس مواد کے بطلان پر کچھ کلام کرنا لازم تھا تاکہ لوگ اس سے غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں لیکن الطبری نے ایسا نہیں کیا۔یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب التاریخ الطبری کی نیت بخیر نہ تھی بلکہ فاسد تھی اور ان صحابہ کرامؓ کے حق میں"الطبری" خودسوء

ظن کا مریض تھا۔"(فوائد نافعہ جلد اول ص ۵۸۰-۵۸۱ طبع اگست ۲۰۰۵ء)

یہ ملحوظ رہے کہ جن مؤرخین نے اس واقعہ کو اجمالاً ذکر کیا ہے تو ان کا ماٴخذ بھی تاریخ طبری ہی ہے لہٰذا اس من گھڑت، باطل اور سراسر کذب وافتراء پر مبنی واقعہ کو اجمالاً بھی ذکر نہیں کرنا چاہئے تھا۔ بہر حال تاریخ طبری میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی کردارکشی اور جوازِ لعن پر مبنی روایات کا ہی یہ نتیجہ نکلا کہ امام طبری کی وفات کے صرف ۱۰ سال بعد یعنی ۳۲۰ھ میں آل بویہہ جیسے ظالم اور سفاک شیعہ اقتدار میں آگئے جنہوں نے امام طبری کی پیروی میں جامع مسجد بغداد کے دروازے پر "لعن اللّٰہ معاویۃ بن أبی سفیان" کے الفاظ لکھوا دیئے۔

حضرت مفتی صاحب!

(۵۷)	جس کتاب میں حضرت معاویہؓ کے اسم گرامی کے ساتھ نہ صرف "لعنہ اللہ" کے الفاظ لکھے ہوں بلکہ ان پر لعنت کے جواز کو بہ دلائل بھی ثابت کیا گیا ہو تو "روزنامہ اسلام" میں اس کتاب اور مؤلف کا دفاع کرنے والے کیا توہین صحابہؓ کے جرم میں برابر کے شریک نہیں سمجھے جائیں گے؟
(۵۸)	وہ کونسا مسلمان ہے جو تاریخ طبری میں حضرت معاویہؓ، حضرت ابوسفیانؓ اور ان کے رفقاء کے بارے میں معتضد باللہ کی مرتب کردہ "دستاویز" پڑھ کر بھی دل میں کوئی خلش محسوس نہ کرے اور اس کی ایمانی غیرت بیدار نہ ہو؟
(۵۹)	کیا یہ "مواد" بھی روزنامہ اسلام کے اس جملہ کا مصداق بن سکتا ہے کہ "اہل علم تو ان کا اصل مطلب جانتے ہیں، اس لئے بار بار پڑھ کر بھی کوئی پریشانی نہیں ہوتی"؟(روزنامہ اسلام 31 جولائی 2015)

حضرت مفتی صاحب!

محترم جناب اوریا مقبول جان صاحب نے اپنے کالم میں صرف اس قدر لکھا تھا کہ:

"حالت یہ ہے کہ عباسی حاکم معتضد باللہ کا رسالہ بغیر کسی چھان پھٹک کے تاریخ کا

حصہ بنایا گیا جو خالصتاً بنو امیہ سے بغض وعناد اور قبائلی دشمنی کی بناء پر تحریر کیا گیا تھا۔" روزنامہ ایکسپریس 4 ستمبر 2015ء)

موصوف ایک دوسرے کالم میں لکھتے ہیں کہ:

"یہ وہ تاریخ ہے جس کے ستر مندرجات آج تک امت مسلمہ میں فتنہ وفساد اور فرقہ بندی اور نفرت کا باعث بنے ہوئے ہیں...(قصہ زیدؓ و زینبؓ کے حوالے سے لکھتے ہیں) لیکن طبری نے اپنے ذہن کی غلاظت کو تاریخ کی چاشنی بنا کر پیش کیا ہے" (روزنامہ ایکسپریس 7 جولائی 2015 بحث "ہمارے افسانہ ساز مورخین")

سخت تعجب ہے کہ اوریا مقبول جان صاحب کی مذکورہ تحریر سے "روزنامہ اسلام" کے سیکریٹریٹ کے "در و بام" لرز اٹھے۔ جبکہ حضرت مولانا محمد نافع صاحبؒ نے اوریا صاحب کے مذکورہ کالموں سے 10 سال پہلے امام طبری کے متعلق اوریا صاحب کی نسبت کچھ زیادہ ہی نقد کیا تھا:

"...غلیظ مواد کو من وعن نقل کرنے کا کون سا داعیہ تھا؟،

اس نے کون سی مجبوری کے تحت یہ کار خیر پورا کیا؟،

گویا الطبری نے سب وشتم اور لعن طعن کے دلائل سے آیندہ نسلوں کو مطلع کرنے کا ثواب کمایا۔

شیعہ وروافض اسی مواد کے پیش نظر حضرت ابوسفیان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما پر اعتراضات ولعن طعن کرتے ہیں۔

درحقیقت الطبری نے اہل اسلام میں انتشار پھیلانے اور افتراق ڈالنے کے لئے بڑی عجیب تدبیر اور حکمت عملی اختیار کی جس سے مخالفین صحابہ کو ایک گونہ راہنمائی حاصل ہوئی اور ان کو عدوات پوری کرنے کے لئے ایک تیار شدہ مواد دستیاب ہوگیا۔ کئی لوگ ان دلائل سے متذبذب ہوں گے، کئی لوگ صحابہ کرام سے متنفر ہوں گے اور کئی اموی صحابہ سے منحرف ہوجائیں گے...

الطبری کی نیت بخیر نہ تھی بلکہ فاسد تھی اور ان صحابہ کرام کے حق میں الطبری خود سوء ظن کا مریض تھا۔ (فوائد نافعہ جلد اول ص 580، 581 طبع اگست 2005ء ملخصاً)

حضرت مفتی صاحب!

(۶۰)	روزنامہ اسلام کی ٹیم امام طبری کے دفاع میں مولانا محمد نافع صاحبؒ کے خلاف میدان عمل میں کس داعیہ کے تحت نہیں اتری؟
(۶۱)	مولانا محمد نافع صاحب کی امام طبری پر شدید ترین تنقید کے دس سال بعد اوریا مقبول جان صاحب کی امام طبری پر نسبتاً ہلکی تنقید کے رد عمل میں روزنامہ اسلام کے ادارتی صفحات پر ۹ کالم امام طبری کے دفاع میں لکھنے کی گنجائش کیسے پیدا ہوگئی تھی؟

حضرت مفتی صاحب!

جناب اوریا مقبول جان صاحب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کے دفاع میں یہ لکھا تھا کہ: "طبری نے اپنے ذہن کی غلاظت کو تاریخ کی چاشنی بنا کر پیش کیا ہے"

جبکہ مولانا محمد نافع صاحب نے حضرت ابوسفیانؓ اور حضرت معاویہؓ کے دفاع میں یہ لکھا تھا کہ:

"...غور طلب یہ بات ہے کہ صاحب التاریخ محمد ابن جریر الطبری کے لئے عباسیوں کے اس فراہم کردہ غلیظ مواد کو من وعن نقل کر کے اپنی تصنیف میں شامل کرنے کا کون سا داعیہ تھا؟ اور اس نے کون سی مجبوری کی بناء پر یہ کارِ خیر پورا کیا؟ گویا الطبری نے اس مواد کو اپنی تاریخ میں درج کر کے آنے والے لوگوں کو اس پر آگاہ کیا اور سبّ وشتم اور لعن طعن کے جو دلائل عباسیوں نے مرتب کروائے تھے ان پر آئندہ نسلوں کو مطلع کرنے کا ثواب کمایا۔ چنانچہ شیعہ اور روافض رسالہ مذکورہ میں مندرجہ مواد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی کتب میں ابوسفیانؓ اور حضرت امیر معاویہؓ پر مطاعن قائم کرتے ہیں اور شدید اعتراضات پیدا کرتے ہیں۔

درحقیقت الطبری نے اہل اسلام میں انتشار پھیلانے اور افتراق ڈالنے کے لئے بڑی عجیب تدبیر اور حکمت عملی اختیار کی، جس سے مخالفین صحابہ کو ایک گونہ رہنمائی حاصل ہوئی اور ان کو عداوت پوری کرنے کے لئے ایک تیار شدہ مواد دستیاب ہوگیا۔

کئی لوگ ان دلائل پر نظر کرنے سے متذبذب ہوں گے، کئی ناظرین صحابہ کرام سے متنفر ہوں گے اور بعض قارئین دل برداشتہ ہو کر اموی صحابہ سے منحرف ہو جائیں گے...

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب التاریخ الطبری کی نیت بخیر نہ تھی بلکہ فاسد تھی اور ان صحابہ کرامؓ کے حق میں "الطبری" خود سوءِ ظن کا مریض تھا۔" (فوائد نافعہ جلد اول ص ۵۸۰۔۵۸۱)

حضرت مفتی صاحب!

روزنامہ اسلام میں اوریا مقبول جان صاحب کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے لکھا گیا کہ:

"جس قسم کی غلاظت کا ذکر آپ فرما رہے ہیں وہ اپنے علم وفہم کی کمی کا کرشمہ بھی ہوسکتا ہے... ہمارے اسلاف کا ذہن غلیظ نہیں تھا بلکہ دینی علوم سے ناواقف بزعم خود اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کا زاویۂ نگاہ غلط ہے۔" (روزنامہ اسلام 31 جولائی، یکم اگست 2015)

مولانا محمد نافع صاحب اور اوریا مقبول جان صاحب دونوں نے طبری کے جمع کردہ مواد کی غلاظت کا ذکر کیا ہے۔

(۶۲)	کیا مولانا محمد نافع صاحب کے لئے بھی روزنامہ اسلام والے اس قسم کا تبصرہ کرنے کی جسارت فرما سکتے ہیں؟

حضرت مفتی صاحب!

صحابہ کرام سے متعلق امام طبری کی جارحیت اور بیزاری آپ نے ملاحظہ فرمالی، اب "مورخیت ومجتہدیت" کے چند وہ نمونے ملاحظہ فرمائیں جو امام طبری نے حضرات انبیاء کرام سے متعلق امت کو عطا فرمائے ہیں۔ یاد رہے کہ اس وقت ہمارے پیش نظر "تفسیر" کے مواد کو پیش کرنا ہے، تاکہ تفسیر کے "احتیاط واجتہاد" پر تاریخ کو خود ہی قیاس کرلیا جائے۔

تفسیر طبری اور توہین انبیاء علیہم السلام

اہل سنت کے محقق علماء، متکلمین، مجتہدین اور مفسرین نے واضح طور پر اس بات کا اعلان کیا کہ: انبیاء کرامؑ نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد کبیرہ وصغیرہ گناہوں اور عیبوں سے "عمداً، سہواً، سرّاً وجہراً" پاک اور معصوم ہوتے ہیں اور جن حضرات نے انبیاء کرامؑ سے "سہواً" صغائر کا صدور تسلیم بھی کیا ہے تو انہوں نے اس کے ساتھ ہی اس بات کی بھی تصریح

کردی ہے کہ "سہواً" صغائر کے صدور کے باوجود ان سے ایسے صغائر کا ہرگز صدور نہیں ہوسکتا جو "ذلت، رسوائی، کمینہ پن اور گھٹیا پن" پر دلالت کرتے ہوں۔

جبکہ "زلّت" (جس کا صدور انبیاء کرام سے ممکن ہے) پر صغیرہ گناہ کا بھی اطلاق نہیں ہوتا۔ خبر واحد کے ذریعے منقول ایسی تمام روایات مردود سمجھی جائیں گی البتہ بطریق تواتر منقول روایات کی ہر ممکن طریقے سے تاویل کی جائے گی بصورتِ دیگر "ترك اولیٰ و ترك افضل اور قبل البعثت" کے حالات پر محمول ہوں گی۔

حضرت مفتی صاحب!

امام طبری نے "عصمت انبیاءؑ" سے متعلق اہل سنت والجماعت کے اجماعی مسلک کے برعکس اپنی تفسیر میں "اسرائیلیات" اور "توہین و تنقیص انبیاء" پر مبنی روایات کا فی الواقع ایک "اتوار" بازار لگا دیا ہے جن سے استدلال کرتے ہوئے دشمنانِ اسلام، انبیاء کرامؑ کی شان میں گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

ستم بالائے ستم یہ کہ تفسیر طبری میں منقول روایات سے انبیاء کرامؑ کی طرف صرف قبل از نبوت ہی نہیں بلکہ بعد از نبوت صرف سہواً ہی نہیں بلکہ عمداً وقصداً بھی صرف صغیرہ گناہوں کی ہی نہیں بلکہ کبیرہ گناہوں کی بھی اور صرف "سہواً" عام صغائر کی ہی نہیں بلکہ قصداً وعمداً انتہائی خسیس و گھٹیا صغائر و کبائر کی بھی نسبت کرنا پڑتی ہے۔ جن کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں:

تفسیر طبری اور توہین آدم علیہ السلام

"هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ فَلَمَّا اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ O فَلَمَّا اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ O " (سورۃ الاعراف آیت ۱۸۹-۱۹۰)

"وہ اللہ ہی ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا

تا کہ اس کے پاس سکون حاصل کرے۔ پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانک لیا تو اسے ایک خفیف سا حمل رہ گیا جسے لئے وہ چلتی پھرتی رہی پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں نے مل کر اپنے پروردگار اللہ سے دعا کی کہ اگر تو نے ہمیں تندرست بچہ دیا تو ہم تیرے شکر گزار ہوں گے۔ مگر جب اللہ نے ان کو ایک صحیح و سالم بچہ دے دیا تو وہ اس کی اس بخشش وعنایت میں دوسروں کو اللہ کا شریک ٹھہرانے لگے۔ اللہ بہت بلند و برتر ہے ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں"

امام طبری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

۱۔... كانت حوّاء لا يعيش لها ولد، فنذرت لئن عاش لها ولد لتسمينه "عبدالحارث"، فعاش لها ولد، فسمته "عبدالحارث"، وانما كان ذٰلك عن وحى الشيطان۔ **(جامع البیان فی تاویل القرآن المجلد السادس ص ۱۴۴ تحت رقم ۱۵۵۱۴)**

"حضرت حوا کے لڑکے زندہ نہیں رہتے تھے تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر لڑکا بچ گیا تو اس کا نام "عبدالحارث" رکھوں گی۔ پھر اس کا لڑکا بچ گیا تو اس نے اس کا نام "عبدالحارث" رکھ دیا، اور یہ چیز شیطان کی وحی سے تھی" (یعنی یہ شیطان کے بہکانے سے ہوا)

۲۔... إن آدم عليه السلام سمى ابنه "عبدالحارث"

۳۔... سمّى آدم ابنه "عبدالحارث"۔

آدمؑ نے اپنے بیٹے کا نام "عبدالحارث" رکھا۔ (حوالہ مذکور تحت رقم ۱۵۵۱۵۔۱۵۵۱۶)

٤۔... كانت حوّاء تلد لآدم، فتعبّدهم الله، و تسميه: "عبيدالله" و "عبدالله" و نحوذلك، فيصيبهم الموت، فأتاها إبليس و ادمَ فقال: إنكما لو تسميانه بغير الذى تسميانه لعاش، فولدت له رجلا فسماه "عبدالحارث" ففيه أنزل الله تبارك و تعالى: "هوالذى خلقكم من نفس واحدة"، إلى قوله: "جعلاله شركآء فيما اتٰهما" إلى آخرالآية۔ **(حوالہ مذکور تحت رقم ۱۵۵۱۷)**

"حضرت حوا کی جو اولاد ہوتی تھی تو وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے مخصوص کر دیتی تھیں اور ان کے نام "عبیداللہ و عبداللہ" وغیرہ رکھتی تھیں۔ یہ بچے مر جاتے تھے۔ چنانچہ آدمؑ اور

حوّاء کے پاس ابلیس آیا اور کہنے لگا کہ: اگر آپ اپنے بچے کا ان ناموں کے علاوہ کوئی دوسرا نام رکھیں گے تو وہ زندہ رہے گا۔ پس حوّاء کا ایک بچہ پیدا ہوا تو ان دونوں نے اس کا نام "عبدالحارث" رکھا۔ اسی کے متعلق یہ آیات (الاعراف ۱۸۹۔۱۹۰) نازل ہوئی ہیں۔"

۵۔۔۔ فأتهما الشيطان فقال: هل تدريان ما يولد لكما؟ أم هل تدريان مايكون؟ أبهيمة يكون أم لا؟ وزيّن لهما الباطل، إنه غويّ مبين، وقد كانت قبل ذلك ولدت ولدين فماتا، فقال لهما الشيطان: إنكما إن لم تسمياه بى، لم يخرج سويّاً، ومات كما مات الأولان، فسميا ولدهما "عبدالحارث" فذلك قوله: "فلمّا آتهما صالحاً جعلاله شركاء فيما آتهما فتعلى الله عما يشركون" (حوالہ مذکور ص ۱۳۵ ۔تحت رقم ۱۵۵۲۸)

"تو شیطان آدمؑ وحوّا کے پاس آیا اور کہا: کیا تم دونوں جانتے ہو کہ تمہارے ہاں کیسا بچہ پیدا ہوگا؟ (صحت مند یا معذور) کیا تم جانتے ہو کہ وہ کس جنس سے ہوگا؟ کیا وہ کسی جانور کی شکل کا ہوگا یا انسانی شکل والا؟ پس اُس صریح گمراہ شیطان نے انہیں پھسلانا شروع کردیا چنانچہ اس نے ان کے سامنے باطل کو خوش نما کرکے پیش کیا، اس سے پہلے ان کے دو بچے پیدا ہو چکے تھے جو دونوں مر گئے۔ پس آدم وحوّاء سے شیطان نے کہا کہ اگر تم اپنے بچے کا نام میرے نام پہ نہیں رکھو گے تو نہ تو وہ صحیح پیدا ہوگا اور نہ ہی وہ زندہ رہے گا اور جس طرح پہلے دو مر گئے تھے یہ بھی مر جائے گا جس پر انہوں نے اپنے بیٹے کا نام "عبدالحارث" رکھ دیا جس کی بناء پر وہ دونوں یعنی حضرت آدمؑ وحوّا اس آیت "فَلَمَّا اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا" کا مصداق بن گئے۔"

۶۔۔۔ لمّا ولد له أول ولد أتاه إبليس فقال: إنى سأنصح لك فى شأن ولدك هذا، تسميه "عبدالحارث" فقال آدم: أعوذ بالله من طاعتك: قال ابن عباس: وكان اسمه فى السماء "الحارث" قال آدم: أعوذ بالله من طاعتك، إنى أطعتك فى أكل الشجرة فأخرجتنى من الجنة، فلن أطيعك، فمات ولده، ثم ولد له بعد ذلك ولد آخر، فقال: أطعنى و إلّا مات كما مات الأول، فعصاه، فمات، فقال: لا أزال أقتلهم حتى تسميه "عبدالحارث" فلم يزل

به حتی سماه "عبدالحارث" فذلك قوله: "جعلا له شركآء فيما آتهما" أشركه في طاعته في غير عبادة، ولم يشرك بالله، ولكن أطاعه (حوالہ مذکور تحت رقم ۱۵۵۲۹)

''جب حضرت آدمؑ کے ہاں پہلا بچہ پیدا ہوا تو ابلیس ان کے پاس آیا اور کہا: اگر آپ اپنے بچے کا بھلا اور خیر خواہی چاہتے ہیں تو میں آپ کو اس بچے کے بارے میں نصیحت کرتا ہوں کہ اس کا نام ''عبدالحارث'' رکھنا۔ حضرت آدمؑ نے کہا: میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں تیری اطاعت کروں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: شیطان کا نام آسمان میں حارث تھا۔ حضرت آدمؑ نے کہا: میں تیری اطاعت کرنے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس لئے کہ میں نے درخت کے کھانے میں تیری اطاعت کی تھی تو، تو نے مجھے جنت سے نکلوا دیا لہٰذا میں ہرگز تیری بات نہیں مانوں گا۔ پس حضرت آدمؑ کا یہ بچہ مر گیا۔ شیطان نے کہا: میں تیرے بچوں کو اسی طرح مارتا رہوں گا جب تک اس کا نام عبدالحارث نہ رکھو گے۔ وہ یہی کہتا رہا یہاں تک کہ انہوں نے اپنے بچے کا نام ''عبدالحارث'' رکھ ہی لیا۔ پس اس سلسلے میں یہ آیت "جعلا له شركآء" نازل ہوئی۔ آدمؑ وحواء نے "شرك في الطاعت" کا ارتکاب کیا ہے نہ کہ "شرك في العبادة" کا۔ یعنی انہوں نے اللہ کے ساتھ شرک نہیں کیا، البتہ انہوں نے شیطان کی اطاعت کی۔''

۷۔ ... عن عكرمة قال: ما أشرك آدم و لا حوّا، وكان لا يعيش لهما ولد، فأتهما الشيطان فقال: إن سرّكما أن يعيش لكما ولد فسمياه "عبدالحارث" فهو قوله: "جعلا له شركآء فيما آتاهما" (حوالہ مذکور تحت رقم ۱۵۵۳۰)

''عکرمہ کہتے ہیں کہ: حضرت آدمؑ وحوّا نے شرک نہیں کیا۔ دراصل ان کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے تو شیطان نے ان کے پاس آ کر کہا: آپ کے بچوں کے زندہ رہنے کا راز اس میں ہے کہ اس کا نام ''عبدالحارث'' رکھو۔ تو اس بارے میں آیت "جعلاله شركآء... "نازل ہوئی۔''

۸۔... كان آدم عليه السلام لا يولد له ولد إلّا مات، فجاء الشيطان فقال: إن سرّك أن يعيش ولدك هذا فسمّه "عبدالحارث" ففعل، قال: فأشركا في الاسم، ولم يشركا في العبادة۔ (حوالہ مذکور تحت رقم ۱۵۵۳۱)

''حضرت آدمؑ کے ہاں جو بچہ پیدا ہوتا تھا وہ مر جاتا تھا تو شیطان ان کے پاس آیا اور کہا کہ: آپ کے لڑکے، کے زندہ رہنے کا راز اس میں ہے کہ آپ اس کا نام ''عبدالحارث'' رکھیں۔ پس آپ نے اس کے کہنے کے مطابق عمل کیا۔ راوی (قتادہ) نے کہا کہ حضرت آدم اور حوّا نے نام میں شرک کیا ہے اور انہوں نے عبادت میں شرک نہیں کیا۔''

۹۔... أنه كان لا يعيش لهما ولد فأتاهما الشيطان فقال لهما: سمياه "عبدالحارث" وكان من وحي الشيطان و أمره، وكان شركاً في طاعة، ولم يكن شركاً في عبادة۔ (حوالہ مذکور تحت رقم ۱۵۵۳۲)

''قتادہ کہتے ہیں کہ ہمیں بتایا گیا کہ) آدمؑ و حوّا کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی تو ان دونوں کے پاس شیطان آیا اور ان سے کہا کہ: اس کا نام ''عبدالحارث'' رکھو۔ (تو انہوں نے شیطان کا تجویز کردہ یہ نام رکھ لیا) اور یہ شیطان کی وحی اور حکم سے تھا، یہ شرک اطاعت میں ہے، عبادت میں شرک نہیں ہے۔''

حضرت مفتی صاحب!

امام طبری نے زیرِ بحث آیت کی تفسیر میں ایسی ''روایات'' کا انبار لگا دیا جن کی رو سے حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا کو شیطان کا فرماں بردار اور شرک کا مرتکب تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ جو قطعی طور پر عقیدہ عصمت کے منافی ہے۔ (العیاذ باللہ)

تفسیر طبری چونکہ ''ام التفاسیر'' کا درجہ رکھتی ہے اس لئے بعد کے بعض مفسرین نے بھی ان روایات کو نقل کر دیا۔ جبکہ بعض حضرات نے ''تاویلات فاسدہ'' کا باب کھول دیا۔

امام طبری کی منقولہ روایات پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے سے ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا نے سہواً نہیں بلکہ بچوں کے یکے بعد دیگرے فوت ہو جانے کے بعد خوب سوچ و بچار، غور و فکر اور شیطان کے بار بار پھسلانے، ورغلانے حتیٰ کہ دھمکانے کی بناء پر اپنے بچے کا نام شیطان کی طرف منسوب کر کے ''عبدالحارث'' رکھا۔

علاوہ ازیں امام طبری نے اسی واقعہ کو " جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ " کا شان نزول بتاتے

ہوئے اس آیت کا مصداق حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا کو قرار دیا۔

مزید برآں اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا گیا کہ:"أشرکه فی طاعته فی غیر عبادة، ولم یشرك بالله ولکن أطاعه، فأشرکا فی الاسم ولم یشرکا فی العبادة، وکان من وحی الشیطان و أمره، وکان شرکا فی طاعة ولم یکن شرکا فی العبادة"

''حضرت آدمؑ وحوّا نے شیطان کی وحی اور حکم پر اپنے لڑکے کا نام ''عبدالحارث'' رکھ کر ''شرک فی الطاعت'' کا ارتکاب کیا ہے جو ''شرک فی العبادۃ'' کے زمرے میں نہیں آتا۔''

حضرت مفتی صاحب!

(۶۳)	حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا کو " جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ " کا مصداق قرار دینا درست ہے؟
(۶۴)	کیا اس سے ''شرک فی الطاعت'' مراد لینا لغو، فاسد اور باطل تاویل نہیں ہے؟
(۶۵)	کیا شرک فی الطاعت کے ارتکاب سے ایک نبی کی طرف شرک کی نسبت لازم نہیں آتی؟
(۶۶)	کیا نبی سے عمداً گناہ صغیرہ کے ارتکاب کو منافی عصمت قرار دیا نہیں دیا گیا؟
(۶۷)	کیا اولاد کی محبت میں ایک نبی قصداً وعمداً شرک فی الطاعت کا مرتکب ہوسکتا ہے؟
(۶۸)	کیا قصداً وعمداً شیطان کی اطاعت کرنا منافی عصمت نہیں ہے؟

تفسیر طبری اور توہین ابراہیم علیہ السلام

"وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۔ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ..."(سورۃ البقرۃ آیت ۲۶۰)

''اور یاد کرو جب عرض کی ابراہیم نے اے میرے پروردگار! دکھا مجھے کہ تو کیسے زندہ فرمائے گا مُردوں کو؟ فرمایا: (اے ابراہیم) کیا تم اس پر یقین نہیں رکھتے؟ عرض کی ایمان تو

ہے لیکن (یہ سوال اس لئے ہے) تا کہ مطمئن ہو جائے میرا دل"

امام طبری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

"ودخل قلب ابراهيم بعض ما يدخل قلوب الناس، فقال: رب أرنى كيف تحى الموتى...

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں بھی وہی شک پر مبنی خیال پیدا ہوا جو عام لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔اسی وجہ سے انہوں نے اپنے رب سے وہ سوال کر ڈالا۔(جامع البیان فی تاویل القرآن المجلد الثالث ص 51)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"نحن أحق بالشك من إبراهيم قال: "رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى..."

(حوالہ مذکور تحت رقم ۵۹۷۳)

ہم ابراہیم کے بہ نسبت شک کرنے کے زیادہ حق دار ہیں جب انہوں نے کہا تھا: اے میرے پروردگار تو مجھے دکھا دے کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟...

۵۔... عن أبى هريرة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: فذكر نحوه

(حوالہ مذکور تحت رقم ۵۹۷۴)

ایک دوسری سند سے بھی اسی طرح کی حدیث مروی ہے۔

امام طبری مؤخر الذکر حدیث نقل کر کے قول فیصل (قال أبو جعفر) کے طور پر لکھتے ہیں کہ:

وأولى هذه الاقوال بتأويل الآية ما صحّ به الخبر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: وهو قوله: نحن أحق بالشك من إبراهيم قال: رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ؟"، و أن تكون سألته ربه ما سأله أن يريه من إحياء الموتى لعارض من الشيطان عرض فى قلبه۔

كَالَّذِيْ ذكرنا عن ابن زيد آنفا: من أن إبراهيم لما رأى الحوت الذى بعضه فى البر و بعضه فى البحر، قد تعاوره دواب البر و دواب البحر وطير الهواء، ألقى الشيطان فى نفسه فقال: متى يجمع الله هذا من بطون هؤلاء؟ فسأل

ابراهيم حينئذ ربه أن يريه كيف يحي الموتى، ليعاين ذلك عياناً، فلا يقدر بعد ذلك الشيطان أن يلقي في قلبه مثل الذي ألقي فيه عند رؤيته ما رأى من ذلك۔ فقال له ربه: "أوَلَمْ تُؤْمِنْ؟" يقول: أولم تصدق يا إبراهيم بأني على ذلك قادر؟ قال بلى يا ربّ! لكن سألتك أن تريني ذلك ليطمئن قلبي۔ فلا يقدر الشيطان أن يلقي في قلبي مثل الذي فعل عند رؤيتي هذا الحوت۔

امام طبری روایات نمبر ۵۹۷۰ تا ۵۹۷۴ میں مذکور اقوال میں سے زیر بحث آیت کی تفسیر میں سب سے اولیٰ اس قول کو قرار دیتے ہیں جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول پیش کیا گیا ہے کہ :"نحن أحق بالشك من ابراهيم"ہم ابراہیمؑ کے بہ نسبت شک کرنے کے زیادہ حق دار ہیں جب انہوں نے کہا تھا اے میرے پروردگار! مجھے دکھا دے کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟

(امام طبری فرماتے ہیں کہ) یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے "احیائے موتیٰ" سے متعلق اپنے رب سے سوال عارضۂ شیطانی کی وجہ سے کیا ہو جو شیطان نے ابراہیم علیہ السلام کے دل میں ڈال دیا تھا۔

(پھر اس "عارضہ شیطانی" کی تائید میں امام طبری ابن زید کی یہ روایت لائے ہیں کہ) ابراہیم علیہ السلام نے جب (دریا کے کنارے پر) ایک بڑی مردہ مچھلی کو دیکھا کہ اس کا بعض حصہ خشکی میں ہے اور کچھ حصہ دریا میں۔ خشکی کے جانور، دریائی جانور اور فضائی پرندے اس کا گوشت کھاتے رہے تو شیطان نے ابراہیم علیہ السلام کے دل میں یہ بات ڈال دی (کہ اس مچھلی کا گوشت دریائی و خشکی کے جانور اور فضاء کے پرندے بھی کھا رہے ہیں اس کا گوشت کتنے مختلف پیٹوں میں جا رہا ہے) تو انہوں نے کہا کہ ان مختلف جانوروں کے پیٹوں سے اللہ تعالیٰ اس کے مختلف اجزاء کس طرح اکٹھے کرے گا؟ تو اس موقع پر ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ وہ اسے دکھا دے کہ وہ کس طرح مردوں کو زندہ کرے گا؟ تاکہ وہ زندہ کرنے کی اس کیفیت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں۔

پھر اس کے بعد شیطان ابراہیمؑ کے دل میں شک ڈالنے پر قادر نہ ہوسکا جس طرح

اس نے ان کے دل میں اس مچھلی کو دیکھنے کے وقت ڈالا تھا۔ پس ان سے ان کے رب نے کہا: کیا تجھے یقین نہیں ہے یا ابراہیمؑ! کیا آپ اس بات کی تصدیق نہیں کرتے کہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہوں۔ ابراہیمؑ نے کہا: کیوں نہیں لیکن میں نے آپ سے اس لئے سوال کیا کہ آپ مجھے زندہ کرنے کی کیفیت دکھادیں تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔ ابراہیمؑ کہتے ہیں کہ پھر شیطان کو یہ قدرت حاصل نہ ہوئی کہ وہ میرے دل میں یہ بات ڈال دے جس طرح اس نے مچھلی کو دیکھنے کے وقت ڈالی تھی۔

مذکورہ ''قول فیصل'' میں امام طبری نے واضح طور پر یہ قرار دیا ہے کہ شیطان نے ابراہیم علیہ السلام کے دل میں یہ بات ڈالی تھی اس لئے وہ اپنے رب سے یہ سوال کر بیٹھے۔ پھر اس (یعنی سوال کرنے) کے بعد شیطان ان کے دل میں شک ڈالنے پر قادر نہ ہو سکا۔

امام طبری یہ دلائل اس عنوان کے تحت لائے ہیں کہ:

"قال ذلك لربه، لأنه شك في قدرة الله على إحياء الموتى"

''حضرت ابراہیمؑ نے اپنے رب سے یہ سوال اس بناء پر کیا تھا کہ انہیں مردوں کے دوبارہ زندہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک تھا اور یہ بات شیطان نے ان کے دل میں ڈالی تھی۔''

زیر بحث آیت کی تفسیر میں امام طبری کے دلائل کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نزدیک یہ آیت "رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى" زیادہ امید افزا ہے کیونکہ عارضہ شیطانی کے باعث جو خیالات دل میں آتے ہیں ان پر مواخذہ نہیں ہے۔

۲۔ دخل قلب ابراهيم بعض ما يدخل قلوب الناس" یعنی ابراہیمؑ کے دل میں وہی شک پیدا ہوا جو عام لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔

بعض حضرات نے اگرچہ اس کی یہ تاویل کی ہے کہ اس سے مراد آنکھوں سے دیکھنا ہے (أي من طلب المعاينة) لیکن یہ تاویل اس لئے صحیح نہیں ہے کہ امام طبری اسے ان لوگوں کے موقف کی تائید میں بطور دلیل لائے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ابراہیمؑ نے "احياء موتىٰ" سے متعلق اللہ کی قدرت میں شک کی بناء پر یہ سوال ("رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى") کیا تھا۔

۳۔موصوف نے دوروایتیں پیش کی ہیں جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پیش کیا گیا ہے کہ "نحن أحق بالشك من ابراهيم"

۴۔پھر خود بھی زیر بحث آیت میں اس حدیث کو تمام اقوال اور دلائل میں سے سب سے اولیٰ قرار دیا ہے۔

۵۔پھر واضح طور پر لکھا ہے کہ:"و أن تكون سألته ربه ما سأله أن يريه من إحياء الموتى لعارض من الشيطان عرض في قلبه۔"

''اور یہ ہوسکتا ہے کہ ابراہیمؑ نے ''احیائے موتی'' سے متعلق اپنے رب سے سوال عارضۂ شیطانی کی وجہ سے کیا ہو جو شیطان نے ابراہیم کے دل میں ڈال دیا تھا''

٦۔پھر امام طبری''عارضۂ شیطانی'' کی وضاحت کرتے ہوئے دریا کے کنارے پر پڑی ہوئی ایک بڑی مردہ مچھلی کا ذکر کرتے ہیں جس کا گوشت خشکی و دریائی جانور اور فضائی پرندے بھی کھا رہے ہیں۔اس موقع پر شیطان نے ابراہیمؑ کے دل میں یہ بات ڈالی تھی کہ وہ اپنے رب سے سوال کریں کہ اللہ تعالیٰ مختلف جانوروں کے پیٹوں سے اس مچھلی کے اجزاء کس طرح اکٹھے کرکے اسے زندہ کرے گا۔

"ألقى الشيطان في نفسه...، فلا يقدر بعد ذلك الشيطان أن يلقى في قلبه مثل الذي ألقى فيه عند رؤيته ما رأى من ذلك۔، فلا يقدر الشيطان أن يلقى في قلبي مثل الذي فعل عند رؤيتي هذا الحوت۔"

مذکورہ''قول فیصل''میں امام طبری نے نہ صرف یہ کہا ہے کہ شیطان نے ابراہیم علیہ السلام کے دل میں یہ شک والی بات ڈالی تھی بلکہ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی بھی یہ اقرار کرایا ہے کہ شیطان نے میرے دل میں یہ بات ڈالی تھی پھر اس کے بعد وہ ایسا کرنے پر قدرت حاصل نہ کرسکا۔

امام طبری نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں دو باتیں بیان کی ہیں:

(۱) شک۔ (۲) یہ شک شیطان نے ان کے دل میں ڈالا تھا۔

موصوف کی دونوں باتیں عقیدہ عصمتِ انبیاء کے منافی ہیں کیونکہ تمام انبیاء کرام صغائرو کبائر سے معصوم و پاک ہوتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کسی شک یا عارضہ شیطانی اور وسوسہ شیطانی کی بناء پر نہیں بلکہ اپنے اطمینان قلب کے لئے سوال کیا تھا جو ہرگز ''یقین'' کے منافی نہیں ہے جبکہ ''شک'' یقین اور ایمان کے منافی ہے۔ پھر ''احیاء موتی'' سے متعلق ان کے ایمان و یقین کا اعلان ''بَلٰی'' کی صورت میں خود قرآن کریم میں موجود ہے۔ جس کی وجہ سے اسے شک یا عارضہ شیطانی کا نام ہرگز نہیں دیا جا سکتا۔

حضرت مفتی صاحب!

(۶۹)	کیا یہ بات کسی بھی درجے میں تسلیم کی جا سکتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ''احیاء موتی'' سے متعلق اللہ تعالیٰ کی قدرت میں کوئی شک تھا؟
(۷۰)	کیا شیطان کسی نبی کے دل میں ''شک'' ڈالنے پر قادر ہے؟
(۷۱)	کیا امام طبری کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں مذکورہ روایات عقیدہ عصمت انبیاء کے منافی نہیں ہیں؟

تفسیر طبری اور توہین یوسف علیہ السلام

امام طبری نے حضرت یوسف علیہ السلام کی بدترین توہین پر مبنی موقف کو تقریباً دو درجن روایات میں پورے ''ہوش و حواس'' کے ساتھ بیان کیا ہے جن میں سے چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

امام طبری ''وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَ هَمَّ بِهَا'' (سورہ یوسف آیت 24) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

... ان امرأة العزیز لمّا همّت بیوسف، و أرادت مراودته، جعلت تذکر له محاسن نفسه، و تشوقه إلیٰ نفسها، کما: ...

...عزیز کی بیوی نے جب یوسفؑ کے ساتھ برائی کا عزم کرلیا تو اس نے انہیں اپنے نفس کی طرف مائل کرنے کی خاطر، ترغیب دیتے ہوئے ان کے حسن و جمال کی تعریف شروع کردی۔ جیسا کہ:

۱۔ حدثنا ابن وکیع قال، حدثنا عمرو بن محمد قال، حدثنا أسباط، عن السدی: "وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا" قال: قالت له: یا یوسف، ما أحسن شعرك! قال: هو أول ما ینتشر من جسدی۔ قالت: یا یوسف! ما أحسن وجهك! قال: هو للتراب، یأکله۔ فلم تزل حتی أطمعته فهمّت به و همّ بها، فدخلا البیت، و غلّقت الأبواب، وذهب لیحلّ سراویله، فإذا هو بصورة یعقوب قائما فی البیت و قد عضّ علی إصبعه... فربط سراویله... (تفسیر الطبری۔ جلد ۷ ص ۱۸۱۔ تحت رقم ۱۹۰۲۳۔ طبع بیروت ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء)

"...سدّی سے روایت ہے کہ زوجہ عزیز نے حضرت یوسفؑ سے کہا: اے یوسفؑ! آپ کے بال کتنے ہی اچھے ہیں۔ انہوں نے کہا: (میرے مرنے کے بعد) یہ سب سے پہلے میرے جسم سے الگ ہوجائیں گے۔ پھر اس عورت نے کہا: آپ کا چہرہ کس قدر حسین ہے۔ جواب دیا کہ: یہ مٹی کے لئے ہے جو اسے کھاجائے گی۔ یہ عورت برابر حضرت یوسفؑ کو برے کام پر آمادہ کرنے کے لئے دعوت و ترغیب دیتی رہی "فَهَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا" پس اس عورت نے بھی اس کا عزم کرلیا اور یوسفؑ نے بھی اس کا ارادہ کرلیا۔ پھر وہ دونوں خلوت خانے میں داخل ہوئے اور اس عورت نے تمام دروازے بند کرلئے اور یوسفؑ نے اپنی شلوار اتار دی کہ اچانک یعقوبؑ کی تصویر دیکھ لی جو اپنی انگلی کو دانتوں سے کاٹتے ہوئے فرمارہے تھے کہ اے یوسفؑ اس کام میں مبتلا نہ ہونا پھر پرندے اور بیل کی مثالیں دے کر سمجھاتے رہے۔ بعد ازاں یوسفؑ نے اپنی شلوار باندھ لی..."

یہ ملحوظ رہے کہ یہ روایت امام طبری نے "سدی" سے روایت کی ہے جس کے جھوٹا ہونے پر ائمہ رجال متفق ہیں۔

ابن حمید،سلمہ،ابن اسحاق سے روایت ہے کہ:وہ عورت یعنی زوجہ عزیز یوسفؑ پر جھک گئی۔ایک مرتبہ انہیں ترغیب و لالچ دیتی اور دوسری مرتبہ عدم تعمیل کے نتیجے سے انہیں ڈراتی اور انہیں اس عیش و لذت کی طرف دعوت دیتی رہی جو عورت کے حسن و جمال میں مردوں کی ضرورت و احتیاج ہوتی ہے اور یوسفؑ بھی تمام مردانہ صفات کے حامل ایک خوبصورت جوان تھے یہاں تک کہ اس عورت کی اپنے ساتھ بے تکلفی دیکھ کر اس کے لئے نرم پڑ گئے اور اس سے کوئی خوف محسوس نہیں ہوا یہاں تک کہ یوسفؑ نے اس عورت کا قصد کرلیا اور اس عورت نے بھی یوسفؑ کا قصد کرلیا۔پھر مکان میں علیحدہ چلے گئے...

(امام طبری لکھتے ہیں کہ) "ھمّ یوسف" اور "ھمّ زوجہ عزیز" کے بارے میں اہل علم نے جو کہا ہے میں انہیں یہاں ذکر کررہا ہوں اور وہ یہ ہے:

۳۔ "حدثنا أبو کریب، وسفیان بن وکیع و سهل بن موسیٰ الرازی قالوا، حدثنا ابن عیینة، عن عثمان بن أبی سلیمان، عن ابن أبی ملیکة، عن ابن عباسؓ:

سئل عن همّ یوسف مابلغ؟ قال: حلّ الهمیان، وجلس منها مجلس الخاتن، لفظ الحدیث لأبی کریب" (حوالہ مذکور تحت رقم ۱۹۰۲۵)

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ یوسفؑ کا قصد و خیال کہاں تک پہنچا؟ فرمایا: انہوں نے شلوار یا پاجامہ اتارلیا اور زوجہ عزیز کی اس جگہ پر بیٹھ گئے جہاں بیٹھ کر عورت سے مقاربت کی جاتی ہے۔یہ ابوکریب کی حدیث کے لفظ ہیں''۔

٦۔ حدثنی زیاد بن عبدالله قال، حدثنا محمد بن أبی عدی، عن ابن جریج، عن ابن أبی ملیکة قال: سألت ابن عباس: مابلغ من همّ یوسف؟ قال استلقت له، وجلس بین رجلیها۔ (حوالہ مذکور تحت رقم ۱۹۰۲۸)

...ابن أبی ملیکہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ: یوسفؑ کا ارادہ و خیال کہاں تک پہنچا؟ فرمایا: زوجہ عزیز یوسفؑ کے سامنے چت لیٹ گئی اور وہ اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گئے۔

۷۔ حدثنا ابن وکیع قال، حدثنا یحییٰ بن همام، عن ابن جریج، عن ابن أبی ملیکة: "وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَ هَمَّ بِهَا"، قال: استلقت له و حلّ ثیابه۔ (حوالہ مذکور تحت رقم ۱۹۰۲۹)

ابن اَبی ملیکہ نے آیت "وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَ هَمَّ بِهَا" کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ: زوجہ عزیز یوسفؑ کے لئے سیدھی لیٹ گئی اور انہوں نے اپنے کپڑے اتار لئے۔

۸۔ حدثنی المثنی قال، حدثنا قبیصة بن عقبة قال، حدثنا سفیان، عن ابن جریج، عن ابن أبی ملیکة، عن ابن عباس: "وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَ هَمَّ بِهَا" ما بلغ؟ قال: استلقت له، و جلس بین رجلیها، و حلّ ثیابه۔ أو: ثیابها۔ (حوالہ مذکور تحت رقم ۱۹۰۳۰ص ۱۸۲)

"...ابن اَبی ملیکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے آیت "وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَ هَمَّ بِهَا" کے تحت روایت کرتے ہیں کہ ان کا "هَمّ" (قصد و خیال) کہاں تک پہنچا؟ فرمایا: زوجہ عزیز یوسفؑ کے سامنے چت لیٹ گئی اور وہ اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے اتار دیئے۔ یا اس عورت کے کپڑے اتار دیئے۔

"ثیابه أو: ثیابها" سے پہلے دونوں کے لئے "حَلَّ" فعل مذکر استعمال ہوا ہے اور اس کا فاعل یوسفؑ ہیں۔ پہلی روایات کے مطابق اپنی شلوار اور کپڑے اتارنے کا ذکر تھا جبکہ مذکورہ روایت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ "هـمّ یوسف" اس سے بھی آگے بڑھ گیا حتیٰ کہ اس عورت کے بھی کپڑے اتار دیئے۔"

۹۔ حدثنی المثنی قال، حدثنا إسحاق قال، حدثنا یحی بن سعید، عن ابن جریج، عن ابن أبی ملیکة قال: سألت ابن عباس: مابلغ من هَمّ یوسف؟ قال: استلقت علیٰ قفاها و قعد بین رجلیها لینزع ثیابه۔ (حوالہ مذکور تحت رقم ۱۹۰۳۱)

"...ابن اَبی ملیکہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ: یوسفؑ کا قصد و خیال کہاں تک پہنچا؟ فرمایا: وہ عورت اپنی پیٹھ کے بل سیدھی لیٹ گئی اور یوسفؑ اس کی

دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گئے تا کہ وہ اپنے کپڑے اتار دیں۔"

۱۰۔ "حدثنا أبو كريب قال، حدثنا وكيع، و حدثنا ابن وكيع قال، حدثنا أبي، عن نافع بن عمر، عن ابن أبي مليكة قال: سئل ابن عباس عن قوله: "وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَ هَمَّ بِهَا" ما بلغ من هم يوسف؟ قال: حل الهميان، يعني السّراويل۔ (حوالہ مذکور تحت رقم ۱۹۰۳۲)

''ابن أبي مليكه کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: "وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَ هَمَّ بِهَا" کے متعلق پوچھا گیا کہ اس میں حضرت یوسفؑ کا قصد و خیال کہاں تک پہنچا؟ فرمایا: انہوں نے ''ہمیان'' یعنی شلوار (سراویل) اتار دی تھی۔''

۱۱۔ حدثنا أبو كريب و ابن وكيع قالا، حدثنا ابن إدريس، قال سمعت الأعمش، عن مجاهد في قوله: "وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ ۚ وَ هَمَّ بِهَا"، قال: حلّ السراويل حتىٰ ألْيَتيه، و استلقت له۔ (حوالہ مذکور تحت رقم ۱۹۰۳۳)

امام طبری ایک دوسری سند کے ساتھ آیت کی تفسیر میں امام مجاہد کا یہ قول لائے ہیں کہ یوسفؑ نے سرینوں تک اپنی شلوار اتار دی اور زوجہ عزیز ان کے سامنے سیدھی لیٹ گئی۔

۱۳۔ حدثنا محمد بن عبدالأعلى قال، حدثنا محمد بن ثور، عن معمر، عن ابن أبي نجيح، عن مجاهد: "وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَ هَمَّ بِهَا"، قال: جلس منها مجلس الرجل من امرأته۔ (حوالہ مذکور تحت رقم ۱۹۰۳۵)

''امام تفسیر حضرت مجاہد اس آیت کی تفسیر میں حضرت یوسفؑ کے ''ھم'' کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: یوسفؑ زوجہ عزیز کے قریب اس طرح بیٹھ گئے جس طرح ایک آدمی اپنی عورت کے ساتھ مقاربت کے وقت بیٹھتا ہے۔''

۱٤۔ حدثني المثنى قال، حدثنا أبو حذيفة قال، حدثنا شبل قال، حدثني القاسم بن أبي بزة: "وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَ هَمَّ بِهَا"، قال: أمّا همّها به، فاستلقت له، و أمّا همّه بها، فانّه قعد بين رجليها و نزع ثيابه۔ (حوالہ مذکور تحت رقم ۱۹۰۳٦)

امام طبری ایک نئی سند کے ساتھ بروایت القاسم بن اَبی بزہ لکھتے ہیں کہ: زوجہ عزیز کا "ھَمّ" یہ تھا کہ وہ ان کے سامنے بالکل چت لیٹ گئی۔ جبکہ یوسفؑ کا "ھَمّ" یہ تھا کہ وہ اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے اتار دیئے۔

حضرت مفتی صاحب!

(۷۲)	سب سے اہم سوال یہ ہے کہ امام طبری اور ان کے راویوں کو حضرت یوسفؑ کے "ھَمّ" کے بارے میں کس نے آگاہ کیا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام نے خود یا زوجہ عزیز نے؟ کیونکہ موقع پر تو کوئی تیسرا شخص موجود نہیں تھا۔

سخت تعجب ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی تقریباً ۲۴۰۰ سال پہلے رونما ہونے والے ایک واقعہ کے بارے میں یہ حضرات ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔ امام طبری نے منقولہ اسرائیلی روایات میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصد و خیال کا جو انتہائی مکروہ اور قبیح نقشہ کھینچا ہے اور وہ باتیں ان کی طرف منسوب کی ہیں جو کسی ''فاسق'' کی طرف بھی منسوب نہیں کی جاسکتیں۔ (تفسیر بحر المحیط)

موصوف نے مذکورہ تمام روایات میں زوجہ عزیز کا "ھم" (جو "ل" اور "قد" کی تاکید کے ساتھ بیان کیا گیا ہے) یہی بتایا ہے کہ وہ ان کے سامنے چت لیٹ گئی تھی "استلقت له، استلقت على قفاها" اس کے برعکس حضرت یوسف علیہ السلام (جن کا "ھَمّ" بغیر تاکید کے بیان ہوا ہے) کا "ھَمّ" اور قصد و خیال جس انداز سے بیان کیا ہے وہ اس عورت کے "ھم" سے کہیں زیادہ ہے:

"حتى رقّ لها، ولم يتخوّف منها، خلوا في بعض بيوته، حلّ الهميان، حلّ السراويل، نزع ثيابه، حلّ ثيابه۔ أوثيابها، جلس منها مجلس الخاتن، جلس منها مجلس الرجل من امرأته، جلس بين رجليها، قعد بين رجليها"

امام طبری تقریباً تمام ہی روایات میں حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق مذکورہ الفاظ کی ''گردان'' پڑھتے اور لکھتے رہے اور ستم بالائے ستم یہ کہ امام طبری اس "ھَمّ یوسف'' کو صحیح سمجھ کر نقل کرتے رہے۔

جب اللہ تعالیٰ اور زوجہ عزیز سمیت شہر کی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے ''برائی'' کی نفی کر دی تو پھر معلوم نہیں کہ امام طبری کو کیا ضرورت محسوس ہوئی کہ انہوں نے ڈیڑھ درجن سے زائد روایات نقل کر کے یوسف علیہ السلام کی ''برائی'' کو اجاگر کر دیا۔

حضرت مفتی صاحب!

(۷۳) کیا ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی اس تعریف: ''كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ '' کا مستحق ہو سکتا ہے جو بقول طبری: "جلس بين رجليها، قعد بين رجليها، جلس منها مجلس الخاتن، جلس منها مجلس الرجل من امرأته و حلّ ثيابه و ثيابها، و حلّ الهميان و حلّ السراويل" اس کردار کا مظاہرہ کرے؟

یقیناً ہر مومن بالقرآن بغیر کسی ادنیٰ تاویل کے اپنے عقیدہ عصمت انبیاء اور ایمان کے تقاضے کے تحت اس مفتری، کذاب و دجال راوی کی بات کو ٹھکرا کر کلام الٰہی کی صداقت کو ہی تسلیم کرے گا۔

جن حضرات نے بشری تقاضے کے تحت غیر اختیاری طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کا "ھَمّ" (قصد و خیال) ثابت کیا ہے۔ انہوں نے بھی اپنی حدود سے قدرے ''تجاوز'' ہی کیا ہے کیونکہ "ھَمّ" کے معنی قصد و خیال اور ارادہ و فکر کے ہیں جس کا ادراک حواس کے ذریعے نہیں ہو سکتا اور اس کا حقیقی محل بھی دل ہے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قلبی ارادے کو جس کا ادراک حواس کے ذریعے ممکن ہی نہیں تھا ان حضرات نے کیوں کر معلوم کر لیا؟ اور اگر بفرض محال ان کی غلط حرکات و سکنات کو دیکھ کر ان کا اصل ''قلبی ارادہ'' معلوم ہوا تو یہ چیز "ھَمّ" سے نکل کر ''فعل'' کی حدود میں داخل ہو جائے گی۔ اگر بالفرض "ھم" (یعنی دل میں خیال) عنداللہ "سوء" کے درجے میں بھی ہے تو وہ قابل مواخذہ نہیں ہے جب تک کہ اس کا ارتکاب نہ کیا جائے بلکہ اللہ کے خوف سے اس کے ترک کرنے والا بھی ثواب کا مستحق ہے نہ کہ ملامت کا۔

حضرت مفتی صاحب!

امام طبری نے "وھمّ بھا" کے تحت جس قدر جھوٹی روایات کا انبار لگایا ہے اور ان میں جن "اعمال" کی نسبت حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف کی گئی ہے وہ یقیناً "ھمّ" سے بڑھ کر "افعال" اور "فحشاء" کے درجے کے ہیں۔ جن کی نفی وتردید نہ صرف اللہ تعالیٰ نے کی ہے بلکہ شہر کی عورتوں اور خود صاحب واقعہ زوجہ عزیز نے بھی واشگاف الفاظ میں کر دی ہے۔ جب امام طبری کی پیدائش سے بھی صدیوں پہلے ایک واقعہ کی بے لاگ تحقیق وتفتیش کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت و پاکدامنی کا اعلان کر کے اسے قرآن مجید میں محفوظ کر دیا گیا۔

(۷۴)	کس طبقہ کی خوشنودی کی خاطر امام طبری نے ان ناکردہ قبیح ترین افعال کو حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا؟
(۷۵)	حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں یہ تصور کرنا کہ انہوں نے "ھمّ" کے درجے میں ہی ارادہ بد کیا تھا کیا یہ تصور بالکل باطل اور قرآن کریم کے صریح مخالف نہیں ہے؟
(۷۶)	کیا امام طبری نے اسے "ھمّ" کے درجے سے ترقی دیتے ہوئے پہلے "سوء" اور پھر "فحشاء" کے درجے میں نہیں پہنچایا؟

حضرت مفتی صاحب!

امام طبری نے "وھمّ بھا" کی جو تفصیل دی ہے (کہ یوسفؑ کا اس عورت کی طرف میلان و جھکاؤ، خلوت گاہ میں جانا، اس عورت کا چت لیٹ جانا، یوسفؑ کا اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان اس جگہ بیٹھ جانا جہاں بیٹھ کر ایک مرد عورت سے مقاربت کیا کرتا ہے پھر اپنے کپڑے اور شلوار اتار دینا وغیرہ) یہ سب مبادی زنا شمار ہوتے ہیں۔ امام طبری اگر باقی تفصیل نہ بھی دیتے صرف "حل سراویل" (یعنی شلوار اتارنے) کا ہی ذکر کر دیتے تو پھر بھی اس میں مذکورہ جملہ امور شامل ہی سمجھے جاتے کیونکہ "حل سراویل" تک نوبت پہنچنے سے پہلے کچھ اور مبادی و مراحل بھی ہوتے ہیں۔ مگر امام طبری نے ان تمام مبادی کی خود ہی تفصیل بھی جاری کر دی۔

حضرت مفتی صاحب!

(۷۷)	جو شخص امام طبری کے منقولہ ''مبادی'' میں مبتلاء ہو جائے کیا انہیں معصوم کہا جا سکتا ہے؟
(۷۸)	کیا ان مبادی میں مبتلا ہونے والے پر ''الصدیق'' کا اطلاق ہو سکتا ہے؟
(۷۹)	کیا ان مبادی پر ''سوء، فحشاء، ذنب'' کا اطلاق نہیں ہوتا؟
(۸۰)	حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں امام طبری کی منقولہ روایات کیا منافی عصمت نہیں ہیں؟
(۸۱)	کیا حضرت یوسف علیہ السلام کو ان مذکورہ ''مبادی'' میں مبتلا دکھانے والے، ان ''مبادی'' کو نقل کرنے والے اور انہیں منافی عصمت نہ سمجھنے والے کیا عنداللہ ''مسؤل'' نہیں ہیں؟

حضرت مفتی صاحب!

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے ''سوء اور فحشاء'' دونوں کو ہٹا دیا ہے۔ امام آلوسی کے نزدیک "سوء" مقدمات الفحشاء من القبلة والنظر بشهوة"کو کہتے ہیں (روح المعانی جلد ۱۲ ص ۲۱۶)

''سوء'' کے معنی ہیں دل میں بے حیائی کا خیال لانا جبکہ ''فحشاء'' کے معنی بے حیائی کے فعل کا ارتکاب ہے خواہ وہ زنا ہو یا مبادی زنا۔ پس اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام سے نہ صرف زنا اور ہر قسم کے مبادی زنا کی نفی کرتا ہے بلکہ اس گندے خیال کے آپ کے دل میں آنے کی بھی نفی کرتا ہے۔

امام طبری نے پہلے "هَمَّ بِهَا" کے تحت ۱۹ روایات لا کر حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف انتہائی مکروہ انداز میں ''ھَمِّ سُوء'' کی نسبت کی ہے پھر واقعہ کے تمام متعلقین کی طرف سے ان کی برات کا اعلان کرنے کے بعد جب کوئی زمینی گواہ دستیاب نہ ہو سکا تو انہوں نے جبرئیل امین اور ایک دوسرے فرشتے کی گواہی سے معصوم پیغمبر کو "همَ سوء" کا مرتکب قرار دے دیا۔

امام طبری نے سورہ یوسف کی آیت ۵۲-۵۳ کی تفسیر میں ۱۸ روایات کی رو سے یہ بات "ثابت" کی ہے کہ شاہی دربار میں زوجہ عزیز کی حضرت یوسف علیہ السلام کے حق میں اس گواہی: "اَلْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ" (اب حق کھل چکا ہے وہ میں ہی تھی جس نے اس کو پھسلانے کی کوشش کی تھی۔ بے شک وہ بالکل سچا ہے) کے بعد جب حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: "ذٰلِكَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ" (اس سے میری غرض یہ تھی کہ عزیز مصر یہ جان لے کہ میں نے درپردہ اس کی خیانت نہیں کی تھی) تو جبریل امین اور ایک فرشتہ (جو حضرت یوسفؑ کے ساتھ ڈیوٹی پر مقرر تھا) نے انہیں ٹوکتے ہوئے ٹھوکا لگاتے ہوئے اور وہ سابقہ منظر یاد کراتے ہوئے کہا کہ: کیا اس دن تم نے خیانت نہیں کی تھی جب اس عورت نے تیرے ساتھ برائی کا ارادہ کر لیا تھا اور تم نے بھی اس کے ساتھ ایسا ہی ارادہ کیا تھا بلکہ کیا تم نے اس وقت خیانت نہیں کی تھی جب تم نے اپنی شلوار بھی اتار لی تھی؟ جبریل امین اور فرشتے کے اس طرح کے ہر سوال کے جواب میں یوسفؑ یہ اعتراف کرتے رہے کہ: میں کچھ اپنے نفس کی برأت نہیں کر رہا ہوں نفس تو بدی پر اکساتا ہی ہے الا یہ کہ کسی پر میرے رب کی رحمت ہو۔ بے شک میرا رب بڑا غفور و رحیم ہے۔

امام طبری نے سورہ یوسف کی آیات: "وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَ هَمَّ بِهَا"، ذٰلِكَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ...، وَمَاۤ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ..." (یوسف: ۲۴، ۵۲، ۵۳) کے ذیل میں جو تفسیری اقوال نقل کئے ہیں انہیں صحیح سمجھنے کی صورت میں یقینی طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت داغ دار ہوتی ہے۔

سخت تعجب ہے کہ امام طبری نے زوجہ عزیز کی گواہی کے بعد بھی اپنی روش ترک نہیں کی۔ پھر جب وہ "مقدمہ" کی اصل مدعیہ کے اپنے سابقہ بیان سے منحرف ہونے کے بعد اس کے "اعترافی بیان" سے بھی مایوس ہو گئے تو انہوں نے حضرت جبریل اور ایک دوسرے فرشتے کی گواہی سے "۱۸" روایات لا کر اپنا باطل مدعا "ثابت" کرنا شروع کر دیا۔

حضرت مفتی صاحب!

کیا آپ اس بات کی وضاحت کرنا پسند فرمائیں گے کہ:

(۸۲)	امام طبری نے ''کراماً کاتبین'' اور جبرئیل امین کے ''بیانات'' کا ریکارڈ کن ''ذرائع'' سے حاصل کیا؟

روزنامہ اسلام کے چیف ایڈیٹر ہونے کی حیثیت سے آپ پر، آپ کے ''ممدوح'' اور امام طبری کے تمام وکلائے صفائی پر اس سوال کا ''جواب'' ایسا قرض ہے جو شاید کبھی ادا نہ ہوسکے۔

امام فخر الدین رازیؒ (م ۶۰۶ھ) نے انبیاء کرام کی عصمت کے تحفظ کی خاطر ایسے ضدی اور ہٹ دھرم طبقے کے حق میں جس درد اور سوز سے جو حتمی بات کی ہے یقیناً اس پر کوئی اضافہ ممکن نہیں ہے چنانچہ حضرت موصوف حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی پر تمام اہم شہادتیں قلم بند کرنے کے بعد منکرین عصمت انبیاء سے یوں مخاطب ہوتے ہیں کہ:

"هؤلاء الجهال الذين نسبوا إلى يوسف عليه السلام هذه الفضيحة إن كانوا من أتباع دين الله تعالى فليقبلوا شهادة الله تعالى على طهارته، و إن كانوا من أتباع إبليس و جنوده فليقبلوا شهادة إبليس على طهارته" (التفسیر الکبیر جلد ۶ ص ۴۴۱)

''جن جاہلوں نے ان قبیح حرکات و شنیع افعال اور گندے عمل و حرام مقصد و ہم کو حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے اگر وہ: اللہ تعالیٰ کے قانون اور طریقے کی اتباع کرنے والے ہیں تو اس کی یوسف علیہ السلام کے حق میں اس گواہی کو قبول کرلیں: "وَ هَمَّ بِهَا لَوْ لَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ط كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ط اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ O" (سورۃ یوسف آیت ۲۴)

(اور یوسفؑ بھی اس عورت کا قصد کرلیتے اگر وہ اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتے مگر چونکہ وہ برہان دیکھ چکے تھے اس لئے انہوں نے اس کا ارادہ ہی نہیں کیا۔ یہ اس لئے کیا گیا تاکہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے۔)

اور اگر وہ منکرین عصمت، جاہل لوگ ابلیس اور اس کے لشکروں کے پیروکار ہیں تو وہ

یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی پر ابلیس کی شہادت قبول کرلیں جب اس نے کہا تھا کہ:

"فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝ (ص ۸۲۔۸۳)

(تیری عزت و جلال کی قسم! میں ان سب کو صراط مستقیم سے ضرور بہکاؤں گا مگر تیرے مخلص بندوں پر میرا کوئی داؤ،فریب نہیں چل سکتا۔)"

لیکن صد افسوس! امام طبری وامثالہ نے ان سب گواہوں کی گواہیوں کو رد کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف جبرئیلؑ اور فرشتے کی مزعومہ ومفروضہ گواہی قبول کر لی۔ جس کا کسی بھی ذریعے سے ثابت ہونا ممکن ہی نہیں۔ واللہ المستعان!

تفسیر طبری اور توہین داؤد علیہ السلام

امام طبری سورہ "ص" کی آیت 21 کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

كان داؤد قد قسم الدهر ثلاثه أيام: يوم يقضي فيه بين الناس، ويوم يخلو فيه لعبادة ربه، ويوم يخلو فيه لنسائه و كان له تسع و تسعون امرأة، وكان فيما يقرأ من الكتب أنه كان يجد فيه فضل إبراهيم و إسحاق و يعقوب، فلما وجد ذلك فيما يقرأ من الكتب قال: يا رب إنّ الخير كله قد ذهب به آبائي الذين كانوا قبلي، فأعطني مثل ما أعطيتهم، وافعل بي مثل ما فعلت بهم، قال: فأوحى الله إليه: إنّ آباءك ابتلوا ببلايا لم تبتل بها، ابتلى إبراهيم بذبح ابنه، وابتلى إسحق بذهاب بصره و ابتلى يعقوب بحزنه على يوسف، انك لم تبتل من ذلك بشئي، قال: يا رب ابتلني بمثل ما ابتليتهم به، وأعطني مثل ما أعطيتهم، قال: فأوحى اليه: انك مبتلى فاحترس، قال: فمكث بعد ذلك ما شاء الله أن يمكث، اذ جاء ه الشيطان قد تمثل في صورة حمامة من ذهب، حتى وقع عند رجليه وهو قائم يصلّي، فمدّ يدهُ ليأخذه، فتنحى فتبعه، فتباعد حتى وقع في كوّة، فذهب ليأخذه، فطار من الكوّة، فنظر أين يقع، فيبعث في أثره قال: فأبصر امرأة تغتسل على سطح لها، فرأى امرأة من أجمل الناس خلقاً، فحانت منها التفاتة

فأبصرته، فألقت شعرها فاستترت به، قال: فزاده ذلك فيها رغبة، قال: فسأل عنها، فأخبر أن لها زوجاً، وانّ زوجها غائب بمسلحة كذا و كذا، قال: فبعث إلى صاحب المسلحة أن يبعث "أهريا" (أوريا) إلى علو كذا و كذا، قال: فبعثه، ففتح له۔ قال: وكتب إليه بذلك، بأساء قال: فبعثه ففتح له أيضاً۔ قال: فكتب إلى داوُد بذلك، قال فكتب إليه أن ابعثه إلى علوّ كذا و كذا، فبعثه فقتل المرّة الثالثة، قال: وتزوج امرأته۔

(تفسير الطبری۔ المجلد العاشر ص ۵۷۱۔ طبع بیروت ۱٤۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء)

امام طبری زیر بحث آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

''حضرت داؤد علیہ السلام نے تقسیم کار کے پیش نظر اپنے معمولات کو تین دنوں پر اس طرح تقسیم کردیا تھا کہ ایک دن حکومتی امور انجام دینے اور لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے، ایک دن انہوں نے اپنے رب کی عبادت کے لئے اور ایک دن گھریلو امور انجام دینے کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔

ان کی ننانوے (۹۹) بیویاں تھیں۔ انہوں نے سابقہ کتب میں اپنے آباء حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے فضائل و مناقب پڑھ کر کہا: اے پروردگار! یہ تمام خوبیاں میرے آباء واجداد جو مجھ سے پہلے گذرے ہیں وہ لے گئے ہیں۔ پس مجھے بھی وہ عطا کر جن سے آپ نے انہیں نوازا تھا۔ اللہ تعالی نے ان کی طرف وحی کی کہ جن آزمائشوں میں آپ کے آباء کو مبتلا کیا گیا ان سے آپ نہیں گذرے۔ ابراہیم کو بیٹے کے ذبح کرنے کے معاملے میں آزمایا گیا، اسحاقؑ کو بصارت کے زائل ہونے پر اور یعقوبؑ کو یوسفؑ کے غم میں آزمائش کی گئی۔ آپ کو تو ان میں سے کسی چیز میں بھی نہیں آزمایا گیا۔ داؤد نے عرض کیا: اے پروردگار! مجھے بھی ان چیزوں میں مبتلا کر جن میں انہیں مبتلا کیا گیا تھا اور مجھے بھی وہ عطا کر جو آپ نے انہیں عطا کیا تھا۔ تو ان کی طرف وحی کی گئی کہ آپ بھی عنقریب آزمائش میں ڈالے جائیں گے، اس کے بعد تھوڑا ہی وقت گذرا کہ ان پر یہ آزمائش آئی کہ:

ان کے پاس شیطان ایک سونے کی کبوتری کی صورت میں آیا اور وہ کبوتری آپ کے

پاؤں پر آ بیٹھی۔ حضرت داؤد اس وقت کھڑے نماز پڑھ رہے تھے تو انہوں نے اسے پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا وہ وہاں سے اُڑ گئی، انہوں نے پیچھا کیا تو وہ دور ہوگئی حتیٰ کہ منڈیر پر جا کر بیٹھ گئی۔ حضرت داؤد پھر اس کے قریب گئے تا کہ اسے پکڑلیں لیکن وہ منڈیر سے بھی اُڑ گئی۔ وہ منڈیر پر پہنچے تا کہ دیکھیں کہ چڑیا اُڑ کر کدھر گئی۔ جب انہوں نے نگاہ دوڑائی تو دیکھا کہ ایک خوبصورت ترین عورت اپنے سائبان میں غسل کر رہی ہے۔ اس عورت نے بھی جب انہیں دیکھا تو اپنے بال جھٹک دیئے اور اس کے لمبے لمبے بالوں نے اس کے جسم کو ڈھانک لیا تو اس جھلک سے داؤدؑ کے دل میں اس عورت کی رغبت بڑھ گئی۔ انہوں نے اس کے بارے میں پوچھ گچھ کی تو انہیں بتایا گیا کہ اس کا شوہر جہاد کے لئے گیا ہوا ہے۔ حضرت داؤدؑ نے سپہ سالار فوج کو حکم دیا کہ ''اوریا'' کو اس اس طرح کے دشمن کی طرف بھیج دے تو اس نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اسے بھیج دیا تو وہ ہلاک ہونے کے بجائے فتح سے ہمکنار ہوگیا۔ سپہ سالار نے داؤدؑ کو اس مہم سے آگاہ کیا تو انہوں نے جواباً ایک دوسری کٹھن مہم اور بڑے دشمن کی طرف بھیجنے کا حکم دیا جو پہلوں کی نسبت زیادہ طاقتور تھے چنانچہ سپہ سالار نے اسے ان کے مقابلے کے لئے بھیج دیا تو وہاں سے بھی وہ فاتح کی حیثیت میں لوٹا۔

سدّی کہتے ہیں کہ سپہ سالار نے داؤدؑ کو اس فتح سے آگاہ کیا تو انہوں نے جوابی خط لکھا کہ اب اسے ایسے ایسے دشمن کی طرف بھیج دیا جائے تو اس نے اسے بھیج دیا تو اس طرح تیسری مرتبہ وہ قتل ہوگیا۔ راوی کہتا ہے کہ اس کے قتل ہوجانے کے بعد داؤدؑ نے اس کی بیوہ سے شادی کرلی۔''

حضرت مفتی صاحب!

(۸۳)	کیا حضرت داؤد علیہ السلام ''نماز'' جیسی عبادت چھوڑ کر چڑیا کو پکڑنے کی خاطر چلے گئے تھے؟
(۸۴)	کیا حضرت داؤد علیہ السلام اپنے پڑوسی اور سپاہی کی خوبصورت بیوی کو برہنگی کی حالت میں غسل کرتے ہوئے دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو گئے تھے؟

(۸۵)	کیا حضرت داؤد علیہ اسلام نے اس عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی خاطر اس کے خاوند کو سازش کے ذریعے قتل کرایا تھا؟
(۸۶)	کیا یہ کردار حضرت داؤد علیہ السلام کے شایان شان تھا؟
(۸۷)	کیا مذکورہ روایت عقیدہ عصمت انبیاء کے منافی نہیں ہے؟

"تورات" کی محرف روایت میں حضرت داؤد علیہ السلام پر جو الزامات عائد کئے گئے تھے اوران کا جو اخلاقی نقشہ پیش کیا گیا تھا معمولی فرق کے ساتھ (یعنی اوریا کی زندگی میں ہی اس عورت کے ساتھ صحبت کے علاوہ) امام التفسیر جناب طبری نے بھی بعینہ وہی نقشہ پیش کیا ہے بلکہ اس میں تو یہ اضافہ بھی ملتا ہے کہ حضرت داؤدؑ نے ایک چڑیا کو پکڑنے کی خاطر نماز جیسی عبادت کو چھوڑ دیا تھا۔وہ چڑیا تو اڑ گئی البتہ اپنے سپاہی کو ایک سازش کے ذریعے قتل کرانے کے بعد اس کی خوبصورت بیوی کو اپنے حرم میں داخل کرنے میں کامیاب ہو گئے!

حضرت مفتی صاحب!

امام طبری نے "اسرائیلی روایت" ایک نئے ڈھنگ سے اپنی تفسیر میں نقل کی ہے جو سراسر عقیدہ عصمت انبیاء کے منافی اور مبنی بر توہین ہے۔اس داستان میں حضرت داؤد علیہ السلام کا جو نقشہ پیش کیا گیا ہے اس کے مطالعہ کے بعد ان کو نبی اور پیغمبر تو کجا ایک صحیح اخلاق کا انسان بھی نہیں سمجھا جا سکتا۔دوسرے کی غسل کرتے ہوئے بالکل برہنہ بیوی پر نظر ڈالنا، اس پر فریفتہ ہو جانا پھر سازش کے ذریعے اس کے شوہر کو ناحق قتل کروانے کے بعد اس کی بیوی کو اپنے حرم میں داخل کر لینا جیسے "اعمال" کے منافی عصمت اور مبنی بر توہین ہونے میں کوئی مومن بالقرآن شک نہیں کر سکتا۔تفصیل کے لئے میری کتاب "امام طبری کون؟ مؤرخ ،مجتہد یا افسانہ ساز" کی طرف مراجعت فرمائیں۔

تفسیر طبری اور توہین سلیمان علیہ السلام

امام طبری سورہ "ص" کی آیت 34 میں فرماتے ہیں کہ:

حدثنا بشر، قال: ثنا یزید، قال: ثنا سعید، عن قتادہ قولہ: "وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَ اَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ"...

حضرت سلیمانؑ کو بیت المقدس کی تعمیر کا حکم ہوا کہ اس طرح بناؤ کہ لوہے کی آواز بھی نہ سنی جائے۔ آپ نے ہر چند تدبیریں کیں لیکن کارگر نہ ہوئیں۔ پھر آپ نے سنا کہ سمندر میں ایک شیطان ہے جو ایسی ترکیب بتا سکتا ہے۔ آپ نے اسے طلب کیا۔

ایک چشمہ سمندر میں ملتا تھا۔ ہر ساتویں دن اس میں لبالب پانی آ جاتا تھا اور یہی پانی شیطان پیتا تھا۔ اس کا پانی نکال دیا گیا اور بالکل خالی کر کے، پانی کو بند کر کے اس کے آنے والے دن اسے شراب سے پُر کر دیا گیا۔ شیطان جب آیا اور یہ حال دیکھ کر کہنے لگا: ہے تو یہ مزے کی چیز لیکن دشمن عقل ہے اور جہالت کو ترقی دینے والی ہے۔ (إنك لشراب طيب إلا أن تصيبين الحليم و تزيدين الجاهل جهلا) چنانچہ وہ پیاسا ہی چلا گیا۔ جب پیاس کی شدت ہوئی تو مجبوراً یہ سب کچھ کہتے ہوئے پیا ہی پڑا۔ اب عقل جاتی رہی اور اسے حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی دکھائی گئی یا کندھوں کے درمیان اس سے مہر لگا دی گئی۔ شیطان بے بس ہو گیا۔ حضرت سلیمان کی حکومت اسی انگوٹھی کے دم سے قائم تھی (فكان ملكه في خاتمه) جب یہ حضرت سلیمانؑ کے پاس پہنچا تو آپ نے اسے اس کام کے سرانجام دینے کا حکم دیا۔ (چنانچہ اس نے حسب خواہش و ہدایت اپنی ترکیب و تدبیر سے بیت المقدس کی تعمیر کی)۔

حضرت سلیمانؑ جب بیت الخلاء میں یا حمام میں جاتے تو انگوٹھی اتار جاتے۔ ایک دن حمام جانا تھا اور یہ شیطان آپ کے ساتھ تھا۔ آپ اس وقت فرضی غسل کے لئے جا رہے تھے، انگوٹھی اسی کو سونپ دی اور حمام میں چلے گئے۔ شیطان نے انگوٹھی سمندر میں پھینک دی اور شیطان پر سلیمانؑ کی شکل ڈال دی گئی جس کی بناء پر آپ سے تخت و تاج چھن گیا سب چیزوں پر شیطان نے قبضہ کر لیا بجز آپ کی بیویوں کے۔

اب اس سے بہت سی غیر معروف باتیں بھی ظہور میں آنے لگیں تو اس زمانے میں ایک صاحب تھے جو ایسے ہی تھے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت عمر فاروقؓ۔

انہوں نے کہا: آزمائش کرنی چاہئے، مجھے تو یہ شخص سلیمان معلوم نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایک روز انہوں نے سوال کیا: اگر کوئی شخص رات کو جنبی ہو جائے اور سردی ہونے کی وجہ سے وہ سورج کے طلوع ہونے تک غسل نہ کرے تو کوئی حرج تو نہیں؟ اس نے جواب دیا: ہر گز نہیں۔

چالیس دن تک شیطان سلیمانؑ کے تخت پر بیٹھ کر حکمرانی کرتا رہا۔ پھر آپ کو مچھلی کے پیٹ سے انگوٹھی مل گئی۔ ہاتھ میں پہنتے ہی پھر تمام چیزیں آپ کی مطیع ہوگئیں۔ اسی کا بیان اس (زیر بحث) آیت میں ہے (وَ اَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا) راوی نے کہا "هوالشيطان صخر" وہ سلیمانؑ کی شکل اختیار کر کے چالیس دن تک بادشاہت کرنے والا، شیطان صخر تھا۔ (تفسیر الطبری المجلد العاشر ص ۵۸۱ تحت رقم ۲۹۹۰۰ طبع بیروت)

حدثنا محمد بن الحسين، قال: ثنا أحمد، ثنا أسباط، عن السدي في قوله: "وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ ..."

حضرت سلیمانؑ کی ایک سو بیویاں تھیں۔ ان میں سے ایک بیوی کا نام "جرادة" تھا، یہ تمام بیویوں میں سب سے زیادہ مؤثر، امین، آپ کی چہیتی اور قابل اعتماد تھی۔ جب آپ جنبی ہوتے یا رفع حاجت کے لئے جاتے تو اپنی انگوٹھی ان ہی کو سونپ جاتے۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے کو اس پر امین مقرر نہ کرتے۔ ایک دن جرادہ نے کہا: میرے بھائی اور فلاں شخص کے درمیان کچھ جھگڑا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ میرا بھائی جب آپ کے پاس آئے تو آپ اس کے حق میں فیصلہ کردیں۔ آپ نے کہا اچھا لیکن فیصلہ کیا نہیں۔ اسی قول پر آپ آزمائش میں مبتلا کئے گئے۔ غرض ایک دن مہر "جرادہ" کو دے کر بیت الخلاء کو چلے گئے۔ اس دوران میں ایک شیطان آپ کی شکل وصورت میں جرادہ کے پاس آیا اور کہا: مہر دے دو۔ اس نے (اسے سلیمانؑ سمجھ کر) مہر دے دی پھر وہ سلیمانؑ کے تخت پر بیٹھ گیا۔ پھر سلیمانؑ بیت الخلاء سے باہر آئے اور جرادہ سے اپنی مہر طلب کی۔ تو اس نے کہا: کیا آپ نے ابھی نہیں لی تھی؟ آپ نے کہا: نہیں۔ پھر آپ یہاں سے نکل کر کسی دوسرے مقام پر چلے گئے۔ اور چالیس روز تک شیطان سلیمانؑ کی شکل میں لوگوں پر حکومت کرتا رہا۔ لوگوں

نے اس کے احکام کو(سلیمانؑ کے احکام سے)بدلا ہوا پایا اور محسوس کیا تو بنی اسرائیل کے علماء اور قرّاء آپ کی بیویوں کے پاس گئے اور ان سے کہا: ہم کو احکام سلیمانی سے اس کے احکام بدلے ہوئے نظر آتے ہیں اس لئے اگر یہ فی الواقع سلیمان ہی ہیں تو پھر ان کی عقل جاتی رہی ہے۔اس پر بیویاں رونے لگیں۔علماء اور قرّاء چلے آئے اور آ کر تورات کھول کر اس کی تلاوت میں مشغول ہوگئے۔شیطان نے جب یہ دیکھا تو ان کے سامنے سے اُڑ کر روشن دان میں جا پڑا۔مہر اس کے پاس ہی رہی۔پھر وہاں سے اڑ کر سمندر کی طرف چلا گیا۔ پس مہر اس کے ہاتھ سے گر کر سمندر میں گر گئی جس کو سمندر کی مچھلیوں میں سے ایک مچھلی نے نگل لیا۔حضرت سلیمانؑ بھی سمندری شکاریوں کے پاس پہنچ گئے تھے اور سخت بھوکے تھے۔اس لئے ایک شکاری سے اس کے شکار کی ایک مچھلی مانگی اور کہا میں سلیمان ہوں۔یہ بات سن کر ایک شکاری نے اٹھ کر آپ کے لاٹھی ماری اور زخمی کر دیا۔آپ سمندر کے کنارے بیٹھے خون دھونے لگے۔پس دوسرے شکاریوں نے مارنے والے کو ملامت کی اور جو مچھلیاں پکڑی تھیں ان میں سے دو مچھلیاں آپ کو دے دیں۔آپ نے دونوں کا پیٹ چاک کیا اور دھونے لگے۔ ایک مچھلی کے پیٹ کے اندر سے آپ کو اپنی مہر مل گئی اور آپ نے اس کو پہن لیا۔

اس طرح اللہ نے آپ کو حکومت اور شان وشوکت واپس کر دی اور پرندے آپ کے گرد گھومنے لگے۔اس وقت لوگوں نے انہیں پہچان لیا کہ یہ سلیمانؑ ہی ہیں۔پھر لوگ اپنی حرکت پر معذرت کرنے لگے۔آپ نے فرمایا: نہ میں تمہاری اس معذرت کی تعریف کرتا ہوں اور نہ تمہارے فعل پر تمہیں ملامت کرتا ہوں۔یہ معاملہ تو ہونا ہی تھا۔اس کے بعد آپ اپنی حکومت پر آ گئے اور جس شیطان نے آپ کی مہر اڑائی تھی اس کی گرفتاری کا حکم دیا۔وہ گرفتار ہو کر آ گیا۔ اس دن ہوا اور شیطان آپ کے لئے مسخر ہو گئے۔اور اس سے پہلے اس طرح مسخر نہیں ہوئے تھے۔پھر اس شیطان کو حاضر کیا گیا جسے لوہے کے ایک صندوق میں بند کر کے، اس صندوق کو مقفل کر کے، اس پر اپنی مہر لگا کر سمندر میں پھینکوا دیا۔وہ قیامت تک اسی حالت میں رہے گا اور اس کا نام ’’حقیق‘‘ ہے۔(تفسیر الطبری المجلد العاشر ص۵۸۲۔تحت رقم ۲۹۹۰۱۔طبع بیروت)

حضرت مفتی صاحب!

یہ امام طبری ہی کا حوصلہ ہے جنہوں نے یہودیوں کی وضع کردہ روایات کو اپنی تفسیر میں جگہ دے دی۔

سخت تعجب ہے جو شیطان خواب میں بھی نبی کی صورت اختیار نہیں کرسکتا وہ شیطان امام طبری کے شیخ الشیوخ کے بقول ۴۰ دن تک سلیمانؑ کی صورت اختیار کر کے حکومتی و خانگی امور سرانجام دیتا رہا اور علماء و قراء، مصاحبین، وزراء حتیٰ کہ ان کی بیویاں بھی انہیں نہ پہچان سکیں اور یہ سارے شیطان کے ہی مطیع و فرمانبردار رہے۔

امام طبری کی منقولہ، مکذوبہ روایات میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ سلیمانؑ کی حکومت کا سارا راز اس انگوٹھی میں بند تھا کہ جس کے ہاتھ وہ انگوٹھی لگ جاتی اس کی شکل وصورت بھی سلیمان کی سی ہو جاتی اور اصلی سلیمان کو پہچاننے سے اس کی بیوی بھی انکار کر دیتی پھر یہی نہیں بلکہ وہ حکومت کے تخت پر بیٹھ کر حکم جاری کرتا اور سارے پرندے، درندے، جن، شیاطین اور انسان اس کی اطاعت شروع کر دیتے۔ امام طبری تک اگر بالفرض حضرت سدّی کی یہ روایت کسی ذریعے سے پہنچ ہی گئی تھی تو انہوں نے اسے اپنی تفسیر میں درج کرنے کے بجائے یہ کیوں نہ کہہ دیا تھا کہ:

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ٥ (سورہ النور۔۱۶)

اور جب تم نے اسے سنا تھا تم نے کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمارے لئے یہ مناسب نہیں کہ ہم اس کے متعلق باتیں کریں۔(اے اللہ) تو پاک ہے یہ تو ایک بہت بڑا بہتان ہے۔

قاضی عیاض (۵۴۴ھ) فرماتے ہیں کہ:

"لا يصح مانقله الاخباريون من تشبيه الشيطان به و تسليطه على ملكه و تصرفه في أمته بالجور في حكمه انّ الشياطين لا يسلطون على مثله و قد عصم الله تعالى الأنبياء من مثل هذا" (تفسیر الخازن جلد ۶۔ ص ۴۹)

"شیطان کے حضرت سلیمانؑ کی صورت اختیار کرنے، ان کی حکومت پر مسلط ہونے اور ان کی رعایا و امت پر ظالمانہ فیصلے ٹھونسنے کے سلسلے میں قصہ گو لوگوں نے جو کچھ نقل کیا ہے، کچھ بھی صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ شیاطین کا تسلط انبیاء کرام پر ممکن ہی نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں شیطانی تسلط سے بچایا ہوا ہے۔"

امام ابو حیان اندلسی (م ۷۴۵ھ) فرماتے ہیں کہ:

"إن هذه المقالة من أوضاع اليهود و زنادقة السوفسطائية، ولا ينبغي لعاقل أن يعتقد صحه ما فيها، و كيف يجوز تمثل الشيطان بصورة نبي حتى يلتبس أمره عندالناس و يعتقدوا أن ذلك المتصور هوالنبي، ولو أمكن وجود هذا لم يوثق بإرسال نبي نسأل الله تعالى سلامة ديننا و عقولنا، و من أقبح ما فيها زعم تسلط الشيطان على نساء نبيه حتى وطئهن و هن حيض، الله أكبر هذا بهتان عظيم۔" (روح المعانی جلد ۲۳ ص ۱۹۹)

"یہ قصہ یہودیوں اور زندیقوں کا وضع کردہ ہے اور کسی عقل مند کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ ذرہ برابر بھی اس کی صحت کا اعتقاد رکھے۔ شیطان کا کسی نبی کی شکل وصورت اختیار کرنا کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے۔ اور اگر یہ ممکن ہو تو پھر سارا منصب نبوت ورسالت بازیچۂ اطفال بن جاتا ہے اور کسی بھی نبی ورسول کی شریعت کا اعتماد باقی نہیں رہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دین اور عقول کو سلامت رکھے۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ قبیح اور بے ہودہ بات یہ ہے کہ شیطان نبی کی بیویوں پر بھی تسلط حاصل کرکے ایام حیض کے دوران بھی ان سے وطی کرتا رہا۔ (کوئی دشمن پیغمبر اور پرلے درجے کا بے غیرت و دیوث ہی اسے صحیح تسلیم کرسکتا ہے) اللہ اکبر! یہ بہت بڑا بہتان ہے۔"

حضرت مفتی صاحب!

(۸۸)	کیا شیطان ایک نبی کی صورت اختیار کرسکتا ہے؟

حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان تو یہ ہے کہ شیطان خواب میں بھی میری صورت اختیار نہیں کرسکتا: "من رانی فی المنام فقد رانی فانّ الشیطان لا یتمثل فی صورتی"

(صحیح بخاری۔ کتاب التعبیر باب من رای النبی فی المنام رقم الحدیث ٦٩٩٤)

(۸۹)	کیا شیطان نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکل اختیار کر کے چالیس دن تک حکومت کی تھی؟
(۹۰)	کیا شیطان، نبی پر اپنا تسلط قائم کرسکتا ہے؟
(۹۱)	کیا شیطان کا نبی پر تسلط قائم کرنا قرآن کے خلاف نہیں ہے؟
(۹۲)	کیا یہ قصہ یہودیوں اور زندیقوں کا وضع کردہ نہیں ہے؟
(۹۳)	کیا یہ قصہ عقیدہ عصمت انبیاء کے سراسر منافی نہیں ہے؟

تفسیر طبری اور توہین سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

روزنامہ اسلام میں بدمزہ بحث کا آغاز

امام طبری کی تاریخ الامم والملوک سے صحابہ کرام کی توہین اور تفسیر طبری سے حضرت آدم، حضرت ابراہیم، حضرت یوسف، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم الصلوۃ والسلام سے متعلق منافی عصمت اور مبنی بر توہین روایات پیش کرنے کے بعد اب اصل ''نفس مسئلہ'' کے متعلق اظہار خیال کرنا چاہتا ہوں:

روزنامہ اسلام کے ادراتی صفحہ پر اس بحث کے آغاز کا یہ سبب بتایا گیا کہ:

''...یہ بدمزہ بحث تب شروع ہوئی جب محترم اوریا مقبول جان نے اپنے کالم ''ہمارے افسانہ ساز مؤرخین'' میں تحریر کیا تھا: 'طبری عام مسلمانوں کی بات کرتا تو برداشت تھا، لیکن اس نے تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے بارے میں بھی دو عدد من گھڑت قصے اس قدر فضول اور بے ہودہ انداز میں تحریر کیے ہیں کہ انہیں درج کرنے کی بھی ہمت نہیں پاتا۔''

میں نے اس کے جواب میں محترم اوریا مقبول جان صاحب سے گزارش کی تھی:

''چاہے آپ انہیں نقل کرنے کی ہمت نہ پاتے ہوں، لیکن ان کا حوالہ تو دیجیے.....ضروری

نہیں کہ کسی روایت کا وہی مطلب ہو، جو آپ سمجھے ہوں۔"

اس کے بعد محترم کے ایک کالم کے آخر میں لگا ہوا درج ذیل جوابی نوٹ سامنے آیا:

"تاریخ طبری کے حوالے سے ایک قرض تھا، جو میں نے ادا کیا ہے۔ میں اسے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دو گستاخانہ من گھڑت افسانے تخلیق کرنے کا مصنف سمجھتا ہوں، جس کا ذکر نہ قرآن پاک میں اس طرح ہے نہ احادیث کی کتب میں اور میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید محبت کی وجہ سے طبری سے نفرت کرتا ہوں۔ ایک واقعہ حضرت زیدؓ کی سیدہ زینبؓ سے طلاق کا، جسے کمال بے ہودگی سے اس نے تحریر کیا اور دوسرا واقعہ غرانیق۔ کسی معترض کالم نگار، اخبار نویس یا دانشور میں حوصلہ ہے تو صرف سیدہ زینب والا واقعہ پڑھ کر دیکھ لے اور اس کے باوجود جرأت رکھتا ہے تو اسے من وعن اپنے کالم کی زینت بنا کر دکھا دے۔" (روزنامہ اسلام ۱۹ اگست ۲۰۱۵ء)

اس "بدمزہ بحث" کا جو سبب بتلایا گیا ہے وہ بوجوہ صحیح نہیں ہے:

اولاً:۔

محترم جناب اوریا مقبول جان صاحب نے اپنے کالم "ہمارے افسانہ ساز مؤرخین" میں من گھڑت قصوں کی کوئی نشاندہی نہیں کی تھی۔

ثانیاً:۔

روزنامہ اسلام کی طرف سے بالکل بلاضرورت انہیں اس بحث میں اتارنے کی دعوت دی گئی مگر اس کے باوجود وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال احترام میں اصل قصوں کو نقل کرنے کی ہمت نہیں کر سکے صرف اس قدر اشارہ کیا کہ ایک قصہ "زیدؓ و زینبؓ" ہے اور دوسرا "غرانیق"۔

حضرت مفتی صاحب!

(۹۴)	کیا روزنامہ اسلام کے ذمہ داروں کے لئے کسی بھی اعتبار سے یہ مناسب تھا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے حوالے سے اس "بدمزہ" اور توہین آمیز بحث کا بغیر کسی دینی و شرعی تقاضے کے زبردستی آغاز کریں؟

(۹۵)	کیا عام قارئین دینی مسائل کے حوالے سے روزنامہ ایکسپریس پر اعتماد کرتے ہیں یا روزنامہ اسلام پر؟
(۹۶)	کیا دینی مسائل کے حوالے سے ایک عام دیندار بیوروکریٹ اور صحافی "حجت" سمجھا جاتا ہے یا ایک "صحیح المسلک عالم دین"؟
(۹۷)	روزنامہ اسلام کے ذمہ داروں نے بیسیوں دینی رسائل و جرائد اور ہزاروں علماء کی طرح اوریا مقبول جان صاحب کے کالم کو نظر انداز کیوں نہ کیا؟

ثالثاً:

روزنامہ اسلام کے اپنے اعتراف کے مطابق کہ:

"ابن جریر طبری کی کردار کشی کرتے ہوئے انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا کوئی حوالہ پیش نہیں کیا اس لئے اس کی کوئی علمی حیثیت نہیں" (روزنامہ اسلام 29 جولائی 2015)

حضرت مفتی صاحب!

(۹۸)	جب جناب اوریا مقبول جان صاحب نے اپنے کالم میں کوئی حوالہ پیش نہیں کیا اور نہ ہی ان کے کالم کی کوئی علمی حیثیت ہے تو پھر آپ نے اس "بدمزہ اور توہین آمیز" بحث کے لئے روزنامہ اسلام کے صفحات کیوں مختص کئے؟

رابعاً:

جناب اوریا مقبول جان صاحب نے اپنے کالم "ہمارے افسانہ ساز مؤرخین" میں "تفسیر جلالین" کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا تھا۔ ان کے کالم میں اس کا ذکر "پہلی اور آخری مرتبہ" اس وقت کیا گیا جب روزنامہ اسلام میں 12 اگست 2015 کو اس سلسلہ کی 9 قسطیں شائع ہو چکی تھیں بلکہ آخری قسط کے بھی شائع ہونے کے 23 دن بعد۔ ملاحظہ ہو روزنامہ ایکسپریس 4 ستمبر 2015 بحت "خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے"

جبکہ روزنامہ اسلام میں "علامہ طبری.....مؤرخ،مجتہد یا افسانہ ساز" کی پانچویں قسط (2اگست 2015ء) کے بعد نئی بحث زیرعنوان "احتیاط لازم ہے" کا آغاز ہی امام طبری کے بجائے "تفسیر جلالین" سے کیا گیا اس کے بعد تاریخ طبری سے بروایت "یونس،ابن وہب اور ابن زید" قصہ زیدؓ و زینبؓ عن وعن نقل کرکے یہ دعویٰ کیا گیا کہ یہ قصہ نہ تو عصمت انبیاء کے عقیدہ کے منافی ہے اور نہ ہی مبنی بر توہین۔ملاحظہ ہو روزنامہ اسلام 9اگست 2015ء۔

خامساً:

روزنامہ اسلام میں یہ بتایا گیا ہے کہ مفسرین کا ایک گروہ قصہ زیدؓ و زینبؓ سے متعلق روایات کو سند کی کمزوری کی وجہ سے مسترد کرتا ہے اور اسی گروہ کی رائے کو ادارہ کی طرف سے درست بھی تسلیم کیا گیا ہے۔

حضرت مفتی صاحب!

(۹۹)	سوال یہ ہے کہ ایک مذہبی اخبار میں یہ "تماشا" آخر لگایا ہی کیوں گیا؟
(۱۰۰)	جب یہ روایات سنداً و متناً ہی صحیح نہیں ہیں تو پھر اس ساری خامہ فرسائی کا فائدہ کیا؟

سادساً:

روزنامہ اسلام میں یہ باور کرایا گیا کہ:

"مجھے یہ روایت نقل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔مگر صورت حال ایسی بن گئی کہ اسے نقل کرنا ناگزیر ہوگیا۔خاموشی کی صورت میں نہ صرف طبری بلکہ جلالین پڑھنے پڑھانے والے تمام علماء وطلبہ اور اسلاف کی بہت سی نامی گرامی شخصیات پر کفر کی شدید ترین قسم یعنی توہینِ رسالت کا لیبل لگ رہا تھا۔کچھ لوگ اسلاف کو بے ایمان اور گستاخ کہہ رہے تھے۔اور کچھ لوگ دوسری انتہاء پر جاکر پوچھ رہے تھے کہ توہینِ رسالت پر سزا کیوں ہے جبکہ علماء خود اس کے مرتکب ہوتے آرہے ہیں اور انہیں کوئی سزا نہیں دی گئی۔یہ مواد اخبارات اور سوشل میڈیا میں آکر عجیب بدمزگی پیدا کررہا تھا،پس اظہارِ حقیقت کے لیے قلم حرکت

میں لانا لازم تھا۔" (روزنامہ اسلام 9 اگست 2015)

یہ نرا "مفروضہ" ہے کیونکہ جناب اوریا مقبول جان صاحب نے تو "جلالین" کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا، انہوں نے تو اصل "قصہ" بتائے بغیر صرف تاریخ طبری کا حوالہ دیا تھا جس سے صرف اور صرف روزنامہ اسلام کے دفتر میں "بے چینی و اضطراب" کی لہر دوڑی کہ اس نے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس کا بھی کچھ پاس ولحاظ نہ رکھا۔ فیا اسفا

حضرت مفتی صاحب!

(۱۰۱)	روزنامہ اسلام کے عوامی فورم پر ایک "بدمزہ بحث" چھیڑنے کی خاطر یہ منگھوت، خود تراشیدہ اور نرا مفروضہ کیا وجہ جواز بن سکتا ہے؟
(۱۰۲)	مذکورہ عبارت پر ایک "طائرانہ" نگاہ ڈال کر کوئی فیصلہ کرلیں کہ مذکورہ دعویٰ "صداقت و دیانت اور حقیقت" سے کس قدر دور ہے؟
(۱۰۳)	کیا یہ کذب بیانی، افتراء پردازی، خود فریبی اور فریب دہی کی بدترین مثال نہیں ہے؟
(۱۰۴)	کیا پوری علمی دنیا میں بقائمی ہوش و حواس کوئی شخص یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ "تفسیر طبری، تاریخ طبری، جلالین اور درمنثور" میں اسرائیلی روایات نہیں پائی جاتیں؟
(۱۰۵)	کیا مفسرین کرام نے ان روایات کو "زنادقہ و ملاحدہ" کی وضع کردہ قرار دے کر مسترد نہیں کیا؟
(۱۰۶)	کیا ایسی مکذوبہ، موضوعہ اور باطل روایات کو رد کرنے سے ساری تفسیر طبری اور جلالین کو رد کرنا لازم آتا ہے؟
(۱۰۷)	کیا منافی عصمت انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی توہین، تنقیص، تفسیق اور تکفیر پر مبنی روایات پر تنقید کرنے یا ان کا انکار کردینے سے "اسلاف" پر توہین رسالت کا لیبل لگ جاتا ہے؟

(۱۰۸)	کسی کتاب سے "منافی عصمت اور مبنی بر توہین روایات" کے محض پڑھنے سے "پڑھنے یا پڑھانے والے" پر توہین رسالت کا لیبل کیوں کر لگ سکتا ہے؟

حضرت مفتی صاحب!

البتہ جو "علماء و طلبہ" ایسی روایت کو "منافی عصمت" سمجھتے ہوئے ان کی تائید و تصدیق کریں گے یا پڑھیں گے یا پڑھائیں گے یا انہیں اپنے کسی اخبار یا کتاب میں نقل کریں گے تو ان پر "توہین رسالت" کا لیبل ضرور چسپاں ہوگا اور دنیائے اسلام کا کوئی "مفتی" ان کی برأت نہیں کر سکے گا۔

اے کاش! اس قسم کی "حقیقت" کے اظہار سے دوسرے اخبارات، رسائل و جرائد کی طرح روزنامہ اسلام کے صفحات بھی پاک ہوتے۔

سابعاً:

جناب اوریا مقبول جان صاحب نے اپنے کالم "ہمارے افسانہ ساز مؤرخین" میں امام طبری کے منقولہ بے ہودہ قصوں کی طرف صرف اشارہ کیا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان قصوں کو منسوب نہیں کرنا چاہئے۔ان کے صحیح موقف کے جواب میں الٹا انہیں گستاخ امام طبری قرار دے کر "رجوع" کا مشورہ دے دیا گیا:

"اگر میری باتوں میں انہیں کوئی وزن محسوس ہو تو عشق رسالت ہی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی رائے سے رجوع کریں۔شریعت یہی حکم دیتی ہے کہ جو غلطی علانیہ ہو، اس سے رجوع بھی اعلانیہ ہونا چاہیے۔ایک جلیل القدر عالم کی اہانت، کوئی معمولی بات نہیں، آخرت میں اس پر شدید پکڑ بھی ہو سکتی ہے۔یہ حرکت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی نہیں سخت ناراضی کا باعث بن سکتی ہے۔حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی تحریر کا یہ ٹکڑا غور سے پڑھیے: "جو لوگ علمائے حق کے درپے آزار ہیں، ان کی اہانت اور تذلیل کو فخر سمجھتے ہیں اور کرتے ہیں، وہ غالباً بلکہ یقیناً علماء کی بہ نسبت اپنا نقصان زیادہ کر رہے ہیں۔علماء کا تو زیادہ

سے زیادہ یہ نقصان کریں گے کہ کچھ دنیاوی متاع میں شاید نقصان پہنچا سکیں، بشرطیکہ وہ مقدر میں کچھ کمی کرنے پر قادر ہوں یا دنیوی عزت و جاہ کو جو نہایت ہی بے وقعت اور ناپائدار چیز ہے، نقصان پہنچا سکیں گے۔ مگر یہ لوگ اپنے آپ کو برباد کر رہے ہیں اور اپنا دینی نقصان کر رہے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ شخص میری امت میں سے نہیں ہے جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے، اور ہمارے عالم کی قدر نہ کرے (ترغیب)۔ اس ارشاد نبوی کے بعد علماء کو علی العموم گالیاں دینے والے، برا بھلا کہنے والے، اپنے کو امت محمدیہ میں شمار کرتے رہیں لیکن صاحب امت ان کو اپنی امت میں شمار کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن کو منافق کے سوا کوئی شخص ہلکا (ذلیل) نہیں سمجھ سکتا، ایک وہ شخص جو اسلام کی حالت میں بوڑھا ہو گیا ہو، دوسرے اہل علم، تیسرے منصف بادشاہ (ترغیب) ...... حافظ ابن عساکر فرماتے ہیں: ......علماء کے گوشت (یعنی غیبت) نہایت زہریلے ہیں اور ان کی شان میں گستاخی کرنے والوں کی پردہ دری میں اللہ کی عادت سب کو معلوم ہے کہ جو لوگ علماء کی اہانت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی پردہ دری فرماتے ہیں۔ جو شخص ان کو عیب لگانے میں لب کشائی کرتا ہے۔ اس کے مرنے سے پہلے حق تعالیٰ شانہ اس کے دل کو مردہ بنا دیتے ہیں۔ (الاعتدال: ص ۱۴۸)

حضرت شیخ آگے لکھتے ہیں: "یہ میرا مقصود ہرگز نہیں ہے کہ عالم جو بھی کہہ دے وہ صحیح ہے اور اس کے کسی قول پر رد اور انکار نہ کیا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جس کے قول پر رد نہ کیا جا سکے یا اس کے اقوال وافعال میں غلطی کا احتمال نہ ہو، لیکن رد کرنے کے واسطے اور غلطی پکڑنے کے واسطے بھی شریعت مطہرہ میں حدود قائم ہیں، اس کے درجات ہیں، اس کے قواعد اور آداب ہیں تاوقتیکہ ان سے واقفیت نہ ہو، رد کرنے کا حق بھی کسی کو نہیں۔" (الاعتدال: ص ۱۵۴) (روزنامہ اسلام 12 اگست 2015)

حضرت مفتی صاحب!

جمع خاطر رکھیے کہ امام طبری و امثالہ کی انبیائے کرام علیہم السلام اور حضرات صحابہ کرام علیہم

الرضوان کی شان میں توہین آمیز عبارات وروایات کی نشاندہی اوران سے برأت کا اعلان کرنے والے ہرگز ہرگز ''ماخوذ'' نہیں ہوں گے بلکہ یقیناً ''ماجور'' ہوں گے۔

البتہ توہین آمیز روایات کے واضعین، بلا جرح ونقدان کے ناقلین اوران کا دفاع کرنے والے ضرور ''ماخوذ'' ہوں گے۔

حضرت مفتی صاحب!

جہاں تک (بحوالہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب) موہن علماء کوامت محمدیہ سے خارج قرار دینے کا تعلق ہے، ظاہر ہے اسے یہاں امام طبری کی توہین کے حوالے سے ہی نقل کیا گیا ہے۔ اگر عام ''علماء'' کی توہین کے بارے میں یہ فتویٰ ہے تو پھر انبیاء کرام علیہم السلام اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی شدید ترین توہین پر مبنی روایات کے واضعین اور بلا جرح ونقدان کے ناقلین یا ان کا دفاع کرنے والوں کے بارے میں بھی مہر سکوت توڑ کر کچھ ارشاد فرما ہی دیں۔

حضرت مفتی صاحب!

آپ ہی ''انصاف'' فرمائیں کہ ایک طرف تفسیر طبری اور تاریخ طبری میں منقولہ ''منافی عصمت انبیاء اور مبنی برتوہین روایات'' کے انکار سے امام طبری وامثالہ کی توہین کا الزام عائد ہوتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف مذکورہ روایات کو کسی بھی درجے میں تسلیم کرنے سے توہین وتنقیص رسالت کا کم از کم ''احتمال'' ضرور نکلتا ہے۔

اگر امام طبری وامثالہ کے ''موہن'' کا شمار ''امت مسلمہ'' میں نہیں ہوسکتا تو انبیائے عظام علیہم السلام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے گستاخوں کے بارے میں بھی "أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ" کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی فتویٰ جاری فرمادیں۔ آپ کی مزید سہولت کے لئے مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی کتاب سے حسب ذیل اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موصوف فرماتے ہیں کہ:

''جرح وتعدیل کے مشہور امام یحییٰ بن سعید قطان سے کسی نے کہا کہ آپ خدا سے نہیں

ڈرتے کہ جن لوگوں کو آپ کذاب یا غیر ثقہ یا ضعیف کہتے ہیں وہ قیامت کے روز آپ کے خلاف مخاصمہ کریں تو فرمانے لگے کہ:

قیامت کے روز یہ لوگ میرے خلاف احتجاج کریں یہ اس سے بہتر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے یہ مطالبہ فرمادیں کہ میری حدیث میں جن لوگوں نے کمی بیشی کی تھی تم نے اس کی مدافعت کیوں نہیں کی۔ (الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ ص 53)...

جرح وتعدیل کے بڑے امام ابن المدینی سے کچھ لوگوں نے ان کے باپ کے متعلق پوچھا کہ وہ روایت حدیث میں کس درجہ کے ہیں؟

تو فرمایا کہ یہ بات میرے سوا کسی اور آدمی سے پوچھو۔ مگر ان لوگوں نے اصرار کیا کہ ہم آپ ہی کی رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں تو کچھ دیر سر جھکا کر بیٹھ گئے، سوچتے رہے اس کے بعد سر اٹھا کر فرمایا: "هو الدين، انه ضعيف" (رسالہ سخاوی ص 66)

یہ دین کی بات ہے (اس لئے کہتا ہوں کہ) وہ ضعیف ہیں۔

یہ حضرات ہیں جو دین کے ادب کے ساتھ رجال کے ادب اور حدود کی رعایت کے جامع تھے۔ ان کے والد روایت حدیث میں ضعیف تھے، شروع میں چاہا کہ اس سوال کا جواب ان کی زبان سے نہ ہو۔ جب اصرار کیا گیا تو ادب دین کی رعایت مقدم ہوگئی۔ حقیقت کا اظہار کیا مگر صرف بقدر ضرورت لفظوں میں۔ ضرورت سے زائد ایک لفظ نہیں بولا۔" (مقام صحابہ ص 18-20۔ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی)

حضرت مفتی صاحب!

یہ ایک مسلمہ اور نا قابل تردید حقیقت ہے کہ انبیائے عظام علیہم السلام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان جیسی شخصیات مقدسہ کی عظمت راویوں کی وثاقت سے بہر حال زیادہ معظم ہے اگر صحیح روایت سے بھی ان شخصیات کی شان پر حرف آتا ہو تو ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی روایت کو خلاف نص ہونے کی بناء پر بھی رد کر دینا چاہئے۔ امام ابو بکر جصاص حنفی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو سے متعلق صحیح بخاری و مسلم کی احادیث کے راویوں پر سخت تنقید کرتے ہوئے کہا کہ: "و مثل

هـذه الاخبـار من وضع الملحدين... ""دراصل اس طرح کی احادیث ملحدوں کی وضع کردہ ہیں..."جو رذیلوں اور اوباشوں کی بات کو اہمیت اور بتدریج لوگوں کو اس بات کے لئے تیار کرنے کے واسطے گھڑی گئی ہیں تاکہ انبیا علیہم السلام کے معجزات کو باطل کیا جائے اور ان میں شبہ ڈالا جائے اور اس کا قائل کیا جائے کہ انبیا علیہم السلام کے معجزات اور جادوگروں کی شعبدہ کاریوں میں کوئی فرق نہیں ہے(احکام القرآن جلد اول ص 55۔56 مطبوعہ مصر)

امام فخر الدین رازی نے صحیح بخاری: کتاب الانبیاء باب قول اللہ عزوجل "وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا" (جلد اول ص 474) میں راویوں کے بیان کردہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب تین "جھوٹوں" کا ذکر کرکے یہ اعلان فرمایا: "يضاف الكذب الى رواته اولىٰ من ان يضاف الى الانبياء عليهم السلام "(تفسیر کبیر جلد 6 ص 164)

یعنی انبیاء علیہم السلام کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنے سے بہتر ہے کہ اس روایت کے راویوں کو جھوٹا قرار دے دیا جائے۔

مولانا ابوالکلام آزاد مذکورہ روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہمارے لئے یہ تسلیم کرلینا نہایت آسان ہے کہ ایک غیر معصوم راوی سے فہم و تعبیر حدیث میں غلطی ہوگئی، بمقابلہ اس کے کہ ایک معصوم اور برگزیدہ پیغمبر کو جھوٹا تسلیم کرلیں۔ اگر ایک راوی کی جگہ سینکڑوں راویان کی روایت بھی ناقص ٹھہر جائے تو بہرحال غیر معصوم انسانوں کی غلطی ہوگی لیکن اگر ایک معصوم پیغمبر کو بھی غلط بیان تسلیم کرلیا گیا تو نبوت و وحی کی ساری عمارت درہم برہم ہوگی۔

بلاشبہ روایت (کذبات ثلاثہ) صحیحین کی ہے لیکن اس تیرہ سو برس کے اندر کسی مسلمان نے بھی راویانِ حدیث کی عصمت کا دعویٰ نہیں کیا ہے، نہ امام بخاری و مسلم کو معصوم تسلیم کیا ہے کسی روایت کے لئے بڑی سے بڑی بات جو کہی گئی ہے وہ اس کی "صحت" ہے، "عصمت" نہیں ہے اور صحت سے مقصود صحت مصطلحۂ فن ہے نہ کی صحتِ قطعی و یقینی مثلِ صحت قرآن۔

پس ایک روایت پر صحت کی کتنی ہی مہریں لگ چکی ہوں لیکن بہرحال غیر معصوم انسانوں

کی ایک شہادت اور غیر معصوم ناقدوں کا ایک فیصلہ ہے۔ایسا فیصلہ ہر بات کے لئے مفید حجت ہوسکتا ہے مگر یقینیات وقطعیات کے خلاف نہیں ہوسکتا۔جب کبھی ایسا ہوگا کہ کسی راوی کی شہادت یقینیات قطعیہ سے معارض ہوجائے گی تو یقینیات اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گی،غیر معصوم کو اپنی جگہ چھوڑنی پڑے گی...

ہمیں مان لینا پڑے گا کہ یہ (ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے) اللہ کے رسول کا قول نہیں ہوسکتا یقیناً یہاں راویوں سے غلطی ہوئی ہے اور ایسا مان لینے سے نہ تو آسمان پھٹ پڑے گا اور نہ زمین شق ہوجائے گی...

پھر اگر اسی طرح صحیحین کی یہ روایت بھی رد کر دی گئی کہ ابراہیم خلیل علیہ السلام کی صداقت رد نہ کرنی پڑے تو کون سی قیامت ٹوٹ پڑے گی۔(ترجمان القرآن جلد 2 ص 499۔501 تحت سورۃ الانبیاء آیت 57،63)

حضرت مفتی صاحب!

امام ابوبکر جصاصؒ، امام فخر الدین رازیؒ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ نے صحیح بخاری وصحیح مسلم کی روایات اور راویوں کے متعلق اپنی مذکورہ آراء کا اظہار کیا ہے جبکہ روزنامہ اسلام طبری کے کذاب راویوں اور ابومخنف لوط بن یحییٰ، سدی، کلبی، واقدی اور محمد بن اسحاق کی منافی عصمت اور مبنی برتوہین روایات کے ''دفاع'' میں گذشتہ 15 ماہ سے ''جہاد'' جاری رکھے ہوئے ہے۔فیا اسفا۔فیا للعجب

ہم ایمان بالرسل کے مکلّف ہیں نہ کہ ایمان بالرواۃ والرجال کے حضرت حسان بن ثابتؓ فرماتے ہیں:

فـــان أبـــي و والـــده و عـــرضـــي
لـــعـــرض مـــحـــمـــد مـــنـــكـــم وقـــاءٌ

پس یقیناً میرے باپ دادا اور میری عزت وآبرو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وآبرو کے تحفظ

کے لئے تمہارے مقابلے میں ڈھال ہے۔

ثامناً:

امام طبری کی منافی عصمت انبیاء اور مبنی بر توہین روایات کی ایک جھلک پیچھے گذر چکی ہے انہیں پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے ''قیمتی'' اور ''مصروف'' اوقات میں سے ''قلیل'' وقت سورۃ الحجرات آیت 2 کے آخری جزء، "ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون" پر غور کرنے کے لئے ضرور نکالیں۔

کیونکہ"و انتم لا تشعرون" کے جملہ میں منافی عصمت و مبنی بر توہین روایات کو صحیح سمجھ کر نقل کرنے والوں، کسی بھی درجے میں ان کا دفاع کرنے والوں بالخصوص روزنامہ اسلام میں انبیاء کرام علیہم السلام سے متعلق ان صریح منافی عصمت او مبنی بر توہین روایات کو منافی عصمت نہ قرار دینے والوں اور اس پر ''سکوت'' اختیار کرنے والوں کی محرومی و بدنصیبی کا بیان ہے، اس کو سن کر یا پڑھ کر بھی اگر علم و زہد کا خمار نہ اترے، فضیلت و پارسائی کا طلسم اگر نہ ٹوٹے تو بدقسمتی کی انتہاء ہے۔ فرمایا جارہا ہے کہ تمارے سارے اعمال غارت ہو جائیں گے، سب نیکیاں ملیا میٹ ہو جائیں گی اور تمہیں ''شعور'' تک نہ ہوگا۔

''شعور و احساس'' اس وقت ہوتا ہے جب انسان یہ سمجھے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی معصیت کا مرتکب ہورہا ہے۔ غور کیجئے کہ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی نافرمانی اور معصیت کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوا بلکہ مجرد سوئے ادب کی وجہ سے سارے اعمال کے حبط ہو جانے کی وعید سنائی جارہی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی، حکم عدولی اور معصیت کا ارتکاب یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر شیطان کا شرکیہ کلمات جاری کردینا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے بیٹے کی طرح عزیز و مطیع صحابی (حضرت زیدؓ) کی منکوحہ سیدہ زینبؓ پر نگاہ پڑنے سے اس کی محبت میں مبتلا ہو جانا، بظاہر طلاق کا مشورہ دینا اور بہ باطن اس محبت کی بناء پر یہ خواہش رکھنا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے تا کہ میں خود اس سے نکاح کرلوں وغیرہ الزامات کی نسبت تو بڑے دور کی

بات ہے کیونکہ اس کے عظیم ترین جرم اور توہین و گستاخی ہونے میں کوئی مومن کلام نہیں کرسکتا۔

مگر "وانتم لا تشعرون" میں تو "رفع صوت فوق صوت النبی" جیسے "معمولی" سوءادب پر بھی "حبط اعمال" کی وعید سنائی گئی ہے کہ محض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر آواز بلند کرنے سے تمام کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔ سب اعمال اکارت اور سب نیکیاں برباد ہو جائیں گی اور تمہیں شعور تک نہ ہوگا کہ تم نے اس بے احتیاطی (اور طویل سکوت) سے کیا کچھ کھودیا تم کیسے نقصان اور خسارے سے دوچار ہو گئے۔

اس لئے کہ تم اس غلط فہمی اور مغالطہ میں رہو گے کہ تم "بڑے مفسر ہو، بڑے محدث ہو، بڑے فقیہ ہو، بڑے مجتہد ہو، بڑے مفتی ہو، بڑے مؤرخ ہو، بڑے علامہ ہو، بڑے کالم نگار ہو، بڑے نمازی و غازی ہو، صائم الدہر، قائم اللیل ہو، بڑے مہتمم ہو اور بڑے "مدیر" ہو یا "مدیر اعلیٰ" ہو۔ مگر روز قیامت تمہیں پتہ چلے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی اور منافی عصمت مبنی بر توہین روایات کے دفاع کا جو باغ تم نے لگایا تھا اسے تو بے ادبی و استہزاء اور توہین و گستاخی کی باد صرصر نے خاک سیاہ بنا کر رکھ دیا۔ اعاذنا اللہ منہ

تاسعاً:

حضرت مفتی صاحب!

حضرت زیدؓ و سیدہ زینبؓ سے متعلق امام طبری کی منقولہ روایت محض "سوءادب" پر ہی مشتمل نہیں بلکہ اس میں ایذائے رسول بھی پائی جاتی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی ہدایات یہ ہیں:

اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں بجز اس کے کہ تم کو کھانے کے لئے آنے کی اجازت دی جائے (اور) نہ کھانا پکنے کا انتظار کیا کرو لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو اندر چلے آؤ۔ پس جب کھانا کھا چکو تو فوراً منتشر ہو جاؤ اور نہ وہاں جا کر دل بہلانے کے لئے باتیں شروع کر دیا کرو "ان ذلکم کان یؤذی النبی فیستحی منکم واللہ لا یستحی من الحق"

تمہاری یہ حرکتیں (میرے) نبی کے لئے اذیت و تکلیف کا باعث بنتی ہیں پس وہ تم سے حیا کرتے ہیں (اور چپ رہتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کسی کا شرم نہیں کرتا حق بیان کرنے میں......

وما کان لکم ان تؤذوا رسول الله "اور تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم اذیت پہنچاؤ اللہ کے رسول کو......

ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ و اعدلھم عذابا مھینا

بے شک جو لوگ ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو۔اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے رسوا کن عذاب۔(سورۃ الاحزاب 53,57)

اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

"ومنھم الذین یؤ ذون النبی و یقولون ھو اذن...... والذین یؤذون رسول اللہ لھم عذاب الیم (سورۃ التوبۃ 61)

اور کچھ ان میں سے ایسے ہیں جو اذیت دیتے ہیں نبی کو اور کہتے ہیں: یہ کانوں کے کچے ہیں......اور جو لوگ دکھ پہنچاتے ہیں اللہ کے رسول کو ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

عاشراً:

حضرت مفتی صاحب!

مذکورہ آیات پر غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے "رفع صوت فوق صوت النبی" کو سوءادب قرار دے کر "حبط اعمال" کی وعید سنائی ،اسی طرح کھانا کھا چکنے کے بعد دل بہلانے کے لئے قصے شروع کر دینے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو "ھو اذن" کہنے کو بھی باعث "اذیت" قرار دیا بلکہ امت کا تو اس بات پر بھی اجماع ہے کہ کسی بد بخت نے توہین کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک کو میلا کہہ دیا تو وہ بھی کافر اور واجب القتل

ہے۔ملاحظہ ہو الصارم المسلول ص 529

حضرت مفتی صاحب!

(۱۰۹)	روزنامہ اسلام میں قصہ زیدؓ و زینبؓ سے متعلق کیا امام طبری کی مذکورہ روایت کا دفاع نہیں کیا گیا؟

"تلك عشرة كاملة"

حضرت مفتی صاحب!

سخت تعجب ہے کہ منافی عصمت اور مبنی بر توہین روایت کا دفاع کرنے کے بعد جناب اوریا مقبول جان صاحب کو اعلانیہ "رجوع" کرنے کی دعوت دیتے وقت لفظ "عشق" کی نسبت بھی کر دی گئی جس سے "سوءادب" ہی ٹپکتا ہے۔

علاوہ ازیں روزنامہ اسلام میں قصہ زیدؓ و زینبؓ سے متعلق طبری کی منقولہ روایت کو "سنداومتناً" ناقابل اعتبار سمجھنے کے باوجود قرآن کریم سے اس کا "امکان" ثابت کرکے یہ دعویٰ داغا گیا ہے کہ:

"اگر روایت کو گستاخانہ کہا جائے تو اس آیت کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔اور اگر آیت میں کوئی تاویل ہوسکتی ہے تو وہی اس روایت میں بھی مانی جاسکتی ہے۔اگر قرآن مجید کی بات سچ ہے(اور کسی مسلمان کو اس کی صداقت میں شبہ نہیں ہوسکتا) تو جو کچھ روایت میں نقل ہوا وہ بھی نہ محال ہے نہ عصمتِ انبیاء کے منافی....

جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بشری تقاضے کے تحت "سہو یا بھول چوک، نیند، بھوک پیاس، کھانا پینا، خرید وفروخت وغیرہ امور پیش آتے تھے اسی طرح کسی خوبصورت خاتون کا حسن بھی دل میں آسکتا ہے۔اچھی چیز کا اچھا لگنا ایک فطری بات ہے، قلب ونظر کے صحت مند ہونے کی علامت ہے، یہ چیز منافی عصمت نہیں کیونکہ انبیاء بشری تقاضوں سے مبرا نہیں ہیں،

جو حضرات واقعہ زینبؓ کو توہین رسالت کی حد تک بےہودہ قرار دے رہے ہیں وہ بتائیں

جو چیز شریعت میں یعنی غیر محرم پر پہلی نظر پڑ جانا ایک عام امتی کے لئے گناہ نہیں، کیا پیغمبر کے لئے گناہ ہو جائے گی..."(روزنامہ اسلام 9 تا 12 اگست 2015)

حضرت مفتی صاحب!

روزنامہ اسلام میں "دین اسلام" کی کس قدر غلط ترجمانی کی گئی ہے، حضرت زینبؓ تو اس وقت حضرت زیدؓ کے نکاح میں تھیں۔

(۱۱۰)	کیا دوسرے کی منکوحہ کے حسن کا ایک پیغمبر کے دل میں کھب جانا اور اس کو دلائل سے ثابت کرنا، اسے بشری تقاضا قرار دینا وغیرہ اسی کا نام "اظہار حقیقت" ہے؟

نیز پردہ کے احکام تو سیدہ زینبؓ کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں آنے کے بعد نازل ہوئے تھے۔ روزنامہ اسلام میں کتنی عجیب "تفسیر" بیان کی گئی ہے کہ جو چیز یعنی غیر محرم پر اچانک نگاہ پڑ جانا ایک عام امتی کے لئے گناہ نہیں کیا پیغمبر کے لئے گناہ ہو جائے گی؟

حضرت مفتی صاحب!

آپ ذرا سورۃ الاحزاب کی آیت "وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ..." کے تحت روزنامہ اسلام میں شائع ہونے والی تفسیر ملاحظہ فرمائیں جس میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا دونوں کی "اہانت" کا پہلو نکلتا ہے۔

"...طبری کی روایت میں صرف "اعجاب" (پسندیدگی) کا ذکر ہے۔ آیت میں زیادہ صراحت کے ساتھ "اعجاب حُسن" (حسن کی پسندیدگی) کا لفظ ہے۔ اچھی چیز کا اچھا لگنا، ایک فطری بات ہے۔ قلب ونظر کے صحت مند ہونے کی علامت ہے۔ خوشبو ہر کسی کے مشام کو معطر کرتی ہے اور اگر کسی کو نہیں محسوس ہوتی تو یہ خوبی نہیں، احساس کی کمزوری شمار ہوگی۔ پس اس روایت کو کس لحاظ سے گستاخانہ کہا جائے گا! ایک متاثر کن شخصیت سے متاثر ہونا کوئی انہونی بات ہو سکتی ہے؟ جمال اور بدصورتی میں فرق کر لینا اگر گناہ ہے تو ضرور روایت کو عصمتِ انبیاء کے مخالف قرار دیا جا سکتا ہے، اور اگر یہ کوئی گناہ نہیں بلکہ اللہ

کی دی ہوئی ان فطری نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے جو کم وبیش ہر انسان کو نصیب ہے تو پھر اس واقعے کو توہینِ رسالت پر مبنی قرار دے کر طبری کو گستاخ قرار دینا بھی غلط ہے''...
(روزنامہ اسلام 10 اگست 2015ء)

حضرت مفتی صاحب!

(۱۱۱)	کیا یہ ''اسلوب'' اپنی تمام تر تشریح کے ساتھ انتہائی غلط اور گستاخانہ نہیں ہے؟
(۱۱۲)	امام طبری کی روایت کے تناظر میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو متاثر کن شخصیت قرار دینا کیا یہ سیدہ زینبؓ کی توہین نہیں ہے؟
(۱۱۳)	زیر بحث روایت کے حوالے سے روزنامہ اسلام میں شائع ہونے والی تفسیر میں امام طبری کی تفسیر و تاریخ کی نسبت کیا زیادہ بے ہودگی نہیں پائی جاتی؟

''گستاخانہ خاکوں'' میں تو صرف خاکے تھے جبکہ روزنامہ اسلام میں ان باقاعدہ ''خاکوں'' میں رنگ بھرا گیا ہے۔ وہ بے نام اور اشاروں پر مبنی تھے جبکہ یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا دونوں کے نام مبارک کے ساتھ ساتھ بے ہودہ واقعہ کی بے ہودگی کے ساتھ تشریح کی گئی ہے۔ طبری کے بیان کردہ واقعہ میں اتنی بے ہودگی نہیں پائی جاتی جتنی بے ہودگی روزنامہ اسلام کی مذکورہ ''تشریح'' میں پائی جاتی ہے۔

حضرت مفتی صاحب!

آپ یہ تو جانتے ہیں کہ ''مفتی'' کے لئے بنیادی طور پر دو شرطیں رکھی گئی ہیں۔ ایک اللہ کا خوف اور دوسری شرط اس کا غیر جانب دار ہونا۔ آپ ماشاءاللہ! باقاعدہ مفتی ہیں۔ ذرا ان دو شرطوں کی روشنی میں اپنے ''اخبار'' میں بیان کردہ تفسیر کے بارے میں کوئی ''فیصلہ'' سنا دیں۔

(۱۱۴)	سیدہ زینبؓ 5ھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالۂ عقد میں آئی تھیں آج 1438ھ میں 1433 سال گزرنے کے بعد ایک ''بیٹا'' ان کی شادی سے پہلے کا نقشہ کس طرح کھینچ رہا ہے؟

پہلی قسط میں یہ کہا گیا ہے کہ:

''ایک عورت جسے طلاق ملنے والی تھی۔''

(۱۱۵)	کیا روزنامہ اسلام والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے قائل ہیں؟
(۱۱۶)	اگر نہیں تو پھر چودہ صدیوں بعد روزنامہ اسلام والوں کو کیسے پتہ چل گیا کہ اس ''عورت'' کو طلاق ملنے والی تھی؟
(۱۱۷)	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت زیدؓ کے گھر تشریف لے جانے اور سیدہ زینبؓ پر نگاہ پڑنے سے پہلے تو طلاق کا خیال وتصور بھی کسی کے ہاں دور دور تک نہیں تھا۔ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بہتان نہیں ہے؟
(۱۱۸)	''...ایک عورت کو جسے طلاق ملنے والی تھی اور سیرت وصورت، حسب ونسب ہر لحاظ سے اعلیٰ تھی، سہارا دینے کا سوچ رہے تھے......اسے عیب شمار کیا جائے گا یا اخلاق کی انتہاء۔'' (روزنامہ اسلام 9 اگست 2015ء) کیا یہ چیز ''براہ راست'' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ''نیت'' پر حملہ نہیں ہے؟
(۱۱۹)	کیا قرآن کے خلاف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ سوچ سکتے تھے؟
(۱۲۰)	ایک عورت جو اپنے خاوند کے ساتھ راضی خوشی زندگی بسر کر رہی ہے، ان کے مابین کوئی ناچاقی بھی نہیں ہے، طلاق کا کوئی ذکر و خیال تک نہیں، اس کی سیرت، صورت، حسب ونسب کو پیش نظر رکھتے ہوئے کسی ''مسلمان'' کی اس پر نگاہ پڑ جائے تو اسے طلاق ملنے سے پہلے کیا وہ سوچ سکتا ہے کہ جب اسے طلاق مل گئی تو میں اسے سہارا دوں گا؟
(۱۲۱)	کسی عورت کو طلاق ملنے سے پہلے اس طرح کی ''سوچ'' رکھنا کیا ''ایک عام مسلمان کے لئے گناہ نہیں ہے؟
(۱۲۲)	کیا اس طرح کی ''سوچ'' نبی کی عصمت کے منافی نہیں ہوگی؟

کیونکہ قرآن کریم نے ''طلاق کے بعد'' اور عدت کے اندر ایسی ''سوچ'' رکھنے کو گناہ

قرار نہیں دیا"وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْ اَنْفُسِكُمْ ۔ (سورۃ البقرۃ 235)

ظاہر ہے کہ "طلاق سے پہلے" ایسی سوچ رکھنا عام مسلمان کے لئے بھی گناہ ہے تو بدرجہ اولیٰ پیغمبر کی عصمت کے منافی ہوگا۔

روزنامہ اسلام میں "من گھڑت تفسیر" کی بنیاد اسی نکتے پر رکھی گئی ہے کہ

"جو حضرات واقعۂ زینب کو توہینِ رسالت کی حد تک بے ہودہ قرار دے رہے ہیں وہ بتائیں کہ جو چیز شریعت میں ایک عام اُمتی کے لیے گناہ نہیں، کیا پیغمبر کے لیے گناہ ہو جائے گی۔ جو چیز صغیرہ گناہ بھی نہیں، کیا نبی سے اس کا صادر ہو جانا، عصمتِ انبیاء کے خلاف ہوگا؟" (روزنامہ اسلام 9 اگست 2015ء)

حضرت مفتی صاحب!

(۱۲۳)	کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں ہے کہ جو چیز ایک عام امتی کے حق میں گناہ ہو تو وہ پیغمبر کے لئے بھی گناہ ہوگی؟
(۱۲۴)	کیا روزنامہ اسلام کی تفسیر کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گناہ گار ہونا ثابت نہیں ہوتا؟
(۱۲۵)	کیا روزنامہ اسلام میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ "عظیم بہتان" نہیں باندھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم طلاق ملنے سے پہلے اس "عورت" کی اعلیٰ سیرت وصورت اور حسب ونسب کی بناء پر اسے سہارا دینے کا سوچ رہے تھے؟
(۱۲۶)	روزنامہ اسلام والوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوچ کے بارے میں کس طرح علم ہوا؟
(۱۲۷)	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدہ زینبؓ پر نگاہ پڑتے ہی کیسے پتہ چلا کہ انہیں طلاق ملنے والی ہے؟

(۱۲۸)	کیا روزنامہ اسلام میں طبری کے منقولہ واقعہ سے کئی گنا بڑھ کر اسے مکروہ انداز میں بیان نہیں کیا گیا ہے؟
(۱۲۹)	کیا یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان نہیں ہے کہ "آپؐ نے سیدہ زینبؓ پر نگاہ ڈال کر "جمال اور بدصورتی" میں فرق کرلیا تھا"؟ العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

حضرت مفتی صاحب!

روزنامہ اسلام کا یہ لکھنا کہ "ایک متاثر کن شخصیت سے متاثر ہونا کوئی انہونی بات نہیں" اس جملے میں "متاثر کن" شخصیت سے مراد سیدہ زینبؓ ہیں اور "متاثر" ہونے والی شخصیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔اس مکروہ اور اہانت آمیز جملے کا تجزیہ پیش کرنا اسلام اور ایمان کے تقاضے کے یکسر خلاف ہے اور قلم کو بھی اس سے ابکائیاں آرہی ہیں۔گویا سیدہ "متاثر کن" شخصیت پہلے سے مشہور تھیں لہذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی انؓ پر نگاہ ڈالتے ہی انؓ سے متاثر ہوگئے۔العیاذ باللہ! ثم العیاذ باللہ! ثم العیاذ باللہ!

حضرت مفتی صاحب!

روزنامہ اسلام کو تو اس جملے میں بھی کوئی "اہانت" محسوس نہیں ہوگی کیونکہ آپؐ "بشری" تقاضوں سے مبرا نہیں تھے....پھر "جو چیز شریعت میں ایک عام امتی کے لئے گناہ نہیں کیا پیغمبر کے لئے گناہ ہوجائے گی؟، جو چیز صغیرہ گناہ بھی نہیں کیا نبی سے اس کا صادر ہوجانا عصمت انبیاء کے خلاف ہوگا" لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

حضرت مفتی صاحب!

ام المؤمنینؓ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ "جملہ" مع سیاق وسباق "روزنامہ اسلام" میں شائع ہوا مگر بار بار "توجہ" دلانے اور "غور" کرنے کی دعوت دینے کے باوجود روزنامہ اسلام کے "ذمہ داروں" پر کوئی "اثر" نہیں ہوا۔

(۱۳۰)	کیا کوئی شخص اپنے والد کے بارے میں اس کے نکاح سے پہلے اس کی صفائی اور دفاع میں اس طرح کے دلائل پیش کرسکتا ہے؟
(۱۳۱)	امام طبری کے دفاع میں روزنامہ اسلام میں اس قصہ کی جو تفسیر بیان کی گئی ہے۔کیا وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء پردازی کے زمرے میں نہیں آتی؟

روزنامہ اسلام میں طبری کی روایت کے ان الفاظ "فوقع اعجابها في قلب النبي صلى الله عليه وسلم" کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ:

''ہم اپنی سطحی وجذباتی ذہنیت کی بناء پر کم از کم اس عبارت کو ضرور گستاخانہ قرار دے دیتے مگر کیا کیجئے کہ خود اللہ کے فرمان کے مطابق یہ ناممکن بات نہیں۔پیغمبر کے دل میں حسن کی پسندیدگی آجانے کے امکان کا ذکر خود خالقِ کائنات نے کیا ہے'' (روزنامہ اسلام ۱۹ اگست ۲۰۱۵)

حضرت مفتی صاحب!

اس موقف میں انتہائی غلو سے کام لیا گیا ہے اور آیت کریمہ کو ''ڈھال'' کے طور پر استعمال کرتے ہوئے اس سے بالکل باطل استدلال کیا گیا ہے۔یہ دلیل تو واضعین اور خالقین قصہ کو بھی نہیں سوجھی ہوگی۔سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۲ میں تو ازواج مطہرات کی فضیلت بیان ہورہی ہے کہ انہوں نے آیت تخییر (الاحزاب ۲۹) کے جواب میں دنیا اور آسائش دنیا کو ٹھکرا کر عسرت اور تنگی کی زندگی کو اختیار کرلیا تھا جس کے انعام میں اللہ تعالیٰ نے ''اعجاب حسن'' کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ پابندی عائد کردی کہ ان ازواج مطہرات کی موجودگی میں کسی اور آزاد خاتون کو شرف زوجیت نہ بخشا جائے اور نہ ہی ان میں سے کسی کو طلاق دے کر کسی دوسری کو نکاح میں لایا جائے۔

''اعجاب حسن'' والی آیت تو ۷ھ کے بعد نازل ہورہی ہے اس وقت آپؐ کے عقد میں ۹ بیویاں موجود تھیں جبکہ سیدہ زینب بنت جحشؓ آپؐ کے حبالۂ عقد میں ذی قعدہ ۵ھ میں آئی تھیں۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ:

''وَلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ'' میں شرط اور جزا دونوں غیر ممکن الوقوع ثابت ہوئے۔یعنی

نہ ''اعجاب حسن'' کا معاملہ پیش آیا اور نہ ہی نکاح کا۔ اگر کسی خاتون کا حسن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعجب میں ڈالتا تو پھر بھی نکاح وطلاق کی ممانعت کردی گئی تھی۔ اگر ''اعجاب حسن'' کی شرط نہ بھی ہوتی تو اس صورت میں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نکاح پر پابندی کا حکم ہی کافی تھا۔ اور آپؐ اس حکم الٰہی کے بعد کسی مزید نکاح کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ لیکن یہاں ''جزاء'' تو ہے ہی نہیں یعنی شرط پوری ہو یا نہ ہو نکاح پر پابندی ہے تو اس صورت میں ''اعجاب حسن'' کا امکان بھی ختم ہو گیا۔

روزنامہ اسلام میں "وَلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ" کے بارے میں جو''اجتہاد'' کیا گیا ہے دشمنان صحابہؓ واہل بیتؓ نے اس طرح کا ''اجتہاد'' کرتے ہوئے امہات المؤمنین کے بارے میں صریح ناشائستہ حرکات کا ''امکان'' ظاہر کیا اور اس آیت کریمہ سے استدلال کر بیٹھے کہ:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا۝ (الاحزاب 30)

اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کوئی صریح ناشائستہ حرکت کرے اس کے لئے سزا میں دگنا اضافہ کردیا جائے گا اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آیت میں "مَنْ" شرطیہ ہے جو وقوع شرط کو مستلزم نہیں تو جزا کیوں کر مرتب ہوگی؟

حضرت مفتی صاحب!

(۱۳۲)	اگر مذکورہ ''اجتہاد'' کا دائرہ وسیع کیا جائے تو بات کہاں تک پہنچے گی؟

حضرت مفتی صاحب!

"وَلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ" سے پیغمبر کے لئے ''اعجاب حسن'' کا امکان جبکہ طبری کے نزدیک ''وقوع'' تسلیم کرنے والے روزنامہ اسلام کے ''مجتہدین'' حسب ذیل آیات کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

(۱۳۳)	"وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا o اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا o (سورۃ بنی اسرائیل 75,74) **اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو آپ بھی ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک جاتے تو اس صورت میں ہم آپ کو دنیا میں دگنا مزا چکھاتے اور مرنے کے بعد بھی پھر آپ ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار نہ پاتے۔**
(۱۳۴)	لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ o (الزمر 65) **اگر آپ نے شرک کا ارتکاب کیا تو آپ کے عمل ضائع اور آپ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔**
(۱۳۵)	فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ o (الشعراء 213) **تو (اے پیغمبر!) تم اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارنے لگنا ورنہ تم بھی مبتلائے عذاب ہو جاؤ گے۔**
(۱۳۶)	قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ o (الزخرف 81) **اے پیغمبر! آپ کہہ دیں: اگر اللہ کی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کرتا۔**
(۱۳۷)	لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ (الزمر 4) **اگر اللہ اپنی اولاد بناتا تو مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا۔**
(۱۳۸)	فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ (یونس: 94) **اگر آپ کو اس میں شک ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تو سابقہ اہل کتاب کے علماء سے پوچھ لو۔**

(۱۳۹)	وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○ (الانعام 88) اگر انبیاء شرک کریں گے تو ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

مذکورہ بالا آیات میں شرط اور جزا دونوں غیر ممکن الوقوع ہیں۔ اور یہی معاملہ ''وَلَوْاَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ'' کا بھی ہے۔

امام طبری اور قصہ زیدؓ و زینبؓ

حضرت مفتی صاحب!

روزنامہ اسلام میں قصہ زیدؓ و زینبؓ سے متعلق منافی عصمت اور مبنی بر توہین روایات کے ''دفاع'' کا تجزیہ اوپر پیش کر دیا گیا ہے اب اصل روایت کا متن ملاحظہ فرمائیں:

امام طبری سورۃ الاحزاب آیت ۳۷ "اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰه" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت حضرت زیدؓ کی بیوی سیدہ زینب بنت جحشؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو وہ انہیں پسند آ گئی۔ "راھا رسول الله صلى الله عليه وسلم فأعجبته" پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ان کی محبت کے آنے سے حضرت زیدؓ کے دل میں ان کی کراہت واقع ہو گئی لہٰذا حضرت زیدؓ نے انہیں طلاق دینے کا ارادہ کر کے اس کا ذکر خود آپؐ سے کر دیا تو آپؐ نے فرمایا:

"اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ" اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں روکے رکھو جبکہ دل میں یہ خواہش لئے ہوئے تھے کہ زیدؓ، زینبؓ کو طلاق دے دیں تاکہ وہ خود ان سے نکاح کر لیں۔

"وهويحب أن تكون قد بانت منه ينكحها"

امام طبری دوسری روایت میں "وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَااللّٰهُ مُبْدِيْهِ" کے تحت فرماتے ہیں: "وكان يخفى فى نفسه ودّ أنه طلّقها" اور آپؐ اپنے دل میں اس خواہش کو چھپا رہے تھے کہ زیدؓ انہیں طلاق دے دیں۔ (تفسیر الطبری المجلد العاشر ص ۳۰۲ تحت رقم ۲۸۵۱۸)

اس کے بعد موصوف یونس عن ابن وہب عن ابن زید کی سند سے یہ روایت لائے ہیں کہ:

"وكان النبي صلى الله عليه وسلم قد زوّج زيد بن حارثة، زينب بنت جحش، ابنة عمته، فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما يريده و على الباب ستر من شعر، فرفعت الريح الستر فانكشف، وهي في حجرتها حاسرة، فوقع إعجابها في قلب النبي صلى الله عليه وسلم فلمّا وقع ذٰلك كرّهت إلى الآخر، فجاء فقال: يارسول الله إني أريد أن أفارق صاحبتي، قال: مالك، أرابك منها شيء؟ قال: لا، والله ما رابني منها شيء يا رسول الله، ولا رأيت الّا خيرا، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ......" تخفي في نفسك إن فارقها تزوّجتها۔" (حوالہ مذکور تحت رقم ۲۸۵۱۹)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہؓ کی شادی اپنی پھوپھی زاد بہن سیدہ زینبؓ کے ساتھ فرمائی۔ ایک دن آپؐ زیدؓ سے ملنے کے لئے ان کے گھر گئے، دروازے پر اونی پردہ پڑا تھا، ہوا سے پردہ اٹھ گیا اور وہ کھل گیا۔ زینبؓ جو اپنے کمرے میں برہنہ سر اور بے دھیانی کے عالم میں بیٹھی تھیں تو ان کی خوبصورتی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں جاگزیں ہوگئی اور رکھب گئی جب یہ چیز واقع ہوئی تو سیدہ زینب حضرت زیدؓ کے لئے ناپسندیدہ ہوگئیں۔

پس زیدؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: یارسول اللہ! میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے دوں۔ آپؐ نے پوچھا کیوں، کیا ان کی طرف سے بدگمان ہو؟ زیدؓ نے کہا: جی نہیں۔ یہ بات نہیں ہے۔ اللہ کی قسم! میں نے سوائے خیر کے اور کوئی بات ان کے متعلق نہیں دیکھی۔ آپؐ نے ان سے فرمایا: اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رو کے رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو...... آپؐ اپنے دل میں اس بات کو چھپا رہے تھے کہ اگر زید انہیں طلاق دیدے تو میں ان سے نکاح کرلوں۔

امام طبری نے اسی سند کے ساتھ یہ روایت اپنی تاریخ میں بھی نقل کی ہے بلکہ ایک دوسری سند کے ساتھ یہ واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ:

"حدثت عن محمد بن عمر قال حدثني عبدالله بن عامر الاسلمي عن محمد بن يحيىٰ بن حبان قال:

جاء رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم بيت زيد بن حارثة و كان زيد إنما يقال له زيد بن محمد ربما فقده رسول الله صلى الله عليه وسلم الساعة فيقول أين زيد فجاء منزله يطلبه، فلم يجده، وقامت اليه زينب بنت جحش زوجته فضلا، فأعرض عنها رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالت: ليس هو هاهنا يارسول الله فادخل بأبي أنت و أمّي، فأبى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يدخل، و انما عجلت زينب أن تلبس ان قيل لها رسول الله صلى الله عليه وسلم على الباب، فوثب عجلة فأعجبت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فولى و هو يهمهم بشئ لا يكاد يفهم الّا أنه أعلن: "سبحان الله العظيم، سبحان اللّٰه مصرّف القلوب"

قال فجاء زيد إلى منزله، فأخبرته امرأته أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم أتى منزله، فقال زيد: ألا قلتِ له ادخل، فقالت: قد عرضت عليه ذٰلك فأبى، قال: فسمعتِه يقول شيئاً، قالت: سمعته يقول حين ولى "سبحان اللّٰه العظيم، سبحان اللّٰه مصرّف القلوب"

فخرج زيد حتى أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال يارسول الله بلغني أنك جئت منزلي فهلا دخلت بأبي انت امي يارسول الله، يارسول الله لعلّ زينب أعجبتك فأفارقها، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم "أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ" فما استطاع زيد إليها سبيلا بعد ذٰلك اليوم... (تاريخ الامم والملوك الجزء الثاني طبع بيروت ص ۲۳۱ ـ تحت ثُمّ كانت السنة الخامسة من الهجرة)

امام طبری کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن عمر کی روایت سے ...... یہ بتایا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن زید بن حارثہؓ کے گھر آئے، ان کو زید بن محمد کہا جاتا تھا آپؐ ان کی تلاش میں ان کے گھر آئے وہ اس وقت موجود نہ تھے، ان کی بیوی زینب بنت جحشؓ ہلکا

سالباس پہنے آپؐ کے سامنے آئیں۔آپؐ نے دیکھ کرمنہ پھیرلیا اور زینبؓ نے آپؐ سے کہا: وہ تو اس وقت یہاں نہیں ہیں۔میرے ماں باپ آپؐ پر نثار، آپؐ اندر تشریف لائیں، مگر آپؐ نے اندر جانے سے انکار کردیا۔

واقعہ یہ ہوا تھا کہ جب زینبؓ سے کہا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر دروازے پر کھڑے ہوئے ہیں۔انہوں نے جلدی میں کپڑے پہنے اور پوری طرح نہیں پہنے تھے کہ آپؐ کے سامنے آگئیں تو ان کی صورت آپؐ کے دل میں کھب گئی اور آپؐ منہ میں کچھ کہتے ہوئے وہاں سے پلٹے اور کوئی الفاظ تو سمجھ میں نہیں آئے۔البتہ یہ آپؐ نے قدرے بلند آواز میں فرمایا:"سبحان الله العظیم، سبحان الله مصرّف القلوب" پاک ہے اللہ بزرگ، پاک ہے اللہ دلوں کا پھیرنے والا۔زید جب اپنے گھر آئے، ان کی بیوی نے ان کو اطلاع دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے۔انہوں نے کہا: آپ نے اندر کیوں نہ بلایا؟ بیوی نے کہا: میں نے یہ بات عرض کی تھی مگر آپؐ نے نہ مانا۔زیدؓ نے پوچھا: آپؐ کو کچھ فرماتے ہوئے سنا؟ کہا: جی ہاں۔جب آپؐ واپس جانے لگے تو آپؐ نے "سبحان الله العظیم، سبحان الله مصرّف القلوب" کہا تھا۔یعنی پاک ہے اللہ جو عظیم ہے، پاک ہے اللہ جو دلوں کو پھیرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔یہ سن کر زید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: مجھے معلوم ہوا کہ آپؐ میرے گھر پر تشریف لائے تھے۔میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ گھر کے اندر کیوں نہ گئے؟"یا رسول الله لعلّ زینب أعجبتك فأفارقها" اے اللہ کے رسول! شاید زینب آپؐ کو پسند آگئی ہیں میں اسے طلاق دیتا ہوں۔آپؐ نے فرمایا: اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں روکے رکھو۔مگر اس روز کے بعد زید اپنی بیوی پر قادر نہ ہو سکے۔

حضرت مفتی صاحب!

امام طبری نے اپنی تفسیر اور تاریخ میں زیدؓ و زینبؓ سے متعلق روایت 'یونس، ابن وہب، ابن زید (م۱۸۲ھ) اور محمد بن عمر واقدی (م۲۰۹ھ، ۲۰۷ھ) کی سند سے بیان کی ہے۔

ائمہ رجال نے ان دونوں راویوں پر خوب جرح کی ہے اور انہیں نا قابل اعتبار، نا قابل احتجاج، ضعیف، متروک الحدیث، کذاب اور واضع الحدیث یعنی احادیث گھڑنے والا قرار دیا ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ امام طبری (م 310ھ) اور واقدی کے درمیان ایک راوی "غائب" ہے طبری خود تو واقدی سے روایت کر نہیں سکتے کیونکہ واقدی 207 میں ان کی پیدائش (224ھ) سے 17 سال پہلے وفات پا چکے تھے اس لئے انہوں نے ان الفاظ سے روایت بیان کی کہ: "حدثت عن محمد بن عمر..." مجھ سے بیان کیا گیا اور وہ عمر واقدی سے روایت کرتا ہے...

امام طبری خود بھی اپنے مخصوص افکار و نظریات کے حوالے سے کچھ زیادہ "قابل اعتماد" نہیں ہیں جبکہ ان کے اور واقدی کے درمیان ایک مجہول شخصیت ہے، جس نے واقدی سے سن کر یہ روایت امام طبری تک پہنچائی۔

صد افسوس کہ امام طبری مذکورہ کردار کے حامل راویوں سے مروی روایات کی بناء پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت، عصمت، نیت اور دل ونگاہ پر "یورش" کر بیٹھے۔

اگر بالفرض اس روایت کے تمام راوی صدوق و ثقہ ہوتے تو پھر بھی منافی عصمت روایات ہرگز قبول نہیں کی جاسکتیں۔

تعجب بالائے تعجب یہ کہ روزنامہ اسلام میں ان روایات کو منافی عصمت قرار دینے والوں کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ: "یہ براہ راست دوسروں کی نیت اور ایمان پر حملہ ہے اور اسلاف اس سے بہت احتیاط کرتے تھے" (روزنامہ اسلام 11 اگست 2015)

حضرت مفتی صاحب!

اگر امام طبری کی منقولہ و مکذوبہ روایات کو "منافی عصمت" قرار دینا ان کی نیت اور ایمان پر حملہ ہے" تو جن حضرات نے "براہ راست" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب ونظر اور نیت پر حملہ کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ:

"سیدہ زینبؓ کی محبت آپؐ کے دل میں کھب گئی تھی جس کی وجہ سے زیدؓ کے دل میں

ان کی کراہت آ گئی اور یوں معاملہ طلاق تک پہنچ گیا''

(۱۴۰)	ان راویوں اور روایات کو صحیح سمجھ کر نقل کرنے والوں یا ایسے ناقلین کا دفاع کرنے والوں یا ان روایات کو عصمت کے منافی نہ قرار دینے والوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

یہاں کسی خاتون پر ''اچانک نظر پڑنے سے'' اس کی تاویل نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ روایت میں نظر پڑنے کے بعد دوسرے کی بیوی کی محبت کا دل میں کھب جانا بتایا گیا ہے جو یقیناً منافی عصمت ہے اور یقیناً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب وارادہ پر ''براہ راست'' کالم کا ''براہ راست'' حملہ ہے۔

قصہ زیدؓ و زینبؓ اور اقوال مفسرین

جن مفسرین وعلماء نے امام طبری کے منقولہ قصہ زیدؓ و زینبؓ کو منافی عصمت قرار دیا ہے ان میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی اور اقوال ملاحظہ فرمائیں:

قاضی ابوبکر ابن العربیؒ (م ۵۴۳ھ):

گھٹیا اور گمراہ لوگ جو کچھ تصور کئے بیٹھے ہیں ویسا معاملہ ہرگز نہیں تھا۔

(احکام القرآن لابن العربی جلد ۳۔ص ۳۶۴۔۳۶۵ بحوالہ سیرت انسائیکلوپیڈیا جلد ۷۔ص ۱۲۶۔۱۲۵)

علامہ قرطبیؒ مزید فرماتے ہیں کہ:

"اما ما روی أنّ النبیّ صلی الله علیه وسلم هوی زینب امرأة زید و ربما اطلق بعض المجّان لفظ عشق فهذا انّما یصدر عن جاهل لعصمة النبیّ صلی الله علیه وسلم علی مثل هذا أو مستخفّ بحرمته"

یہاں جو افسانہ گھڑا گیا یہ ان لوگوں کی طرف سے ہے جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کا علم نہیں ہے یا انہوں نے دانستہ شان نبوت کو گھٹانے کی کوشش کی۔

(بحوالہ ضیاء القرآن جلد چہارم ص ۶۴)

امام قاضی عیاضؒ (م ۵۴۴ھ):

امام قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ: یقیناً یہ بڑے عیب کی بات ہے جو آپؐ کے شایانِ شان نہ تھی، اس فعل کو تو عام متقی لوگ بھی برا سمجھتے ہیں چہ جائیکہ سید الانبیاء علیہم السلام اس کے مرتکب ہوں۔ آپ کی طرف ایسے قول کی نسبت بہت بڑی جرأت ہے اور اس قول کا قائل آپؐ کے حقوق اور فضیلت کے بارے میں قلیل المعرفت ہے۔

امام ابو حیّان اندلسی (م ۷۴۵ھ):

امام ابو حیّان اندلسی فرماتے ہیں کہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حرکات وسکنات میں معصوم ہیں۔ بعض مفسرین نے یہاں ایسے قصے نقل کئے ہیں جن سے شان نبوت کی تنقیص ہوتی ہے اس لئے ہم نے ان کو نقل کرنا بھی گوارا نہ کیا۔

امام ابن کثیر (م ۷۷۴ھ):

امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ:

...ابن جریر نے بعض سلف سے اس جگہ کچھ آثار نقل کئے ہیں جن کا نقل کرنا بھی ہم نا مناسب جان کر ترک کرتے ہیں کیونکہ ان میں سے ایک بھی ثابت اور صحیح نہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ):

حافظ ابن حجر عسقلانی قصہ زینبؓ سے متعلق روایات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

وہ تمام روایتیں اس لائق نہیں ہیں کہ ان کا ذکر بھی زبان پر لایا جائے۔

علامہ محمود آلوسی (م ۱۲۷۰ھ):

علامہ محمود آلوسی قصہ زینبؓ سے متعلق غلط اور باطل روایات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

قصہ گو اور داستان سرا لوگوں نے اس قصہ کے متعلق جو لچر باتیں اور افسانے تراشے

ہیں وہ کسی حیثیت سے بھی اس لائق نہیں ہیں کہ انہیں قبول کرلیا جائے۔

موصوف علامہ خفاجی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"إن القصّة شبيهة بقصة داوٗد عليه السلام..."

حضرت زینبؓ کے اس قصے میں حضرت داؤد علیہ السلام کے قصے کی مشابہت پائی جاتی ہے۔

مولانا عبدالحق حقانی دہلویؒ (م ۱۳۳۵ھ)

مولانا عبدالحق حقانی فرماتے ہیں کہ:

معاذاللہ! معاذاللہ! نبی علیہ السلام پر کیا کیا بہتان باندھے ہیں...مگر تعجب تو اپنے بعض سیدھے سادھے بھولے بھالے مفسرین پر ہے کہ انہوں نے ان کی روایات کو اپنی تفاسیر میں نقل کردیا۔(تفسیر حقانی جلد ششم ص ۹۳)

مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی (1382ھ 1962ء)

مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی فرماتے ہیں کہ:

مگر حیرت اور حیرت سے زیادہ رنج و ملال ہے ان راویانِ روایت پر جنھوں نے روایت و درایت کی کسوٹی پر کسے بغیر ہی یہود بنی اسرائیل کی اسلام دشمنی اور رسول دشمنی میں گھڑی ہوئی خرافی داستان کو ان آیات کی تفسیر کے ضمن میں درج کردیا...

ہمارے لئے کس طرح یہ جائز ہوسکتا ہے کہ ہم ایسی روایات کو بیان یا نقل کرکے ایک جانب دشمنانِ اسلام کے لئے غلط اور پُر از بہتان نکتہ چینی کا سامان مہیا کریں اور دوسری طرف بے علم مسلمانوں کے دینی و ذہنی انتشار کا باعث بنیں۔اگر یہ خرافی داستان کتب تفسیر میں نقل نہ ہوتی اور اس کے مفاسد کا اثر موافق و مخالف دونوں جانب پر نہ پڑا ہوتا تو ایک لمحہ کے لئے بھی قلم اس کے لئے آمادہ نہ ہوتا کہ اس ہرزہ سرائی کو روایت کہہ کر پیش کرے مگر اصل حقیقت کو واشگاف کرنے کے بعد محض اس لئے اس داستان کو سپردِ قلم کیا جارہا ہے کہ جب کبھی اس پر نگاہ پڑے تو فوراً ذہن میں آجائے کہ یہ ایک خرافی داستان سے زیادہ حقیقت

نہیں رکھتی اور اس لئے دشمنان اسلام کو اس کی سند لینا محض تعصب اور اسلام دشمنی پر مبنی ہے نہ کہ حقیقت حال کی طلب و جستجو کے پیش نظر۔

موصوف نے زیر بحث "موضوع، باطل، منافی عصمت اور خرافی" روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا کہ: "اعاذنا الله من هذاه الخرافات" ان خرافات سے اللہ کی پناہ...

غرض اسرائیلی داستانوں میں سے یہ بھی ایک خرافی داستان تھی جس کا پردہ فاش ہونا ازبس ضروری تھا ورنہ تو یہ روایت خرد وعقل کے نزدیک یوں بھی ناقابل اعتماد اور لغو ہے کہ زینبؓ جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور بچپن سے جوانی تک مسلسل آپؐ کے سامنے رہیں اور شادی کے بعد بھی آپؐ سے پردہ نہیں کرتی تھیں تو اس واقعہ کے دن کون (سی) خاص بات تھی کہ زینبؓ آپ کی نگاہ میں اجنبی بن کر نظر آنے لگیں اور آپؐ نے اخلاق کریمانہ کے خلاف دل و زبان کی مطابقت بھی چھوڑ دی۔

اگر قرآن کی آیت کا یہ مطلب لے لیا جائے تو پھر ایک لمحہ کے لئے بھی قرآن کو یہ حق ہے کہ وہ ذات اقدس کو ایک نبی، رسول، اولوالعزم پیغمبر کی حیثیت میں پیش کر سکے۔

(قصص القرآن جلد چہارم ص 493، 494، 498۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

مولانا محمد ادریس کاندھلوی (م 1974ء)

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ:

مخالفین اسلام اور بے دینوں نے جو یہ مشہور کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر حضرت زینبؓ پر پڑ گئی اور آپؐ کا دل ان کی طرف مائل ہو گیا اور یہ فرمایا:

"سبحان الله مقلب القلوب" اور "وَ تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ" سے دل میں زینبؓ کی محبت کا چھپانا مراد ہے۔

سو یہ قصہ منافقوں کا کذب اور افتراء ہے۔ اہل ایمان کو ہرگز ہرگز اس پر یقین نہ کرنا چاہئے۔ یہ قصہ ملاحدہ اور زنادقہ کے مفتریات اور مخترعات میں سے ہے جس کی کوئی سند نہیں۔ جمہور مفسرین نے اس قصہ کا موضوع اور کذب و افتراء ہونا بیان کیا ہے۔

علاوہ ازیں کہ یہ قصہ بالکل بے اصل اور بے سند ہے۔خلاف عقل بھی ہے۔...

نیز عقل اور نقل سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ اللہ کا نبی معصوم ہوتا ہے۔اس کی بصر اور نظر طاہر اور مطہر اور پاک اور منزہ ہوتی ہے۔...

جس طرح تمام عالم کا ایمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کا ایک ادنیٰ سا عکس اور پرتو ہے،اسی طرح تمام عالم کی نگاہوں کی عفت اور حیاء اسی ذات قدسی صفات کی عصمت مآب اور نزہتِ جناب کی نزاہت نظر اور طہارتِ بصر کا ایک ادنیٰ سا عکس اور پرتو ہے۔...

ہمارے اس بیان سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ بدباطنوں کا یہ کہنا کہ "وَ تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ" سے زینبؓ کی محبت کا دل میں چھپانا مراد ہے،بالکل غلط ہے اور سرتاپا دروغ بے فروغ ہے..."(سیرت المصطفیٰ ، جلد سوم ۔ص 187 ۔188 تحت "ام المؤمنین زینب بنت جحشؓ")

پیر سید محمد کرم شاہ ازہری (۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء) فرماتے ہیں کہ:

چنانچہ ان بدباطنوں نے اس آیت کے ان جملوں: "اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللّٰہَ وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ" کا یہی معنیٰ لیا ہے اور اپنی خبث باطنی کے باعث بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوۃ والتسلیمات میں گستاخی کی جرأت کی۔

دل ہرگز برداشت نہیں کرتا کہ ان کی اس یاوہ گوئی کو لکھنے کی جرأت کرے لیکن جب تک اسے لکھا نہ جاتا اس کا رد ممکن نہ تھا۔میں آپ کو ایک عقیدت مند کی حیثیت سے نہیں ایک حقیقت پسند کی حیثیت سے ان کی اس ہرزہ سرائی میں غور کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ صداقت خود بخود نکھر کر سامنے آجائے گی...

جب حقیقت حال یہ ہے تو کوئی غیرت مند اور حقیقت پسند شخص اس داستانِ سراپا ہذیان کو قبول نہیں کرسکتا۔یہ عجیب بات ہے کہ جب حضرت زینبؓ کنواری تھیں اور حضورؐ کے حرم کی زینت بننے کو اپنے لئے اور اپنے کنبہ کے لئے باعثِ صد عزت محسوس کرتی تھیں اس وقت تو حضورؐ کے دل میں کوئی کشش پیدا نہ ہوئی اور جب ایک سال سے زائد عرصہ آپ کے آزاد کردہ غلام کے ساتھ ازدواجی زندگی بسر کر چکیں تو اچانک یہ صورت پیدا ہوگئی جوان

عقل کے اندھوں کو نظر آنے لگی۔" (ضیاء القرآن جلد چہارم ص 61-62)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی:

حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ:

بعض دشمنان اسلام نے کچھ واہی تباہی روایتوں کی بناء پر اس کا جو مطلب نکالا ہے وہ سراسر غلط ہے اور جو انتہائی کمزور روایتیں اس سلسلے میں پیش کی گئی ہیں وہ قطعی طور پر غیر معقول اور نا قابلِ توجہ ہیں۔" (آسان ترجمہ قرآن ۔تشریحات کے ساتھ جلد سوم ص 1300)

حضرت مفتی صاحب!

مفسرین کرام اور حضرات علماء کرام کے مذکورہ تفسیری اقوال سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے کہ زیدؓ و زینبؓ سے متعلق امام طبری کا منقولہ قصہ "کذب وافتراء کا مرقع، زنادقہ وملاحدہ، دشمنان اسلام اور یہود و نصاریٰ کا وضع کردہ ہے جو عقیدہ عصمت انبیاء کے سراسر منافی اور مبنی بر توہین ہے۔

حاشا وکلا! میں کسی پر توہین رسالت کا لیبل ہرگز نہیں لگا رہا ہوں میں تو صرف مفسرین کرام کے تفسیری اقوال کی روشنی میں امام طبری کی منقولہ زیر بحث روایات کو منافی عصمت اور مبنی بر توہین سمجھتا ہوں اور اس موقف کے صحیح اور صواب ہونے پر مجھے پورا یقین ہے۔

توہین وتنقیص پر مبنی الفاظ

قاضی عیاض مالکی اندلسی اپنی کتاب "الشفاء" میں ان الفاظ کی نشاندہی کرتے ہیں جن سے "تنقیص وتوہین" مراد لی جاتی ہے:

معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ عزوجل ہمیں اور آپ کو توفیق دے کہ تمام وہ باتیں جن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بطور سب مراد لی جائے یا جس سے آپؐ کی عیب جوئی ہوتی ہو یا آپؐ کی ذات شریفہ یا آپؐ کے دین یا آپؐ کے اسوہ یا آپؐ کے خصائل میں سے کسی ایک خصلت میں نقصان لاحق ہوتا ہو یا بطریق "سب" آپؐ پر تعریض یا اس کے

مشابہ لفظ بولے جاتے ہوں...

یا آپ کی طرف ایسی چیز بطریق مذمت منسوب کرے جو آپؐ کے منصبِ عالی کے لائق نہ ہو یا آپ کی طرف کوئی بے ہودہ، فحش یا بری یا جھوٹ بات کی اضافت کرے یا ان بعض عوارض بشریہ جن کا صدور آپ کی طرف سے جائز یا معہود ہے اس کے سبب سے حقیر جانے۔ ان تمام باتوں پر صحابہ کرام سے لے کر آج تک کے علماء و ائمہ فتویٰ کا اجماع رہا ہے کہ ان الفاظ سے توہین و تنقیص ہی مراد لی جائے گی۔

علمائے کرام نے تو اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ ’’توہین و تنقیص پر مبنی کلمات کے بارے میں قائلین کی ’’نیت و مراد‘‘ کا سہارا بھی نہیں لیا جا سکتا کیونکہ ’’قائلین، ناقلین اور تائید کنندگان‘‘ کی ’’مراد و نیت‘‘ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو مگر ’’سامعین و قارئین‘‘ اسے بے ادبی پر ہی محمول کریں گے۔‘‘ اس کی وجہ یہ ہے کہ ’’توہین و تنقیص‘‘ کے کلمات میں قائل کی ’’نیت و مراد‘‘ کے بجائے ’’عرف‘‘ کا اعتبار ہوتا ہے اور ظاہری کلمات کو دیکھا جاتا ہے جبکہ فقہاء کرام کے نزدیک بلا جبر و اکراہ اور قصداً و عمداً ’’صریح الدلالت‘‘ الفاظ میں نیت و مراد اور تاویل و توجیہ نا قابل قبول اور نا قابل اعتبار ہے۔ حضرت شاہ اسماعیل شہید فرماتے ہیں کہ:

’’اور یہ بات محض بے جا ہے کہ ظاہر میں لفظ بے ادبی کا بولے اور اس سے کچھ اور معنی مراد لے‘‘ (تقویۃ الایمان ص 80۔ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ”رَاعِنَا“ کا لفظ استعمال کرنے سے منع کر دیا حالانکہ اس میں معنوی طور پر کوئی خرابی نہیں تھی اور مسلمانوں کی نیت بھی صحیح تھی لیکن یہودیوں اور منافقوں نے اس لفظ کو گستاخی کا ذریعہ بنالیا تھا۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ”لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا“ کے ضمن میں فرماتے ہیں:

الفاظ قبیحہ بولنے والا اگرچہ معانی حقیقیہ (یعنی معنی ظاہر و متبادل) مراد نہیں رکھتا بلکہ معنی مجازی مقصود لیتا ہے مگر تاہم ایہام گستاخی و اہانت و اذیت ذات پاک حق تعالیٰ شانہ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی نہیں۔

یہی سبب ہے کہ حق تعالیٰ نے لفظ "رَاعِنَا" بولنے سے صحابہ کو منع فرمایا اور "اُنۡظُرۡنَا" کا لفظ عرض کرنا ارشاد کیا حالانکہ مقصود صحابہ معاذ اللہ ہرگز وہ معنی کہ یہود لیتے تھے نہ تھے مگر ذریعہ شوخی یہود کا اور موہم اذیت و گستاخی جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا لہٰذا حکم ہوا کہ "لَا تَقُوۡلُوۡا رَاعِنَا وَقُوۡلُوۡا انۡظُرۡنَا..."

اور علیٰ ہذا صحابہ کا پکار کر بولنا مجلس شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں ہرگز بوجہ اذیت و گستاخی معاذ اللہ نہ تھا بلکہ حسب عادت وطبع تھا مگر چونکہ اذیت و بے اعتنائی شان والا کا اس میں ایہام تھا یہ حکم ہوا "یایھاالذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی... ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون o" کیا صاف حکم ہے کہ اگرچہ تمہارا قصد گستاخی نہیں مگر اس فعل سے حبط اعمال تمہارے ہو جاویں گے اور تم کو خبر بھی نہ ہوگی۔

اور ایسا ہی حدیث میں "تکنی بکنیة ابی القاسم" آپ کی حیات شریف میں منع ہو گئی تھی بوجہ اذیت ذات سرور عالم کے کسی کو اگر پکارے گا تو آپ یہ سمجھ کر کہ مجھ کو ندا کرتا ہے التفات فرما دیں گے حالانکہ منادی ہرگز اذیت جناب سرور کائنات کا ارادہ نہ کرتا تھا۔ اور ابن ماجہ نے روایت کیا کہ اشعث بن قیس کندی جب آئے تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم آپ میں سے نہیں ہیں اور یہ عرض والغیب عنداللہ بایں وجہ تھی کہ سب عرب از قریش تا کندہ بنو اسماعیل ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ہماری ماؤں کو تہمت زنا مت لگاؤ اور ہمارے نسب کی نفی ہمارے باپوں سے مت کرو اور ہم اولاد نضر ہیں۔

دیکھو کہ اس لفظ میں ایہام بعید کو کس قدر نفی کر کے نہی فرمایا اور ادب کلام کا تلقین فرمایا...

(تالیفات رشیدیہ ص 687۔ بذیل "لطائف رشیدیہ" مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور۔کراچی)

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ جن کلمات کے استعمال سے گستاخانِ رسولؐ کے ساتھ کسی بھی درجے میں مشابہت پائی جاتی ہو یا گستاخی و اہانت کا کوئی ادنیٰ سا بھی احتمال نکل سکتا ہو تو ان سے اجتناب و احتراز لازمی ہے اور اگر ایسے کلمات استعمال کر چکا ہو تو "تجدید ایمان" کے ساتھ توبہ و استغفار ضروری ہے۔

قاضی عیاضؒ کے حوالے سے یہ بات اوپر گذر چکی ہے کہ: ''جن الفاظ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عیب جوئی ہوتی ہو، آپؐ کی کسی خصلت میں نقصان لاحق ہوتا ہو یا آپؐ کی طرف کسی بے ہودہ، فحش، بری، لغو، باطل اور جھوٹی بات کی نسبت واضافت ہوتی ہو تو بلا شک وشبہ ان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین وتنقیص ہی مراد لی جائے گی۔

حضرت مفتی صاحب!

روزنامہ اسلام میں جس ڈھٹائی کے ساتھ امام طبری کی زیدؓ و زینبؓ سے متعلق منقولہ منافی عصمت اور مبنی بر توہین روایت کو ''من وعن'' نقل کر کے اس کا دفاع کیا گیا ہے اس سے گستاخان رسولؐ کے ساتھ محض مشابہت ہی نہیں پائی جاتی، یا کسی گستاخی واہانت کا احتمال یا اشارہ وایہام ہی نہیں نکلتا بلکہ اگر سطحی نگاہ سے بھی اسے دیکھا جائے تو اس سے سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت وگستاخی ٹپکتی وچھلکتی نظر آئے گی۔

اکابر علماء دیوبند کی طرف منسوب ایک فرضی قصہ

حضرت مفتی صاحب!

اصل نفس مسئلہ کی توضیح کی خاطر تھوڑی دیر کے لئے ''فرض'' کرتے ہوئے اس ''قصہ'' کی نسبت کوئی کالم نگار غیر معصوم اور غیر محفوظ اکابر علماء دیوبند میں سے کسی ایک کی طرف کر دے جسے پڑھنے کے بعد اکابر کا کوئی ایک آدھ ''غالی اور کٹر'' عقیدت مند اسے بے ہودہ قرار دیتے ہوئے یہ چیلنج کر دے کہ ''کسی معترض دیوبندی عالم، کالم نگار، اخبار نویس، دانشور یا عام عقیدت مند میں حوصلہ ہے تو اسے پڑھ کر دیکھ لے یا مزید جرات رکھتا ہے تو اسے من وعن اپنے کالم کی زینت بنا کر دکھا دے'' تو اس کے جواب میں روزنامہ اسلام میں اکابر کا کوئی ''محقق'' عقیدت مند ہو بہو ''من وعن'' یہ واقعہ نقل کر دے کہ وہ اپنے شاگرد سے ملنے کے لئے ان کے گھر گئے لیکن شاگرد گھر میں موجود نہیں تھے البتہ ان کی خوبصورت، ننگے سر صحن میں بیٹھی ہوئی بیوی پر ان کی نگاہ پڑ گئی جس سے اس کی محبت

''حضرت'' کے دل میں کھب گئی۔۔

پھر اس واقعہ کو صحیح سمجھ کر اس کی صفائی میں یوں رقم طراز ہو کہ ''قارئین واقعہ میں من و عن نقل کر چکا ہوں۔آپ نے پڑھ لیا ہے اس میں کون سی بات ایسی ہے جسے بے ہودہ اور گستاخانہ کہا جائے اور راوی پر توہین اکابر کا الزام لگایا جائے۔کیا یہ بات معیوب ہے کہ حضرت یہ جان چکے تھے کہ مستقبل میں اس عورت کو طلاق ملنے والی ہے۔یہ ملحوظ رہے کہ طلاق کا معاملہ عورت کی محبت کا دل میں کھب جانے کے بعد سامنے آیا ہو اور اس سے پہلے حضرت کے حاشیہ تصور میں بھی یہ بات نہ ہو) ایک عورت کو جسے طلاق ملنے والی تھی اور سیرت وصورت، حسب ونسب ہر لحاظ سے اعلیٰ تھی، سہارا دینے کا سوچ رہے تھے۔اسے عیب شمار کیا جائے گا یا اخلاق کی انتہاء۔

یا یہ بات نا قابل یقین ہے کہ ایک دن شاگرد یا خلیفہ و مرید کی بیوی دوپٹے کے بغیر گھر میں تشریف فرما تھیں؟ اگر ایسا تھا تو یہ کوئی محال بات نہیں۔ایک گرم ملک میں، گھر کی تنہائی میں کوئی عورت کچھ دیر کے لئے اوڑھنی اتارے ہوئے ہو تو کیا اسلام میں اس پر پابندی ہے، یا یہ اخلاق سے ماوراء حرکت ہے، یا غیر محرم پر نگاہ ''حضرت'' کا اچانک پڑ جانا محال بات ہے؟ اس کا ذکر ''حضرت'' کی سیرت کے منافی اور اسے نقل کرنا ''حضرت'' کی توہین ہے؟

یہ تو تب ہوتا جب یہ حضرات بشری تقاضوں یا سہو سے مبرا ہوتے۔دیوبندی حضرات کا کبھی یہ عقیدہ نہیں رہا کہ یہ ''حضرات'' اپنے تمام کمالات وامتیازات کے باوصف بشری خصوصیات سے بے نیاز ہوتے ہیں۔''اکابر'' کو نیند آتی تھی، بھوک لگتی تھی، وہ کھاتے پیتے تھے، خرید وفروخت کرتے تھے، انہیں غصہ بھی آتا تھا، رنج بھی ہوتا تھا، ان کا سہو بھی ثابت ہے۔سوتے رہ جانے کی وجہ سے ان کی نمازوں کا قضا ہونا بھی ثابت ہے۔سہو یا بھول چوک کے ایسے ''اکادکا'' واقعات گناہ کے زمرے میں نہیں آتے کہ ''علماء کی سیرت'' کے منافی ہوں۔یہ سب تکوینی حکمتوں کے تحت ہوتا ہے تاکہ ہر قسم کے حالات میں علمائے ''حق'' اور ''مشائخ عظام'' کا ''اسوہ اور سیرت'' امت کے سامنے آجائے۔

کسی غیر محرم پر اچانک بلا قصد نگاہ پڑ جانا بھی "سہو" کی ایک شکل ہے۔ علماء و فقہاء نے اچانک نگاہ پڑ جانے کو صغیرہ گناہ بھی نہیں کہا۔ کسی کا اس میں اختلاف نہیں کیونکہ خود ارشاد نبوی ہے: "پہلی (اچانک) نظر تجھے معاف ہے اور دوسری کی تیرے لئے گنجائش نہیں"۔

جو حضرات "اکابر" سے منسوب مذکورہ واقعہ کو "توہین اکابر" کی حد تک بے ہودہ قرار دے رہے ہیں وہ بتائیں کہ جو چیز شریعت میں ایک عام "دیوبندی مرید و مقتدی" کے لئے بھی گناہ نہیں ہے، کیا اکابر علماء دیوبند اور مشائخ دیوبند کے لئے گناہ ہو جائے گی، جو چیز صغیرہ گناہ بھی نہیں اس کا "اکابر علماء و مشائخ دیوبند" سے اس کا صدور کیا اکابر کی شان کے خلاف متصور ہوگا؟

ہم دیوبندی ہیں مگر افسوس کہ ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ "اکابر" کے بارے میں نظریہ کیا ہونا چاہئے، ان کی کیا صفات ہیں، کیا امتیازات ہیں، کیا اخلاق و کمالات ہیں، کن چیزوں سے یہ موصوف ہیں۔ ہم میں سے بعض لوگ اپنی ناواقفیت یا "اکابر" کے بارے میں اپنے مخصوص تصورات کی بناء پر ایسے خیالات رکھتے ہیں کہ گویا بشری صفات کو ان کے لئے تسلیم کرنا یا بشری تقاضوں کی بھول کر بھی ان کی طرف نسبت کر دینا ان کے خیال میں توہین "اکابر" ہے۔

"اکابر" سے منسوب مذکورہ واقعہ کے بارے میں اگر کوئی راوی کی اصل "روایت" پڑھے تو شاید روایت کا یہ فقرہ اسے سب سے زیادہ عجیب بلکہ سخت ناگوار محسوس ہوگا کہ "حضرت" صاحب نے جب اپنے تلمیذ رشید کے گھر کے دروازے پر قدم رنجہ فرمایا تو گھر کے صحن میں ننگے سر بیٹھی ان کی خوبصورت بیوی پر نگاہ پڑ جانے کی وجہ سے اس کی "پسندیدگی" حضرت کے دل میں آ گئی۔ ہم اپنی سطحی و جذباتی ذہنیت کی بناء پر کم از کم اس مؤخر الذکر جملے کو ضرور گستاخانہ قرار دے دیتے

مگر کیا کیجئے کہ خود اللہ کے فرمان کے مطابق یہ چیز نبی کے حق میں ناممکن بات نہیں تو اکابر جو غیر معصوم اور غیر محفوظ ہیں ان کے بارے میں کیونکر ناممکن ہو سکتی ہے؟...

اچھی چیز کا اچھا لگنا ایک فطری بات ہے، قلب و نظر کے صحت مند ہونے کی علامت ہے، خوشبو ہر کسی کے مشام کو معطر کرتی ہے اور اگر کسی کو نہیں محسوس ہوتی تو یہ خوبی نہیں،

احساس کی کمزوری شمار ہوگی۔

پس ''اکابر'' کے بارے میں اس روایت کو کس لحاظ سے گستاخانہ کہا جائے گا؟ ایک متاثر کن شخصیت سے متاثر ہونا کوئی انہونی بات ہو سکتی ہے؟ جمال اور بدصورتی میں فرق کر لینا اگر گناہ ہے تو ضرور ''اکابر'' کے بارے میں اس روایت (کہ شاگرد کی خوبصورت برہنہ سر بیوی پر نگاہ پڑ جانے سے اس کی محبت ''حضرت'' صاحب کے دل میں کھب گئی) کو ''اکابر'' کی سیرت کے مخالف قرار دیا جا سکتا ہے اور اگر یہ کوئی گناہ نہیں بلکہ اللہ کی دی ہوئی ان فطری نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے جو کم و بیش ہر انسان کو نصیب ہے تو پھر ''اکابر'' کے بارے اس واقعے کو ''اکابر'' کی توہین پر مبنی قرار دے کر ''راوی'' کو گستاخ قرار دینا بھی غلط ہے۔

اتنا ضرور ہے کہ روایت میں اس ''امکان'' کو واقعاتی شکل میں بیان کیا گیا ہے (کہ حضرت کے دل میں شاگرد کی بیوی کی محبت فی الواقع کھب گئی تھی) یعنی ایسا ہوا تھا۔ ''اکابر'' کی عظمت، خدمات اور شان کے لحاظ سے ہم یقیناً یہی چاہتے ہیں کہ اعلیٰ سے اعلیٰ بات ان کی طرف منسوب ہو، اس لئے حسن ظن کے تحت اکابر کی طرف منسوب اس واقعہ کا انکار کرنا ہی بہتر ہے۔

کیونکہ یہ ایک ضعیف روایت ہے اور دوسری بات یہ کہ اسے جن دو ''بزرگوں'' نے بیان فرمایا ہے محققین کی ''تحقیق'' کے مطابق ان میں سے ایک ''بزرگ'' کمزور حافظے والے، انتہائی ضعیف، روایات کو الٹ پلٹ کرنے والے یعنی مرسل کو مرفوع اور موقوف کو مسند بنا دینے والے نا قابل استدلال تھے بلکہ بعض دفعہ روایت اپنی طرف سے گھڑ بھی لیتے تھے۔ جبکہ ''اکابر'' کی طرف منسوب اس قصے کو بیان کرنے والے دوسرے ''بزرگ'' قصے گھڑنے والے کذاب، تقیہ باز اور مذہب شیعہ کو فروغ دینے والے تھے۔

مگر بشری تقاضے کے تحت نیز اکابر کے غیر معصوم و غیر محفوظ ہونے کا پہلو ملحوظ رکھتے ہوئے ہمارے لئے اس روایت پر سیرت اکابر کے منافی ہونے اور راوی پر توہین اکابر کا حکم لگانے کی بھی گنجائش نہیں رہتی۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ اس بحث کے دو پہلو ہیں۔

1۔ یہ واقعہ ثابت ہے یا نہیں۔ 2۔ یہ واقعہ سیرت ''اکابر'' کے منافی اور گستاخانہ

ہے یا نہیں، اسے نقل و بیان کرنے والے ''توہین اکابر'' کے مرتکب ہیں یا نہیں۔

محققین کے نزدیک یہ واقعہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ راقم بھی ان ہی حضرات کی رائے کا قائل ہے۔ رہا نفس واقعہ کا ''توہین اکابر'' پر مشتمل ہونا تو یہ مسئلہ غور و فکر کا تقاضا کرتا ہے۔

''اکابر'' کی طرف منسوب اصل قصہ بالکل ایک ہی ہے مگر دوسرے (قصے گھڑنے والے کذاب، تقیہ باز اور مذہب شیعہ کو فروغ دینے والے) بزرگ کی روایت میں صرف چند باتیں زیادہ ہیں:....

''اکابر'' سے منسوب دوسرے کذاب ''بزرگ'' کی روایت میں موجود ان چار زائد اجزاء کو لے لیں تب بھی انصاف سے بتایئے کہ ان میں کون سی بات گستاخی والی ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہمیں ''حضرت'' کا حسن سے متاثر ہونا ہی عجیب لگ سکتا ہے مگر اس کے امکان کا ذکر خود قرآنی آیت میں ہے۔ اگر روایت کو گستاخانہ کہا جائے تو اس آیت کا بھی انکار کرنا پڑے گا اور اگر آیت میں کوئی تاویل ہوسکتی ہے تو وہی اس روایت میں بھی مانی جاسکتی ہے۔ اگر قرآن مجید کی بات سچ ہے اور کسی مسلمان کو اس کی صداقت میں شبہ نہیں ہوسکتا تو جو ''اکابر'' سے متعلق دونوں بزرگوں سے روایت میں بیان ہوا ہے وہ بھی نہ محال ہے نہ سیرتِ اکابر کے منافی۔

''اکابر'' سے متعلق دونوں ''بزرگوں'' سے منقول اس قصے کو بڑے بڑے علماء نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ علماء کے ایک گروہ نے ان ''بزرگوں'' پر اعتبار کر کے اس قصے کو صحیح تسلیم کیا ہے کہ فی الواقع ''اکابر'' اپنے شاگرد کی بیوی کی محبت میں مبتلاء ہوئے تھے۔ کیا علماء کا یہ بڑا گروہ ''توہین اکابر'' کا مجرم سمجھا جائے گا؟ جبکہ علماء کا دوسرا قلیل گروہ اس روایت کو سند کی کمزوری کی وجہ سے مسترد کرتا ہے۔ راقم بھی اس دوسرے گروہ کی رائے کو درست سمجھتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے بڑے گروہ کے علماء پر کیچڑ اچھالا جائے۔

قریبی دور کے ایک نامور محقق نے اپنے ملفوظات میں اس واقعے کو ذکر کر کے کہا ہے کہ ''اکابر'' کے بارے میں ایسا قصہ نقل کرنے سے احتراز ضروری ہے لیکن اگر یہ قصہ

درست ہو تو اسے ''اکابر'' کے قلبی میلان پر ہی محمول کیا جائے گا جو انسان کے بس میں نہیں۔

اس بارے میں ''اکابر'' بے بس ہیں اور اس سے کبیرہ گناہ تو کجا صغیرہ گناہ بھی لازم نہیں آتا اور نہ ہی اس میں فی الواقع مبتلا ہو جانا ''اکابر'' کی سیرت کے منافی ہے کیونکہ ''اچھی چیز کا اچھا لگنا یہ ایک فطری بات ہے، قلب ونظر کے صحت مند ہونے کی علامت ہے خوشبو ہر کسی کے مشام کو معطر کرتی ہے اور اگر کسی کو نہیں محسوس ہوتی تو یہ خوبی نہیں، احساس کی کمزوری شمار ہوگی۔ پس ''اکابر'' کے بارے میں کذاب وضعیف راویوں سے منقول اس قصے کو آخر کس لحاظ سے گستاخانہ قرار دیا جائے گا۔

اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ اگر ضعیف اور کذاب راوی بھی ''اکابر'' کے بارے میں اس قسم کا قصہ بیان کریں تو اس قصہ کو علماء کا کوئی قلیل گروہ اگر صحیح نہ بھی سمجھے تو پھر بھی ''اکابر'' کے حق میں اس قصہ کو نہ تو توہین آمیز و ہتک آمیز سمجھا جائے گا اور نہ ہی راویوں پر ''اکابر'' کی گستاخی کا الزام عائد کیا جائے گا کیونکہ بشری تقاضے اور اکابر کے غیر معصوم اور غیر محفوظ ہونے کی بناء پر ''اکابر'' سے اس فعل کے صدور کا امکان بہر حال پایا جاتا ہے۔ جبکہ اکابر کی طرف منسوب قصے میں اکابر کا اس میں فی الواقع مبتلا ہونا بتایا گیا ہے اس کے باوجود نہ تو اس ''قصے'' کو جھوٹا سمجھا جائے گا اور نہ ہی راوی کو اکابر کا گستاخ قرار دیا جائے گا۔

حضرت مفتی صاحب!

(۱۴۱)	کیا مسلک دیوبند سے وابستہ حضرات کے لئے ''اکابر'' سے منسوب مذکورہ تحریر یا قصہ کے اکابر کی شان میں گستاخی قرار نہ دینے کے مذکورہ ''دلائل'' سے اتفاق کرنا ممکن ہے؟

حالانکہ یہ اکابر غیر معصوم ہونے کی وجہ سے صغائر و کبائر میں مبتلا ہو سکتے ہیں اور ان میں کسی برائی کا ''قصد وارتکاب'' دونوں پائے جا سکتے ہیں۔

اگر کوئی دیوبندی عالم اس کے جواب میں یوں ''وضاحت'' فرمادے کہ:

''اکابر سے متعلق قصوں جیسے درجنوں مسائل ہیں کہ دیوبندی مدارس کے حلقوں میں ہی نہیں بلکہ ان کی کتابوں میں بھی ان پر روزانہ بحث ہوتی رہتی ہے۔ کہیں کسی روایت پر سند کے لحاظ سے جرح ہورہی ہوتی ہے، کہیں کسی موقف کو درایت کی روشنی میں مسترد کیا جارہا ہوتا ہے۔ کبھی حضرت نانوتویؒ پر بات ہورہی ہوتی ہے، کبھی حضرت گنگوہیؒ پر، کہیں شیخ الہندؒ کی کسی تحقیق کی تردید ہے تو کہیں حضرت کاشمیریؒ اور حضرت سہارنپوریؒ پر جرح۔ کہیں حضرت مکیؒ کے کسی فعل پر بحث ہے تو کہیں حضرت تھانویؒ اور حضرت مدنیؒ کے اعمال وافعال کا تقابل مگر کہیں آپ یہ نہیں دیکھیں گے کہ اکابر میں سے کسی کو... یہ یہ کچھ کہا جاتا ہو''

(مفہوم مستفاد از روزنامہ اسلام 11 اگست 2015ء)

حضرت مفتی صاحب!

(۱۴۲)	کیا ''جمہور دیوبندی حضرات'' مذکورہ وضاحت سے مطمئن ہوجائیں گے؟

اکابر علماء دیوبند کی طرف منسوب چند صحیح واقعات

یہ تو ہوا خیر ایک ضعیف، کذاب اور غیر معتبر راوی کی روایت پر تبصرہ۔ اگر آج کوئی دیوبندی عالم کسی دیوبندی عالم باعمل، انتہائی ثقہ، معتبر، صادق و امین اور ولی کامل پیر طریقت کی کتب سے اکابر کی سیرت کے بارے میں چند ''پہلو'' پاکستان کے مختلف شہروں سے بیک وقت شائع ہونے والے کسی قومی اخبار (روزنامہ اسلام کے علاوہ کیونکہ یہ اخبار منافی عصمت انبیاء اور مبنی بر توہین روایات تو من وعن نقل کر کے ان کا پورا پورا دفاع بھی کرسکتا ہے لیکن اکابر سے متعلق ایسا سوچنا بھی ...توبہ...توبہ) میں شائع کرادے تو کیا دیوبندی حلقے میں کوئی بھونچال نہیں آئے گا؟

روزنامہ اسلام میں شائع ہونے والے مضمون سے ''مفہوم اور الفاظ'' مستعار لے کر اکابر کے بارے میں نیچے ایک فرضی ''قصہ'' لکھا گیا ہے۔

اب آپ کے ملاحظہ کے لئے حضرت گنگوہیؒ، حضرت نانوتوی، حضرت مدنیؒ اور

حضرت لاہوریؒ سے متعلق حقائق پر مبنی صرف چند مثالیں ان ''راویوں'' کے حوالے سے پیش کی جارہی ہیں جنہیں علماء دیوبند کے ''ائمہ رجال'' نے بالاتفاق ''ثقہ، قابل اعتبار، قابل حجت اور مرجع'' قرار دیا ہے مگر ''مثالوں'' سے پہلے مختصراً ان کا بلند مقام پیش خدمت ہے:

حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ دونوں حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے مرید اور ''سلاسل اربعہ میں ان کے خلیفہ اور مجاز ہیں''۔ حضرت حاجی صاحبؒ کے مقام کا اندازہ حضرت گنگوہیؒ کے حسب ذیل ''القابات'' سے لگایا جاسکتا ہے:

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے یہی واقعہ اپنی کتاب میں بایں الفاظ نقل فرمایا ہے: ''اس جگہ دو واقعے اپنے اکابر کے نمونہ کے لیے لکھنے کو دل چاہتا ہے۔ ایک تو وہ مکتوب گرامی جو شیخ المشائخ، قطب الارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہ نے اپنے مرشد شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اعلی اللہ مراتبہ کی خدمت میں لکھا جو مکاتیب رشیدیہ میں طبع بھی ہو چکا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں...

(ملاحظہ ہو: فضائل صدقات حصہ اول ص ۵۵۷-۵۵۸)

حضرت گنگوہیؒ نے اپنی کتاب ''امداد السلوک'' میں اپنے شیخ حضرت مکی کو حسب ذیل ''القاب'' سے یاد فرمایا ہے:

"وبنام نامی واسم سامی وافتخار المشائخ الاعلام مرکز الخواص والعوام، منبع البرکات القدسیة، مظهر الفیوضات المرضیة، معدن المعارف الالهیة، مخزن الحقائق لجمع الدقائق، سراج اقرانه، قدوة اهل زمانه، سلطان العارفین، ملك التارکین، غوث الکاملین، غیاث الطالبین الذی کلت السنة الاقلام عن مدائحه البالغة واعجزت التوصیف شمائله الکرام الساطعة یغبط الاوّلون والآخرون من شعاره ویحسده الفاجرون والغافلون، من دثاره مرشدی، معتمدی، وسیلة یومی وغدی، مولای و معتقی، سیدی وسندی، الشیخ، الحاج، المشتهر بامداد الله، الفاروقی، التهانوی سلمه الله تعالی بالارشاد والهدایة و ازال

بذاته المطهرة الضلالة والغواية__الخ

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی ان ''القاب'' کی توثیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''صاحبو!اس عبارت کے الفاظ و معانی پر غور کرو اور بنظر انصاف فرماؤ کہ فرقہ وہابیہ کیا اس قسم کے الفاظ اور اس قسم اور اس نوع کے اعتقادات کسی کی نسبت رکھتے ہیں یا نہیں؟اس عبارت سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ حضرت قطب العالم حاجی امداداللہ قدس سرہ العزیز کی جتنی تصانیف وعقائد ہیں ان کے حضرت مولانا گنگوہیؒ بالکل موافق اور متبع ہیں اور وہی عقائد رکھتے ہیں کہ جن کے ذریعہ سے دھبہ وہابیت بالکل زائل ہے۔رسالہ امدادالسلوک کا صفحہ صفحہ اور سطر سطر پوری دلیل اور قوی برہان حضرت مولانا قدس سرہ العزیز کے ربانی، سنی اور حنفی ولی کامل ہونے کی ہے اگر ان کو نقل کیا جائے تو دفتر طویل ہو جائے....''(الشهاب الثاقب على المسترق الكاذب ص ۲۰۲)

حضرت حاجی صاحبؒ حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''جو آدمی اس فقیر سے محبت اور عقیدت رکھتا ہے، مولوی رشید احمد صاحب سلمہ اور مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ کو جو تمام کمالات علوم ظاہری اور باطنی کو جامع ہیں بجائے میرے بلکہ مجھ سے بڑھ کر جانے۔اگر چہ معاملہ برعکس ہے وہ بجائے میرے اور میں بجائے ان کے ہوتا...(مشاہیر علمائے دیوبند جلد اول ص 556۔مرتبہ ڈاکٹر بریگیڈیئر ریٹائرڈ قاری فیوض الرحمٰن صاحب)

''اگر حق تعالیٰ مجھ سے دریافت کرے گا کہ امداداللہ کیا لے کر آیا تو مولوی رشید احمد اور مولوی محمد قاسم کو پیش کر دوں گا کہ یہ لے کر آیا ہوں۔''(حوالۂ مذکور)

یہی نہیں بلکہ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں:

''حق تعالیٰ اپنے بندوں کو جو اصلاحی عالم نہیں ہوتے ایک لسان (زبان) عطا کرتے ہیں چنانچہ حضرت شمس تبریزی کو مولانا رومی لسان عطا ہوئے تھے جنہوں نے شمس تبریز کے علوم کو کھول کھول کر بیان فرما دیا۔اسی طرح مجھ کو مولوی محمد قاسم لسان عطا ہوئے۔''...

(سوانح قاسمی یعنی سیرت خمس الاوسط حصہ اول ص 294۔مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

ایک مرتبہ حضرت گنگوہیؒ کسی مسئلہ کے بارے میں حضرت تھانویؒ سے ناراض ہوئے تو انہوں نے ایک خط کے ذریعے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے فرمایا:

"انی واللہ قد رضیت باللہ رباً وبالاسلام دینا وبمحمد نبیًا وبشیخی امداد اللہ للعالمین مرشدا وولیًا وبکم یامولانا(رشید احمد گنگوھی) ھادیاً مھدیاً ..."

(تذکرۃ الرشید جلد اول ص 169 مؤلفہ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی۔مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور۔کراچی۔جون 2012ء)

حضرت گنگوہی نے کئی مرتبہ بحیثیت تبلیغ یہ الفاظ فرمائے:

"سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور میں بقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر اس زمانہ میں ہدایت ونجات موقوف ہے میرے اتباع پر" (حوالہ مذکور جلد دوم ص 35)

ایک افسر، حکومت کے خوف سے اپنی "مشکل" لے کر حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ کے پاس گیا۔موصوف نے افسر سے وطن دریافت فرمایا۔انہوں نے عرض کیا "دیوبند" مولانا نے تعجب کے ساتھ فرمایا:

گنگوہ حضرت مولانا (گنگوہیؒ) کی خدمت میں قریب تر کیوں نہ گئے، اتنا دراز سفر کیوں اختیار کیا؟ انہوں نے عرض کیا: حضرت یہاں مجھے عقیدت لائی ہے۔مولانا نے ارشاد فرمایا: تم گنگوہ ہی جاؤ تمہاری مشکل کشائی حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ ہی کی دعاء پر موقوف ہے۔ میں اور تمام روئے زمین کے اولیاء بھی اگر دعا کریں گے تو نفع نہ ہوگا..." (حوالہ مذکور ص 275)

مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب میرٹھی لکھتے ہیں کہ:

"جس زمانہ میں مسئلہ امکانِ کذب پر آپ کے مخالفین نے شور مچایا اور تکفیر کا فتویٰ شائع کیا ہے، سائیں توکل شاہ صاحب انبالوی کی مجلس میں کسی مولوی نے حضرت امام ربانی قدس سرہ کا ذکر کیا اور کہا کہ وہ امکان کذب باری کے قائل ہیں، یہ سن کر توکل شاہ صاحب نے گردن جھکالی اور تھوڑی دیر مراقب رہ کر منہ اوپر اٹھا کر اپنی پنجابی زبان میں یہ الفاظ فرمائے! لوکو تم کیا کہتے ہو؟

مولانا رشید احمد صاحب کا قلم عرش کے پرے چلتا ہوا دیکھ رہا ہوں'' (حوالۂ مذکور ص 402)

''ایک شخص پنجاب کے باشندے نہایت دیندار اور صالح تھے ان کو بیعت کا خیال ہوا اور کئی دن متفکر رہے کہ کدھر جاؤں اور کہاں بیعت کروں، ایک شب اسی سوچ میں سو گئے دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہیں اور حضرتؐ ان سے ارشاد فرماتے ہیں کہ تم مولوی رشید احمد ہندی سے بیعت کرو ان سے بہتر اس وقت کوئی نہیں ہے...'' حوالۂ مذکور ص 392)

مولانا عاشق الٰہی لکھتے ہیں کہ ''میں یہ نہیں کہتا کہ معاذ اللہ امام ربانی نبی اور معصوم تھے یا یہ کہ آپ سے خطاء و زلت نہیں ہو سکتی تھی، حاشا وکلا۔ مگر ہاں یہ ضرور کہوں گا کہ سردار عالم پیشوائے امت پیغمبر کے فرمان مخلص اور کامل فرمان بردار جس کو حق تعالیٰ نے زمانہ کا ہادی اور امام بنا کر بھیجا ہو... وہ اس زمانہ میں ہندوستان کے اندر صرف امام ربانی قدس سرہ کا نفس اور ایک دَم تھا جس کی نظیر میرے علم میں دوسری نہیں تھی۔'' (حوالۂ مذکور ص 33)

مولانا رفیع الدین صاحب فرماتے تھے کہ میں پچیس برس حضرت مولانا نوتویؒ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور کبھی بلا وضو نہیں گیا۔ میں نے انسانیت سے بالا درجہ ان کا دیکھا وہ شخص ایک فرشتہ مقرب تھا جو انسانوں میں ظاہر کیا گیا۔ (ارواحِ ثلاثہ المعروف بہ حکایات اولیاء ص 220 مرتبہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی 1976ء۔ تحت حکایت نمبر 241)

یہ ملحوظ رہے کہ پاکستان میں مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی نظر ثانی اور ترمیم و تصحیح کے اہتمام کے ساتھ یہ کتاب شائع ہوئی ہے۔

حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ اور چند دوسرے افراد کے ساتھ حج کے سفر پر گئے:

''راستہ میں جو کچھ بھی ملتا وہ سب ان لوگوں (یعنی ہمراہیوں) کو دے دیتے اور ساتھیوں نے کہا حضرت آپ تو سب ہی دے دیتے ہیں کچھ تو اپنے پاس رکھیے تو فرمایا: ''انما انا قاسم واللہ یعطی'' (حوالۂ مذکور ص 270 تحت حکایت نمبر 313)

مولانا عاشق الٰہی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''ایک دن مولوی امیر شاہ خان صاحب نے حضرت قدس سرہ (گنگوہیؒ) سے ایک قصہ بیان کیا کہ میں ایک روز مسجد حرام میں ایک بزرگ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ان کے پاس ایک نوعمر درویش آئے اور بیٹھ گئے، وہ بزرگ جن کے پاس میں بیٹھا ہوا تھا اس درویش کی طرف مخاطب ہوکر کہنے لگے کہ بھائی تمہارے قلب میں ایک عورت کی شبیہ ہے، اس کی ناک ایسی ہے اور آنکھیں ایسی ہیں اور بال ایسے ہیں غرض تمام حلیہ بیان کر دیا۔

اس وقت وہ درویش بہت نادم ہوئے اور اقرار کیا کہ بے شک آپ سچ فرماتے ہیں۔ ابتدائے جوانی میں مجھے ایک عورت سے عشق ہو گیا۔ ہر وقت اس کے دھیان میں رہنے سے اس کی شبیہ میرے قلب میں آ گئی ہے اب جب کبھی طبیعت بے قرار ہوتی ہے تو آنکھ بند کر کے اس کو دیکھ لیتا ہوں کچھ سکون ہو جاتا اور طبیعت ٹھہر جاتی ہے۔

مولوی امیر شاہ خان صاحب یہ قصہ بیان کر کے منتظر رہے کہ حضرت کچھ ارشاد فرماویں گے (بار بار پوچھنے کے بعد) فرمایا: بھائی یہ کچھ زیادہ غلبہ نہیں ہے کیونکہ ان کو آنکھیں بند کرنے اور قلب کی طرف متوجہ ہونے کی نوبت پہنچتی تھی۔

میرا حضرت حاجی صاحبؒ کے ساتھ برسوں یہ تعلق رہا ہے کہ بغیر آپ کے مشورہ کے میری نشست و برخاست نہیں ہوئی حالانکہ حاجی صاحبؒ مکہ میں تھے اور اس کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہی تعلق برسوں رہا ہے۔ اس کے بعد___ اتنا فرما کر آپ خاموش ہو گئے کچھ نہ فرمایا اور دیر تک ساکت و سرنگوں رہے۔

مطلب ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی اجازت کے بغیر نہ حرکت ہوتی ہے نہ سکون۔''

(تذکرۃ الرشید جلد دوم ص 252-253)

آپ کی مجلس مبارک کو غور کر کے دیکھا ہے تو نمونہ محفل سرور عالمؐ پایا...

آپ کے مزاج میں صداقت کی شان چونکہ جلوہ گر تھی اس لئے نبوی مزاج کا پورا نمونہ تھا...

یہ نمونہ ہے عادات و معمولات اور شمائل و خصائل میں سرور کائناتؐ کے اتباع تام اور

اقتدائے کامل کا جو حق تعالیٰ نے حضرت امام ربانی کو عطا فرمایا تھا۔ (حوالۂ مذکور ص92،100،111)

مولانا عاشق الٰہی صاحب کو یہ کتاب لکھنے کے دوران کسی نے اپنا خواب بتایا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح لکھی جارہی ہے۔ایک بزرگ نے اس کی یہ تعبیر دی کہ معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کے کسی کامل متبع کی سوانح کا اہتمام ہورہا ہے۔پس مبارک ہو کہ یہ منامی بشارت تیرے ہاتھوں پوری ہورہی ہے۔" (حوالۂ مذکور جلد اول ص24)

"ایک بار (حضرت گنگوہیؒ نے) ارشاد فرمایا: میں نے ایک بار خواب دیکھا تھا کہ مولوی محمد قاسم صاحب عروس کی صورت میں ہیں اور میرا ان سے نکاح ہوا ہے۔جس طرح زن وشوہر میں ایک دوسرے سے فائدہ پہنچتا ہے اسی طرح مجھے ان سے اور انہیں مجھ سے فائدہ پہنچا ہے۔

انہوں نے حضرت (مکیؒ) کی تعریف کر کے ہمیں مرید کرایا اور ہم نے حضرت سے سفارش کر کے انہیں مرید کرادیا۔حکیم محمد صدیق صاحب کاندھلوی نے کہا: "اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاء" آپ نے فرمایا: ہاں آخر ان کے بچوں کی تربیت کرتا ہی ہوں۔" (حوالۂ مذکور ص362۔363)

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں:

"حضرت والد ماجد مولانا حافظ محمد احمد صاحب وعم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے یوں بیان فرمایا کہ:

ایک دفعہ گنگوہ کی خانقاہ میں ایک مجمع تھا۔حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ کے مرید وشاگرد سب جمع تھے اور یہ دونوں حضرات بھی وہیں مجمع میں تشریف فرما تھے کہ حضرت گنگوہیؒ نے حضرت نانوتویؒ سے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا: کہ یہاں ذرا لیٹ جاؤ۔حضرت نانوتویؒ کچھ شرما سے گئے،مگر حضرت نے پھر فرمایا تو بہت ادب کے ساتھ چت لیٹ گئے۔

حضرت بھی اسی چارپائی پر لیٹ گئے اور مولانا کی طرف کو کروٹ لے کر اپنا ہاتھ ان کے سینے پر رکھ دیا جیسے کوئی عاشق صادق اپنے قلب کو تسکین دیا کرتا ہے۔مولانا (نانوتویؒ)

ہر چند فرماتے ہیں کہ میاں کیا کررہے ہو؟ یہ لوگ کیا کہیں گے؟ حضرت نے فرمایا کہ لوگ کہیں گے کہنے دو۔'' (ارواح ثلاثہ المعروف بہ حکایات اولیا ص 264)

''مولانا منصور علی خان صاحب، حضرت نانوتویؒ کے تلامذہ میں سے تھے۔طبیعت کے بہت پختہ تھے اس لئے جدھر طبیعت مائل ہوتی تھی پختگی اور انہماک کے ساتھ ادھر جھکتے تھے۔انہوں نے اپنا واقعہ خود بھی مجھ سے نقل فرمایا: کہ مجھے ایک لڑکے سے عشق ہو گیا اور اس قدر اس کی محبت نے طبیعت پر غلبہ پایا کہ رات دن اسی کے تصور میں گزرنے لگے۔میری عجیب حالت ہو گئی۔تمام کاموں میں اختلال ہونے لگا۔حضرت (نانوتویؒ) کی فراست نے بھانپ لیا لیکن سبحان اللہ تربیت و نگرانی اسے کہتے ہیں کہ نہایت بے تکلفی کے ساتھ حضرت نے میرے ساتھ دوستانہ برتاؤ شروع کیا اور اسے اس قدر بڑھایا کہ جیسے دو یار آپس میں بے تکلف دل لگی کیا کرتے ہیں یہاں تک کہ خود ہی اس محبت کا ذکر چھیڑا،فرمایا کہ ہاں بھائی وہ (لڑکا) تمہارے پاس کبھی آتے بھی ہیں یا نہیں، میں شرم و حجاب سے چپ رہ گیا تو فرمایا کہ نہیں بھائی یہ حالات تو انسان ہی پر آتے ہیں۔اس میں چھپانے کی کیا بات ہے؟ غرض اس طریق سے مجھ سے گفتگو کی کہ میری زبان سے اس کی محبت کا اقرار کرا لیا اور کوئی خفگی و ناراضگی نہیں ظاہر کی بلکہ دلجوئی فرمائی۔اس مخصوص بے تکلفی کے آثار اب مجھ پر ظاہر ہونا شروع ہوئے۔میں ایک دن تنگ آ گیا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ محبت میری رگ و پے میں سرایت کر گئی، مجھے تمام امور سے بے کار کر دیا، کیا کروں، کہاں جاؤں؟

آخر عاجز آ کر دوڑا ہوا حضرت کی خدمت میں پہنچا اور مؤدب عرض کیا کہ للہ میری اعانت فرما دیجئے، میں تنگ آ گیا اور عاجز آ چکا ہوں۔ایسی دعا فرمایئے کہ اس لڑکے کا خیال تک میرے قلب سے محو ہو جائے تو ہنس کر فرمایا: کہ بس مولوی صاحب کیا تھک گئے؟ بس جوش ختم ہو گیا؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں سارے کاموں سے بے کار ہو گیا، نکما ہو گیا۔اب مجھ سے یہ برداشت نہیں ہو سکتا خدا کے لئے میری امداد فرمایئے۔

فرمایا: بہت اچھا۔بعد مغرب جب میں نماز سے فارغ ہوں تو آپ موجود رہیں۔

میں نماز مغرب پڑھ کر چھتہ کی مسجد میں بیٹھا رہا۔

جب حضرت صلوٰۃ الاوابین سے فارغ ہوئے تو آواز دی مولوی صاحب! میں نے عرض کیا: حضرت حاضر ہوں۔ میں سامنے حاضر ہوا اور بیٹھ گیا۔ فرمایا کہ: ہاتھ لاؤ۔ میں نے ہاتھ بڑھایا۔ میرا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر میری ہتھیلی کو اپنی ہتھیلی سے اس طرح رگڑا جیسے بان بٹے جاتے ہیں۔

خدا کی قسم میں نے عیاناً دیکھا کہ میں عرش کے نیچے ہوں اور ہر چہار طرف سے نور اور روشنی نے میرا احاطہ کرلیا ہے۔ گویا میں دربار الٰہی میں حاضر ہوں۔ میں اس وقت لرزاں اور ترساں تھا کہ ساری عمر مجھ پر یہ کپکپی اور خوف طاری نہ ہوا تھا۔ میں پسینہ پسینہ ہوگیا اور بالکل خودی سے گزر گیا اور حضرت برابر میری ہتھیلی پر اپنی ہتھیلی پھیر رہے ہیں۔ جب ہتھیلی پھیرنا بند فرمایا تو یہ حالت بھی فرو ہوگئی۔ فرمایا: جاؤ، میں اٹھ کر چلا آیا۔ دو ایک دن کے بعد حضرت نے پوچھا کہ مولوی صاحب کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت اس لڑکے کا تصور یا عشق تو کجا، دل میں اس لڑکے کی گنجائش تک باقی نہیں رہی۔ فرمایا: اللہ کا شکر کرو۔ والحمدللہ علی ذلک (حوالہ مذکور ص 225۔227)

"مولانا فیض الحسن صاحب حضرت نانوتویؒ کے ہم عصر تھے اور بہت ہی زیادہ بے تکلف تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے غایت بے تکلفی میں ہم عصرانہ طریق پر حضرت نانوتویؒ کو فرمایا: بے جا گنوار کے لونڈے۔ تجھے ان چیزوں (علوم) سے کیا واسطہ تو جا کر ہل جوت کھیتی کر۔

حضرت نے ہنس کر جواب دیا۔ ایک بھینسا تو موجود ہے (اشارہ تھا مولانا فیض الحسن صاحب کی طرف کہ مولانا سیاہ فام اور بدن کے موٹے اور دوہرے تھے) دوسرا ہو جائے گا تو ہل جڑے گا۔

ایک دفعہ چھتے کی مسجد مولانا فیض الحسن صاحب استنجا کے لئے لوٹا تلاش کر رہے تھے اور اتفاق سے سب لوٹوں کی ٹونٹیاں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ فرمانے لگے کہ تو یہ سارے لوٹے مختون ہی ہیں۔ حضرت نے ہنس کر فرمایا کہ: پھر آپ کو تو بڑا استنجا نہیں کرنا ہے۔ (گویا مختون سے کیا ڈر ہے؟) (حوالۂ مذکور ص 220۔221۔حکایت نمبر 243۔242)

''ایک دفعہ نبو پہلوان نے جو دیوبند کا رہنے والا تھا باہر کے کسی پہلوان کو پچھاڑ دیا تو مولانا محمد قاسم صاحب کو بڑی خوشی ہوئی اور فرمایا کہ: ہم بھی نبو کو اور اس کے کرتب کو دیکھیں گے حافظ انوار الحق کی بیٹھک میں اس کو بلایا اور سب کرتب بھی دیکھے۔

مولانا بچوں سے ہنستے بولتے بھی تھے اور جلال الدین صاحبزادہ مولانا محمد یعقوب صاحب سے جو اس وقت بالکل بچے تھے، بڑی ہنسی کیا کرتے تھے، کبھی ٹوپی اتارتے، کبھی کمر بند کھول دیتے تھے'' (حوالۂ مذکور ص 245-246 تحت حکایت نمبر 276)

''خان صاحب نے فرمایا کہ مجھ سے مولانا نانوتویؒ بیان فرماتے تھے کہ نواب قطب الدین خان صاحب بڑے پکے مقلد تھے اور مولوی نذیر حسین صاحب پکے غیر مقلد ان میں آپس میں تحریری مناظرے ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی جنگل میں میری زبان سے یہ نکل گیا کہ اگر کسی قدر نواب صاحب ڈھیلے ہو جائیں اور کسی قدر مولوی نذیر حسین اپنا تشدد چھوڑ دیں تو جھگڑا مٹ جاوے۔

میری اس بات کو کسی نے نواب قطب الدین خان صاحب تک بھی پہنچا دیا اور مولوی نذیر حسین صاحب تک بھی۔ مولوی نذیر حسین صاحب تو سن کر ناراض ہوئے مگر نواب صاحب پر یہ اثر ہوا کہ جہاں میں ٹھہرا ہوا تھا میرے پاس تشریف لائے اور آ کر میرے پاؤں پر عمامہ ڈال دیا اور پاؤں پکڑ لئے اور رونے لگے اور فرمایا: بھائی جس قدر میری زیادتی ہو خدا کے واسطے تم مجھے یہ بتلا دو، میں سخت نادم ہوں۔ اور مجھ سے بجز اس کے کچھ بن نہ پڑا کہ میں جھوٹ بولوں، لہٰذا میں نے جھوٹ بولا اور صریح جھوٹ میں نے اسی روز بولا تھا اور کہا کہ حضرت! آپ میرے بزرگ ہیں۔ میری کیا مجال تھی کہ میں ایسی گستاخی کرتا۔ آپ سے کسی نے غلط کہا ہے۔ غرض میں نے بمشکل ان کے خیال کو بدلا اور بہت دیر تک وہ بھی روتے رہے اور میں بھی روتا رہا'' (حوالۂ مذکور ص 342-343 حکایت نمبر 390)

''فرمایا کہ حاجی صاحبؒ یہاں (یعنی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ میں) تشریف رکھتے تھے تو ایک کھپالی میں کچھ چنے کچھ کشمش ملی ہوئی رکھتے تھے۔ صبح کے وقت مولانا شیخ محمد صاحبؒ

اور حافظ محمد ضامن صاحبؒ اور حضرت حاجی صاحبؒ ساتھ مل کر کھایا کرتے تھے اور آپس میں خوب چھینا جھپٹی ہوا کرتی تھی، بھاگے بھاگے پھرتے تھے۔اس وقت سے مشائخ اس مسجد کو دکانِ معرفت کہتے تھے اور ان تینوں کو اقطابِ ثلاثہ۔

حضرت حاجی صاحبؒ دہلی کے شہزادوں میں علماء میں بزرگ مشہور تھے مگر پیر بھائیوں سے چھینا جھپٹی کرتے تھے۔"(حوالہ مذکور ص 172-173 تحت حکایت نمبر 177)

قاضی مظہر حسین صاحب کی وفات کے بعد ''تحریک خدام اہل سنت پاکستان'' نے موصوف کی یاد میں ماہنامہ حق چار یار(مارچ/اپریل ۲۰۰۵ء) کا ۱۳۸۴ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم نمبر شائع کیا جس میں موصوف کو" مقام صدیقیت، حالتِ احسان، فنافی اللہ، فنافی الرسول، فنافی العلم، مظہر شریعت وطریقت، امام اہل سنت، مجدد العصر، سلطان العارفین، غزالی دوراں، رئیس المتکلمین، اسوۃ الصلحاء، قدوۃ العلماء'' بلکہ ''پیغمبری'' کے علاوہ ہر منصب عطا کیا گیا ہے۔چنانچہ شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ اپنے ایک خط میں فرماتے ہیں کہ:

''جو حالات آپ نے تحریر فرمائے ہیں ان کے ہوتے ہوئے افسوس کرنا، معاف فرمائیں میرے نزدیک کفرانِ نعمت الٰہیہ ہے۔آپ ذکر قلبی بھی کرتے ہیں اور ذکر لسانی بھی۔اور یہ بھی امید ہے کہ ذکر تمام بدن پر مستولی ہو جائے۔پھر آپ کا جو فرضِ منصبی ہے کہ گمراہوں کو راہِ ہدایت پر لائیں، وہ بھی آپ ادا کرتے ہیں۔اس کے بعد آپ اور کیا چاہتے ہیں؟اب اور چاہتے کیا ہو؟پیغمبری مل جائے؟خدا کا شکر ادا کیجیے۔آپ کی یہ حالت ہم جیسے ناکاروں کے لیے غبطہ کے قابل ہے۔''(ص۹۰۲)

قارئین کرام!اس یادگار نمبر کے ص ۴۸ پر مولانا محمد شہاب الدین پوپلزئی و جملہ رفقاء عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پشاور کی طرف سے حسب ذیل ''دعا'' ملاحظہ فرمائیں:

اے اللہ!......ہمیں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کے قافلہ حسینی کے آخری شہسوار، خلیفہ مجاز، پاسبان عقائد اہل سنت والجماعت، وکیل

صحابہؓ قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر چلا:

☆جنہیں دانائی و دوراندیشی شیخ الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے وراثت میں ملی۔

☆جو علم و حکمت میں قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے عکس جمال تھے۔

☆جو تفقہ و استقامت میں قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے پرتو تھے۔

☆جو سیاسی بصیرت میں اسیر مالٹا شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن کی سیاست کے امین تھے۔

☆جو، جود و سخا اور مدح صحابہ میں اپنے مرشد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے جانشین تھے۔

☆جو تفکر و تدبر میں مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کا نمونہ تھے۔

☆جو فقر و استغناء میں محدث کبیر حضرت مولانا میاں اصغر حسین کے سہیم تھے۔

☆جو ایثار و قربانی میں فکر ولی اللہی کے امین حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کے مثیل تھے۔

☆جو ولولۂ جہاد اور حمیت دینی میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے رفیق تھے۔

☆جو حلم و شفقت میں امام التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے نعم البدل تھے۔

☆جو پیری میں احقاق حق کے لیے اسیری گزار کر یہ ثابت کر گئے کہ وہ بزم حسین احمد کے حقیقی نمائندہ تھے۔

ہے بزم حسین احمدؒ سے یہاں ہنگامۂ گیر و دار بپا (حق چار یار قائد اہل سنت نمبر ص ۴۸)

حضرت قاضی صاحب شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خلیفہ مجاز ہیں۔حسب ذیل واقعہ سے حضرت مدنیؒ کے اعلیٰ و ارفع مقام کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔پاکستان شریعت کونسل پنجاب کے جنرل سیکرٹری اور سپاہ صحابہؓ پاکستان کے سابق صوبائی صدر مولانا محمد نواز بلوچ ، مرتب قائد اہل سنت نمبر، حافظ زاہد حسین رشیدی داماد حضرت مولانا قاضی مظہر حسین کے نام اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ:

آپ کا مکتوب گرامی اس سے قبل ملا تھا لیکن اس فکر نے کچھ نہ کرنے دیا کہ میرے جیسا طالب علم اتنے بڑے متبحر عالم جو شیخ العرب مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خلیفہ ہوں وہ شیخ العرب والعجم جن کے بارے میں بقول استاذی مفتی محمد عیسیٰ صاحب گوجرانوالہ،حضرت شیخ التفسیر امام الاولیاء مولانا احمد علی لاہوریؒ فرماتے تھے:

میرا جی چاہتا ہے کہ داڑھی کو کنگھی کرتے وقت جو بال جھڑتے ہیں یہ بال میں اس موچی کو دوں جو سید حسین احمد مدنیؒ کے جوتے بناتا ہے تاکہ وہ دھاگے کی جگہ میرے یہ بال استعمال کرے۔

ان (حضرت مدنیؒ) کا وکیل صحابہؓ فاتح مذاہب باطلہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ کو خلافت کا عمامہ باندھنا ان کے مقام کا مظہر ہے، تو میرے جیسا طالب علم ان کے بارے میں کیا تحریر کرسکتا ہے؟ لیکن جب آپ کا دوبارہ مکتوب گرامی آیا ہے تو شرمندگی سے بچنے کے لیے معروضات عرض کیے دیتا ہوں۔'' (حق چار یار قائد اہل سنت نمبر ص ۸۴۸ تحت عنوان ''حق وصداقت کے مظہر)

حضرت لاہوریؒ نے اگر ''فی الواقع'' اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا ہے تو اس سے بڑھ کر داڑھی (جو سنت نبوی ہی نہیں بلکہ سنت انبیاء بھی ہے) کی اور کیا توہین ہو سکتی ہے؟

مگر اس روایت پر ''یقین'' کیے بغیر بھی کوئی چارہ نہیں کیونکہ اس کی سند میں تین جید علماء کرام تشریف فرما ہیں: ا۔مدرسہ نصرت العلوم کے صدر مفتی مولانا عیسیٰ خان ۲۔پاکستان شریعت کونسل پنجاب کے جنرل سیکرٹری مولانا محمد نواز بلوچ ۳۔مولانا حافظ زاہد حسین رشیدی۔اس طرح یہ راوی حضرات بھی ''سنت نبویﷺ'' کی توہین میں برابر کے شریک ہو گئے۔

اور اگر حضرت لاہوریؒ نے یہ نہیں فرمایا تو پھر ان پر علماء کرام کی طرف سے یہ بہتان عائد کیا گیا ہے۔لیکن ایک دوسرے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لاہوریؒ سے اس طرح کے ''ارشادات'' کچھ بعید بھی نہیں ہیں۔چنانچہ مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ روایت فرماتے ہیں کہ:

''حضرت لاہوریؒ کی حضرت مدنیؒ سے عقیدت کا تو یہ حال تھا کہ ایک دفعہ دار العلوم اسلامیہ پرانی انارکلی لاہور میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی تقریر ہوئی۔میں بھی ان دنوں لاہور میں تھا اور جلسہ میں حاضر ہوا۔

حضرت قاری صاحب کی تقریر سے پہلے حضرت قاری صاحب کے ساتھ ہی حضرت لاہوری نے کرسی پر بیٹھ کر مختصر تقریر فرمائی اور اس میں فرمایا کہ:

''حضرت مدنی کے جوتوں میں جو علم ہے وہ احمد علی کے دماغ میں نہیں''

(حضرت قاضی صاحب اس توہین آمیز جملہ کی تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ)

یہاں یہ ملحوظ رہے کہ علم سے مراد یہاں برکات ہیں کیونکہ حضرات اہل اللہ کے ساتھ جن چیزوں کا تعلق ہو جائے ان میں معنوی برکات آجاتی ہیں۔''(ماہنامہ حق چاریار جولائی تا نومبر ۱۹۹۸ء ص ۵۷۔مولانا عبداللطیف جہلمی نمبر)

حضرت قاضی صاحب یہی واقعہ اپنے ایک دوسرے مضمون میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''جمعیت علماء کے اجلاس میں جب حضرت مدنی تشریف فرما ہوتے تھے تو میں (احمد علی) آپ کے احترام میں تین تین، چار چار گھنٹے دوزانو بیٹھا رہتا تھا اور بار ہا فرمایا کہ:

مجھے غالباً چودہ مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری نصیب ہوئی ہے۔میں نے حضرت مدنی جیسا بزرگ (ولی اللہ) کہیں نہیں پایا اور ایک مرتبہ پرانی انارکلی بازار کے مدرسہ میں رات کو حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب کی تقریر کا پروگرام تھا بندہ بھی ان دنوں لاہور میں تھا ، جلسہ میں حاضر ہوا۔حضرت قاری صاحب کی موجودگی میں ان کی تقریر سے پہلے حضرت لاہوری نے تھوڑی دیر تقریر فرمائی اور دورانِ تقریر فرمایا کہ:

''حضرت مدنی کے جوتوں میں جو علم ہے وہ احمد علی کے دماغ میں نہیں ہے۔''

(قاضی صاحب اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ)اس سے مراد بفضلہٖ تعالیٰ وہ برکات ہیں جو حضرت مدنی سے متعلقہ ہر چیز میں سرایت کرتی ہیں۔''

(ماہنامہ حق چاریار ص ۵۹۔مولانا امین صفدر اوکاڑوی نمبر۔اپریل ۲۰۰۱ء)

حضرت لاہوری کے اس ''ارشاد'' میں بھی ''علم'' (جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے) کی توہین پائی جاتی ہے کیونکہ علم جیسی اعلیٰ وارفع صفت کا محل ''جوتوں'' کو قرار دیا گیا ہے جب کہ قاضی صاحب کی ''تاویل ، توجیہ وتوضیح'' بالکل فاسد وباطل ہے اور ''توجیہ القائل....'' کے زمرہ میں بھی نہیں آتی۔

حضرت مفتی صاحب!

حضرت گنگوہیؒ، حضرت نانوتویؒ، حضرت مدنیؒ اور حضرت لاہوریؒ سے متعلق اوپر جو چند واقعات بیان کئے گئے ہیں ان کے راوی علمائے دیوبند کے نزدیک انتہائی ثقہ ہیں (یعنی مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اور بانی تحریک خدام اہلسنت مولانا قاضی مظہر حسین)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے متعلق تو خود حضرت میرٹھی لکھتے ہیں کہ:

''واللہ العظیم! مولانا تھانویؒ کے پاؤں دھو کر پینا نجات اخروی کا سبب ہے'' (تذکرۃ الرشید جلد اول ص 165)

امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب کے مطابق ''مرزا محمد بیگ صاحب مالک ''محبوب المطابع'' دہلی نے کثیر التصانیف ہونے کی بناء پر حضرت تھانوی کو ''حکیم الامت'' کا لقب دیا تھا جو بعد میں ان کے نام کا ''سابقہ'' بن گیا۔ جبکہ شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ: ''ایک شخص صالح، ذاکر، شاغل جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بیداری و خواب میں اکثر ہوتی ہے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے، حضورؐ نے ان سے ارشاد فرمایا: حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب کو میرا اسلام پہنچا دینا''

اس انعام کا ذکر حضرت تھانویؒ نے خود اپنے ایک وعظ ''شکر النعمة بذکر رحمة الرحمة'' میں فرمایا تھا اور اس چیز کا باقاعدہ اظہار بطور خاص ایک ''تقریب'' میں کیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ حضرت تھانویؒ کے ایک خادم خاص جناب شریف احمد صاحب نے ''ایک خواب دیکھا جس میں انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین کی زیارت کی۔ آنحضرتؐ نے سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ سے فرمایا کہ اس کو قریب آنے دو یہ اشرف علی صاحب کا خادم ہے اور نیز آنحضرتؐ نے شریف احمد کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: اشرف علی صاحب کی کتابوں پر عمل کرتے رہنا اور دوسروں کے کہنے سے مت رکنا۔'' (عبارات اکابر ص 184۔ مؤلفہ مولانا محمد سرفراز خان صفدر)

حضرت مفتی صاحب!

حضرت تھانویؒ جیسے ثقہ راوی سے مروی مذکورہ بالا واقعات میں یہ بتایا گیا ہے کہ کوئی ''مولوی'' برسوں عورت کی محبت میں گرفتار رہا اور کسی مولوی کے دل میں لڑکے کی محبت اس بری طرح داخل ہوگئی تھی کہ اس سے دینی و دنیاوی امور بھی ''ٹھپ'' ہوکر رہ گئے تھے۔ جبکہ حضرت قاضی مظہر حسین اور حضرت مفتی محمد عیسیٰ خان گورمانی جیسے ثقہ راویوں کی زبانی حضرت مدنی کا یہ بلند مقام بتایا گیا ہے کہ حضرت لاہوریؒ کی خواہش یہ تھی کہ دروان کنگھی گرنے والے داڑھی کے بال جمع کر کے اس موچی کے پاس لے جاؤں جو حضرت مدنیؒ کے جوتے بناتا ہے اور اس سے کہوں کہ ان جوتوں میں دھاگے کے بجائے میری داڑھی کے یہ بال استعمال کرو نیز مدنیؒ کے جوتوں میں جو علم ہے وہ احمد علی کے دماغ میں نہیں ہے۔

حضرت مفتی صاحب!

(۱۴۴)	میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اکابر کے حوالے سے مذکورہ صحیح، مستند اور ثابت شدہ واقعات نقل کرنے کو بھی آج ''حلقۂ دیوبند'' میں پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جائے گا تو سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق غلط اور من گھڑت واقعات کو ''روزنامہ اسلام'' میں ''من وعن'' نقل کر کے یہ ''چیلنج'' دینا کہ ''اس میں کونسی بے ہودگی ہے''۔ کیا یہ ناپاک جسارت نہیں ہے؟

حضرت مفتی صاحب!

سخت تعجب ہے کہ اکابر کی طرف منسوب ثقہ راوی سے مروی کسی صحیح روایت کو بھی ''گستاخی'' پر محمول کیا جائے اور جو ہستی بعد از نبوت کیا قبل از نبوت بھی صغائر و کبائر سے پاک ہو ان کی طرف قصہ زیدؓ و زینبؓ اور قصہ غرانیق کو منسوب کرنے کے بعد بھی کوئی ندامت و خجالت محسوس نہ ہو۔ صد حیف اس زندگی پر۔ بلکہ الٹا روزنامہ اسلام کے قارئین

سے استفسار کیا جائے کہ اس میں کون سی بے ہودگی ہے؟ اور انہیں یہ باور کرایا جائے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب یہ واقعات نہ تو عقیدہ عصمت انبیاء کے منافی ہیں اور نہ ہی مبنی بر توہین ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

امام طبری اور قصہ غرانیق

حضرت مفتی صاحب!

محترم اوریا مقبول جان صاحب نے صرف ''نام'' کی حد تک اشارتاً ''قصہ غرانیق'' سے بھی برأت کا اعلان کیا تھا مگر روزنامہ اسلام میں نہایت ہی بھونڈے انداز سے اس ''اشارے'' پر بھی ایک طوفان اٹھا دیا گیا جسے کم سے کم اور نرم سے نرم الفاظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ امام طبری کی منقولہ سراسر منافی عصمت اور مبنی بر توہین روایات کے دفاع میں روزنامہ ''اسلام'' نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وحرمت کا بھی کوئی پاس ولحاظ نہیں رکھا اور زنادقہ وملاحدہ کی ''وکالت'' اور ترجمانی کا ''فریضہ'' خوب سرانجام دیا۔ اس کا فیصلہ امام طبری کی ''غرانیق'' سے متعلق روایات اور روزنامہ اسلام کے مضامین کے مابین موازنہ کرنے کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے۔

امام طبری سورۃ الحج آیت 52 کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

... جلس رسول الله صلى الله عليه وسلم فى ناد من أندية قريش كثير أهله، فتمنى يومئذ أن لا يأتيه من الله شئى، فنفروا عنه فأنزل الله عليه:

''وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ٥ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ'' (النجم ١-٢) فقرأها رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا بلغ: ''أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ٥وَ مَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ ٥(النجم ١٩-٢٠)

ألقى عليه الشيطان كلمتين: تلك الغرانقة العلى، و ان شفاعتهن لترتجى، فتكلم بها، ثم مضى فقرأ السورة كلها، فسجد فى آخر السورة، و سجد القوم جميعا معه، و

رفع الوليد بن مغيرة ترابا إلى جبهته، فسجد عليه، وكان شيخاً كبيراً لا يقدر على السجود، فرضوا بما تكلم به و قالوا: قد عرفنا أن الله يحيي و يميت، وهوالذى يخلق و يرزق، ولكن آلهتنا هذه تشفع لنا عنده، إذ جعلت لها نصيبا، فنحن معك، قالا: فلما أمسى أتاه جبرائيل عليه السلام، فعرض عليه السورة، فلما بلغ الكلمتين اللتين ألقى الشيطان عليه قال: ما جئتك بهاتين، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم افتريت على الله، وقلت على الله مالم يقل، فأوحى الله إليه:

"وَإِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ..." (الاسراء ۷۳) إلى قوله: "ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ٥" (الاسراء ۷۵)

فمازال مغموما مهموما حتى نزلت عليه: "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ٥" قال: فسمع من كان من المهاجرين بأرض الحبشة ان أهل مكة قد أسلموا كلهم، فرجعوا الى عشائرهم وقالوا: هم أحب الينا، فوجدوا القوم قد ارتكسوا حين نسخ الله ما ألقى الشيطان۔"

(تفسیر الطبری المجلد التاسع ص۱۷۴۔۱۷۵۔تحت رقم ۲۵۳۲۷طبع بیروت)

...محمد بن کعب القرظی اور محمد قیس دونوں سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن قریش کی ایک مجلس میں بیٹھے تھے اور وہاں بہت سے آدمی تھے۔آپ نے یہ تمنا کی کہ اللہ اب کوئی بات ایسی آپ پر نازل نہ فرمائے جس سے وہ لوگ آپؐ سے دور ہو جائیں۔اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی: "وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ٥ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰى" (قسم ہے ستارہ کی جب کہ وہ اترا تمہارے ساتھی (محمدؐ) نہ گمراہ ہوئے نہ بہکے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قریش کے سامنے پڑھا اور جب اس مقام پر آئے: "اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ٥ وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى" (پھر کیا تم نے لات اور عزیٰ کو غور سے دیکھا اور پچھلی تیسری منات کو (بھی) تو شیطان نے یہ دو جملے: "تِلْكَ

الْغَرَانِیْقُ الْعُلٰی، وَ اِنَّ شَفَاعَتَھُنَّ لَتُرْتَجٰی" (یعنی یہ بت مرغان بلند پرواز ہیں اور ان کی شفاعت کی امید کی جاسکتی ہے) آپؐ پر القاء کئے۔ آپ نے (شیطان کے القا کئے ہوئے) ان دونوں جملوں کو پڑھا۔ پوری سورت ختم کر کے آخر میں آپؐ نے سجدہ کیا۔ آپؐ کے ساتھ تمام حاضرین بھی سجدہ میں گر پڑے۔ ولید بن مغیرہ چونکہ پیرانہ سالی کی وجہ سے سربسجود نہیں ہوسکتا تھا۔ اس نے مٹی اٹھا کر، اس پر، پیشانی رکھ کر سجدہ کیا۔ قریش آپؐ کے ان الفاظ سے بہت خوش ہوگئے اور کہنے لگے:

ہاں ہم اس بات سے واقف ہیں کہ اللہ ہی زندہ کرتا اور موت دیتا ہے، وہی پیدا کرتا ہے، وہی رزق دیتا ہے مگر یہ ہمارے معبود اللہ کی جناب میں ہماری شفاعت کرتے ہیں جب تم نے بھی ان کو اپنے رب کے ساتھ شریک کرلیا تو اب ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

رات کو جبرئیل آئے، آپؐ نے وہ سورت ان کو سنائی جب آپؐ ان شیطانی کلموں پر پہنچے جو شیطان نے آپؐ پر القاء کئے تھے تو جبرئیل نے کہا:

میں نے تو یہ آپؐ کو نہیں پہنچائے، آپؐ نے فرمایا! میں نے غلط بات اللہ تعالیٰ سے منسوب کردی، تو اللہ تعالیٰ نے اس پر سورۃ الاسراء کی آیت (73 تا 75) نازل فرمائیں۔...آپ اس (افتراء) سے بہت ہی ملول اور رنجیدہ ہوئے پھر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج کی آیت (52) نازل فرمائی۔

اس سلسلے میں مہاجرین حبشہ کو جب معلوم ہوا کہ تمام اہل مکہ اسلام لے آئے ہیں وہ اپنے قبائل کو یہ کہہ کر کہ وہ ہمیں جلاوطنی سے زیادہ محبوب ہیں پلٹے۔ مگر یہاں آکر انہوں نے دیکھا کہ ان شیطانی کلمات کی اللہ کی جانب سے تنسیخ ہوجانے کی وجہ سے اہل مکہ پھر کافر ہوچکے ہیں۔"

...امام طبری زیر بحث آیت کے تحت پندرہ روایات لائے ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سورۃ النجم کی آیات تلاوت فرما رہے تھے تو شیطان نے ان کی تلاوت میں "تلك الغرانیق العلی......" کے کلمات کا اضافہ کردیا پھر رات کو جبرئیل علیہ السلام نے آکر آگاہ کیا کہ جو آپؐ پڑھ رہے ہیں میں تو یہ "کلام" نہیں لایا تھا جس پر آپؐ

رنجیدہ اور ملول ہو گئے۔پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کی خاطر زیر بحث آیت نازل فرمائی۔

لـمّـا رأى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم تولّى قومه عنه، و شق عليه مايرى من مباعدتهم ماجاء هم به من عنداللّٰه، تمنى فى نفسه أن يأتيه من اللّٰه ما يقارب به و بين قومه، وكان يسرّه، مع حبّه و حرصه عليهم أن يلين له بعض ما غلظ علمه من أمرهم، حين حدّث بذلك نفسه، و تمنى و أحبه، فأنزل اللّٰه: "وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ o......أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ o وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ"

ألقى الشيطان على لسانه، "تلك الغرانيق العلى ......" فلمّا سمعت قريش ذلك فرحوا و سرهم و أعجبهم ما ذكر به آلهتهم، فأصاخوا له، والمؤمنون مصدقون نبيهم فيما جاء هم به عن ربهم ولا يتهمونه على خطاء ولا وهم ولازل، فلما انتهى إلى السجدة منها و ختم السورة سجدفيها، فسجد المسلمون بسجود نبيهم، تصديقا لما جاء به و اتباعاالأمره، وسجد من فى المسجد من المشركين، من قريش وغيرهم، لما سمعوا من ذكر ألهتهم، فلم يبق فى المسجد مؤمن ولا كافر الّا سجد...... و خرجت قريش و قد سرهم ما سمعوا من ذكر الهتهم، يقولون: قد ذكرنا محمد الهتنا بأحسن الذكر ...... و أتى جبريل النبى صلى الله عليه وسلم فقال: يا محمد ماذا صنعت؟ لقد تلوت على الناس مالم اتك به عن اللّٰه، وقلت مالم يقل لك، فحزن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم عند ذلك، و خاف من اللّٰه خوفًا كبيراً، فأنزل اللّٰه تبارك و تعالىٰ عليه: "وَكَانَ بِهٖ رَحِيْماً" يعزيه و يخفض عليه الأمر، و يخبره أنه لم يكن قبله رسول ولا نبيّ متى كما تمنى، ولا أحب كما أحب، إلّا والشيطان قد ألقى فى أمنيته، كما ألقىٰ على لسانه صلى الله عليه وسلم،

نسخ اللّٰه ما ألقى الشيطان، و أحكم آياته، أى فأنت كبعض الأنبياء والرسل، فأنزل اللّٰه: "وَمَآ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ إِلَّآ إِذَا تَمَنّٰىٓ أَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ أُمْنِيَّتِهٖ"... فأذهب اللّٰه عن نبيه الحزن، منه من الذى كان يخاف، و نسخ ما ألقى الشيطان على لسانه من ذكر الهتهم، أنها الغرانيق العلى وانّ شفاعتهن ترتضى...

فلما جاءہ من اللّٰہ ما نسخ ماکان الشیطان ألقی علی لسان نبیہ، قالت قریش: ندم محمد علی ماکان من منزلۃ آلھتکم عنداللّٰہ، فغیر ذلک وجاء بغیرہ، وکان ذلک الحرفان اللذان ألقی الشیطان علی لسان رسولہ قدوقعا فی فم کل مشرک، فازدادوا شراً إلی ماکانوا علیہ۔ (حوالہ مذکور تحت رقم ۲۵۳۲۸)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ان کی قوم نے ان سے اعراض کیا ہے اور صرف اس حکم کی وجہ سے جو اللہ نے آپ کو دیا تھا، آپ کی قوم آپ سے علیحدہ ہوگئی ہے۔ آپ کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا حکم نازل فرماتا جس سے آپ کے اور ان کے درمیان تعلقات پھر سے قائم ہوجاتے۔ آپ اپنی قوم سے محبت اور ان کی فلاح کے خیال سے یہ چاہتے تھے کہ ان کے معاملے میں جو شدت برتی ہے اس میں نرمی کردیں۔ یہ خیال آپ کے دل میں آیا اور آپ نے اس کی آرزو اور تمنا کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ (النجم) اتاری جب آپؐ نے یہ آیت پڑھی: "اَفَرَاَیْتُمُ الّٰتَ..." تو شیطان نے آپ کی اس خواہش کی وجہ سے جو آپ چاہتے تھے کہ اپنی قوم کو خوش کریں آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری کردیئے: "تلک الغرانیق العلی..." یہ الفاظ سن کر قریش بہت خوش ہوئے کہ محمد نے تعریفی الفاظ میں ہمارے معبودوں کا ذکر کیا ہے، انہوں نے خوشی میں نعرہ لگایا۔

مسلمان تو اپنے نبی پر ایمان کامل رکھتے ہی تھے کہ جو کچھ آپ ہمارے رب کی طرف سے کہتے ہیں وہ بالکل سچ ہے اور وہ آپ کو خطا، وہم اور لغزش سے معصوم سمجھتے تھے۔ جب اس سورۃ میں سجدہ کا مقام آیا اور سورت ختم ہوئی، رسول اللہ نے سجدہ کیا اور تمام مسلمانوں نے اپنے نبی کی اتباع حکم اور وحی کی تصدیق میں آپؐ کے ساتھ سجدہ کیا اور چونکہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اپنے معبودوں کی تعریف سنی تھی، اس لئے مشرکین قریش اور دوسرے لوگوں نے بھی سجدہ کیا۔ اس طرح ساری مسجد میں جس قدر مومن یا کافر تھے سب سجدے میں گر پڑے البتہ ولید بن مغیرہ چونکہ نہایت بوڑھا تھا وہ سجدے میں تو نہ جاسکا مگر اس نے مٹھی بھر کنکریاں اٹھا کر ان پر سر رکھ دیا اور اس طرح اس نے بھی سجدہ کرلیا۔ اس کے بعد تمام

لوگ مسجد سے چلے گئے، قریش بھی بڑے خوش وہاں سے گئے اور ایک دوسرے سے بیان کرنے لگے کہ محمد نے ہمارے معبودوں کا بڑے اچھے الفاظ میں ذکر کیا ہے اور اپنے قرآن میں یہ بات کہی ہے کہ "یہ دراز گردن مورتیاں ہیں ان کی شفاعت مقبول ہوگی"

اس سجدے کی خبر ان مسلمانوں کو بھی ہوئی جو حبشہ میں ہجرت کرکے جا رہے تھے اور ان سے بھی یہ کہا گیا کہ قریش اسلام لے آئے ہیں اس خبر کو سن کر ان میں سے بعض وطن آنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور کچھ وہیں رہ گئے۔

حضرت جبریل رسول اللہ کے پاس آئے اور کہا: آپ نے یہ کیا، کیا؟ آپ نے وہ الفاظ بطور وحی لوگوں کے سامنے پڑھے جو میں اللہ کی طرف سے آپ کے پاس نہیں لایا تھا اور آپ نے وہ کہہ دیا جو آپ سے نہیں کہا گیا۔ یہ سن کر رسول اللہ بہت سخت رنجیدہ اور ملول ہوئے اور آپ کو اللہ کا بڑا خوف ہوا کہ کیا ہوگا؟ مگر اللہ تعالیٰ چونکہ آپ پر نہایت مہربان تھا اس نے آپ کی تسلی و تشفی کے لئے وحی کے ذریعے آپ کو بتایا کہ آپ سے پہلے بھی جس نبی یا رسول نے خود کوئی خواہش کی ہمیشہ شیطان اس میں اس طرح شریک ہوا ہے جس طرح کہ آپ کے ساتھ معاملہ گذرا کہ اس نے اپنی بات آپ کی زبان سے کہلا دی مگر اللہ نے ہمیشہ شیطان کی بات منسوخ کرکے اپنی بات جمائی ہے۔ چونکہ آپؐ بھی دوسرے انبیاءؑ کی طرح ہیں اس لئے اس کی فکر مت کرو پھر اللہ نے یہ آیت نازل کی: "وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ..." اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے خوف کو دور کیا اور ان کو اطمینان دیا اور جو بات شیطان نے آپؐ کی زبان سے مشرکین کے معبودوں کے ذکر و تعریف میں کہلا دی... محو کرکے "لات و عزیٰ" کا ذکر کرکے اپنی یہ آیات نازل فرمائیں:

"اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الۡاُنۡثٰى... لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَرۡضٰى" یعنی اب کیوں کر تمہارے معبودوں کی سفارش اللہ کے ہاں کام دے سکتی ہے جب اللہ تعالیٰ نے اس بات کو منسوخ کر دیا جو شیطان نے آپؐ کی زبان سے کہلا دی تھی۔ قریش کو اس منسوخی کی خبر ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ اللہ کے ہاں ہمارے معبودوں کی جس قدر و منزلت کا محمد نے پہلے ذکر کیا تھا اس پر وہ اب نادم ہوا ہے اور اسی

لئے اسے بدل کر اب اس نے کچھ اور کہا ہے۔ یہ دو جملے تھے جن کو شیطان نے آپ کی زبان سے ادا کرادیا تھا۔ یہ ہر مشرک کی زبان پر تھے مگر ان کے منسوخ ہونے کے بعد مسلمانوں (صحابہ کرامؓ) پر وہ اب تک جو سختیاں کرتے آئے تھے ان میں کفار نے اور شدت کردی۔

امام طبری نے منقولہ تمام روایات کے ذریعے یہ بات ''ثابت'' کی ہے کہ شیطان نے بتوں کی تعریف پر مبنی کلمات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر سورۃ النجم کی تلاوت کے دوران جاری کرادیئے تھے:

موصوف "تمنّی" کا معنی "التلاوۃ والقراۃ" سے کرتے ہوئے وھذا القول أشبه بتأويل الكلام بدلالة: "فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ..." على ذلك لأن الأيات التي اخبر الله جل ثناؤه أنه يحكمها، لا شك أنها آيات تنزيله، "فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ" کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"فمعلوم أن الذى ألقى فيه الشيطان هوما أخبر الله تعالىٰ ذكره أنه نسخ ذلك منه و أبطله ثم أحكمه بنسخه ذلك منه"

"تمنّی" سے مراد ''تلاوت وقرأت'' ۔یہ معنی "فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ..." سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے پس آیت سے معلوم ہوا کہ شیطان نے جو کلمات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر جاری کرائے تھے ان ہی کو اللہ تعالیٰ باطل اور منسوخ فرما رہے ہیں۔ گویا موصوف نہ صرف اس بات کو تسلیم کررہے ہیں کہ شیطان نے آپؐ کی زبان پر دوران تلاوت یہ کلمات جاری کرائے تھے بلکہ اس پر خود قرآن اور روایات سے دلائل بھی قائم کررہے ہیں۔

امام طبری مزید فرماتے ہیں کہ:

"فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ" فيبطل الله ما ألقى الشيطان... نسخ جبريل بأمرالله ما ألقى على لسان النبى صلى الله عليه وسلم و أحكم الله آياته۔

وقوله: ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ" يقول ثم يخلص الله آيات كتابه من الباطل الذى ألقى الشيطان على لسان نبيّه... (حوالہ مذکورہ تحت رقم ۲۵۳۴۰-۲۵۳۴۱)

جملہ روایات کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر الطبری۔المجلد التاسع ص۱۷۴ تا ۱۷۸۔تحت رقم ۲۵۳۲۷ تا ۲۵۳۴۱

امام طبری نے اپنی تاریخ میں بھی قصہ غرانیق کو صحیح سمجھ کر نقل کیا ہے۔ملاحظہ ہو: تاریخ الامم والملوک۔الجزءالثانی ص ۷۵ تا ۷۸۔طبع بیروت ۱۸۷۹ء۔

روزنامہ اسلام میں قصہ "غرانیق" کے ناقلین کی ایک طویل فہرست پیش کر کے اول یہ دعویٰ "داغا" گیا کہ:

"...اکیلے امام طبری پر رفض، اعتزال، روایت سازی اور توہین رسالت کا الزام کیوں؟ یہاں تو محدثین اور مفسرین کی پوری قطاران "جرائم" میں شریک ہے۔" (روزنامہ اسلام۔۱۰/اگست ۲۰۱۵ء)

...امام بغوی نے واضح کیا ہے کہ اگر قصے کو مان بھی لیا جائے تو ظاہری مطلب نہیں لیا جائے گا جو عصمتِ انبیاء سے متعارض ہے، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ "تلك الغرانيق العلىٰ" کے شرکیہ الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں شیطان نے کہے تھے، مشرکین کو وہم ہو گیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرما رہے ہیں۔(روزنامہ اسلام 11 اگست 2015ء)

امام طبری پر منافی عصمت اور مبنی بر توہین روایات نقل کرنے کا ہرگز الزام نہیں لگایا گیا بلکہ یہ حقیقت تو ان کی تاریخ اور تفسیر دونوں سے خوب خوب اجاگر ہو چکی ہے۔مسئلہ زیر بحث صرف یہ ہے کہ حضرت آدم، حضرت ابراہیم، حضرت یوسف، حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام اور بالخصوص روزنامہ اسلام میں سید الانبیاء سے متعلق قصہ زیدؓ و زینبؓ اور قصہ غرانیق کے بارے میں امام طبری کی منقولہ روایات منافی عصمت انبیاء اور مبنی بر توہین ہیں یا نہیں؟

روزنامہ اسلام میں خلط مبحث سے کام لیتے ہوئے دیگر حضرات کو قطار میں کھڑا کر دیا گیا ہے۔میرے نزدیک دیگر محدثین و مفسرین اس "قطار" میں شریک ہیں یا نہیں البتہ روزنامہ اسلام کے ذمہ دار حضرات منافی عصمت اور مبنی بر توہین روایات کو نقل کر کے اور ان کی "سکوتی" تائید و توثیق کے ذریعے ضرور امام طبری اور ان کذاب راویوں کے جرائم میں شریک ہو چکے ہیں۔

علاوہ ازیں روزنامہ اسلام نے "حق وانصاف" کا خون کرتے ہوئے ان مفسرین و محدثین کو بھی "مجرم" بناڈالا جنہوں نے اس لغو اور باطل قصہ کو رد کرنے کی خاطر نقل کیا تھا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ "شرکیہ الفاظ شیطان نے کہے تھے مشرکوں کو وہم ہو گیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرما رہے ہیں"

حضرت مفتی صاحب!

(۱۴۵)	کیا کوئی ذی علم بقائمی ہوش وحواس یہ باطل دعویٰ کرسکتا ہے کہ امام طبری کی روایات میں اس مفہوم کی کوئی ادنیٰ گنجائش بھی نکل سکتی ہے؟
(۱۴۶)	یہ بھی وضاحت طلب ہے کہ شیطان نے شرکیہ الفاظ کس کی آواز میں کہے تھے جس سے مشرکوں کو وہم ہو گیا تھا؟
(۱۴۷)	اگر بالفرض مشرکوں کو وہم ہو ہی گیا تھا تو روزنامہ اسلام میں جس کثیر تعداد میں جن مؤلفین وجامعین کا حوالہ دیا گیا ہے تو انہوں نے مشرکوں کے اس "وہم" کو اس قدر اہمیت ہی کیوں دی جس سے عصمت انبیاء کا دامن تار تار ہو گیا؟

روزنامہ اسلام میں اس بحث کے آخر میں یہ فیصلہ بھی سنایا گیا کہ "غرانیق" سے متعلق روایات ضعیف الاسناد ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہیں۔

حضرت مفتی صاحب!

(۱۴۸)	جب یہ روایات قابل قبول ہی نہیں تو پھر روزنامہ اسلام میں مفسرین ومحدثین کی طویل فہرست پیش کر کے عوامی فورم پر یہ تماشا کیوں لگایا گیا؟
(۱۴۹)	یہ خود فریبی ہی نہیں، فریب دہی کی بھی ایک بدترین مثال نہیں ہے کیا؟

امام طبری کی ایک درجن سے زائد روایات "صحیح صحیح" کر کہہ رہی ہیں کہ شرکیہ کلمات شیطان نے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جاری کرائے۔ یہ تمام روایات زنادقہ و

ملاحدہ کی وضع کردہ ہیں جو سنداً و متناً، روایتاً و درایتاً ہر ہر اعتبار سے بے ہودہ، باطل، عقیدہ عصمت انبیاء کے سراسر منافی اور قرآن کریم سے متصادم ہونے کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین پر بھی مبنی ہیں۔نیز زیر بحث "قصہ غرانیق" قرآن کریم کی دیگر آیات میں بھی شک ڈالنے کا "پھاٹک" کھولتا ہے۔

صد افسوس! کسی گہری سازش اور باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت 'اس باطل مقصد کے لئے" روزنامہ اسلام کا "فورم" استعمال کیا گیا۔

قصہ غرانیق اور اقوال مفسرین

جن مفسرین اور علماء نے قصہ "غرانیق" کو منافی عصمت قرار دیا ہے ان میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی اور اقوال ملاحظہ فرمائیں:

امام ابن خزیمہؒ (م 311ھ):

امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں: "هذا من وضع الزنادقة، وصنف في ذلك كتابا... أما أهل التحقيق فقالوا هذه الرواية باطلة"

قصہ "غرانیق" زنادقہ نے گھڑا ہے۔نیز ابن خزیمہ نے اس کے رد میں ایک مستقل کتاب بھی تصنیف کی ہے... اہل تحقیق تو یہ کہتے ہیں کہ یہ روایت باطل ہے۔(تفسیر کبیر للرازی تحت سورۃ الحج آیت ۵۲۔جلد ۶ ص ۲۴۵، البحر المحیط لابن حیان جلد ۶ ص ۳۸۳، روح المعانی جلد ۱۷۔ص ۱۷۷)

امام ابن حزم اندلسی الظاہری (م ۴۵۶ھ):

امام ابن حزم اندلسی الظاہری فرماتے ہیں:

"وأما الحديث الذي فيه: "وانهن الغرانيق العلى ___ وان شفاعتهن لترتجى" فكذب بحت موضوع لم يصح قط من طريق النقل، ولا معنى للاشتغال به إذ وضع

الکذب لا یعجز عنه أحد" (الفصل في الملل والأهواء والنحل جلد ٤۔ ص ٢٣)

جس ''حدیث'' میں غرانیق کا افسانہ بیان کیا گیا ہے وہ سفید جھوٹ اور موضوع یعنی من گھڑت ہے اس لئے کہ اس کی کوئی صحیح سند نہیں ہے۔ نیز اس میں مشغول ہونے کی بھی کوئی تک نہیں ہے کیونکہ جھوٹ گھڑنے سے کوئی شخص عاجز نہیں ہے۔

امام بیہقی (م 458ھ):

امام بیہقی فرماتے ہیں:"هذه القصة غير ثابتة من جهة النقل" (البحر المحیط جلد 6۔ص 383)

یہ قصہ نقل کے اعتبار سے ثابت نہیں ہے۔

سخت تعجب ہے کہ اس تبصرہ کے باوجود ''روزنامہ اسلام'' نے امام بیہقی کو امام طبری کے ساتھ ''مجرموں'' کی قطار میں شامل کردیا۔ (روزنامہ اسلام 10۔ اگست 2015ء۔ تحت ''احتیاط لازم ہے'' قسط نمبر 2)

قاضی ابوبکر ابن العربی مالکیؒ (م 543ھ):

پیر سید محمد کرم شاہ صاحب ازہری قاضی ابوبکر ابن العربی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:''قاضی ابوبکر ابن العربی الاندلسی جب اس آیت کی تفسیر کرنے لگے ہیں تو اس روایت کا ذکر کرکے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غصہ سے ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا ہے اور دل بے چین اور بے قرار ہوگیا ہے۔ اپنی سابقہ روش کے بالکل برعکس اس روایت کو باطل کرنے کے لئے ایک مستقل فصل لکھی ہے جس کا عنوان ہے:"تنبیه الغبي على مقدار النبي" (غبی شخص کے لئے مقام نبی کی وضاحت) اور لکھتے ہیں:"ونرجو به عند الله الجزاء الأوفى في مقام الزلفى" کہ اس فصل کے لکھنے سے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقام قرب میں مجھے عظیم جزاء دے گا۔

(پیر صاحب لکھتے ہیں کہ) تنگی داماں کی شکایت نہ ہوتی تو آپ کی اس فصل کا پورا ترجمہ

یہاں درج کرتا۔ اہل علم سے درخواست ہے کہ وہ ضرور اس فصل کا مطالعہ کریں" (ضیاء القرآن جلد سوم ص ۲۲۶) ابن العربی کی اپنی اصل اور مفصل عبارت "امام طبری کون؟ مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز" میں دیکھی جاسکتی ہے۔

امام قاضی عیاض مالکیؒ (م 544ھ):

امام قاضی عیاضؒ قصہ "غرانیق" کی ایک سند کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: کوئی روایت بھی ضعف اور سقم سے خالی نہیں۔ پھر کلبی کی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "و أما حديث الكلبي فمما لا يجوز الرواية منه ولا ذكره لقوة ضعفه و كذبه۔"

اب رہی کلبی کی حدیث تو یہ اس قبیل سے ہے جس کی روایت اس سے جائز ہی نہیں اور انتہائی ضعیف اور جھوٹ ہونے کی وجہ سے اس کا ذکر بھی جائز نہیں...

اب رہی اس روایت کی معنوی حیثیت تو اس پر مضبوط دلیل قائم ہو چکی ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ آپؐ اس قسم کی رذیل روایتوں سے منزہ و معصوم ہیں لیکن آپؐ کی یہ تمنا کہ آپؐ پر معبودانِ باطلہ کی تعریف میں آیتیں اتریں تو یہ کفر ہے، یا یہ کہ آپؐ پر شیطان غالب آجائے اور آپؐ پر قرآن مشتبہ کردے یہاں تک کہ آپؐ قرآن میں وہ داخل کردیں جو قرآن سے نہیں ہے اور آپؐ اس قسم کا اعتقاد کرلیں کہ قرآن کی کچھ آیتیں ایسی ہیں قرآن کی نہیں ہیں حتیٰ کہ جبریلؑ آپؐ کو اس پر خبردار کریں۔ یہ تمام باتیں آپؐ کے حق میں محال اور ممتنع ہیں۔ یا یہ کہ آپؐ عمداً اپنی طرف سے ایسا فرمائیں۔ یہ بھی کفر ہے، یا یہ کہ آپؐ سہواً (بھول کر) ایسا فرمائیں، آپؐ ان تمام باتوں سے معصوم ہیں۔

اس آیت کا مضمون و مفہوم بتلا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس کام سے محفوظ رکھا کہ آپؐ اللہ پر افتراء کریں اور آپؐ کو ثابت قدم رکھا کہ ان کی طرف ادنیٰ جھکاؤ بھی نہ ہو چہ جائیکہ زیادہ۔ جبکہ وہ (امام طبری و امثالہ) اس واہی روایت میں بیان کرتے ہیں کہ ان کے معبودانِ باطلہ کی تعریف میں میلان و افتراء سے بڑھ کر حصہ لیا (معاذ اللہ) کہ آپؐ نے فرمایا: "میں نے اللہ پر افتراء کیا اور وہ بات کہی جو نہ کہی گئی تھی" حالانکہ یہ مفہوم آیت کے بالکل خلاف ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہوتی تو صرف

یہی بات اس روایت کو ثابت کر دیتی۔اب جبکہ یہ بات سرے سے ہی درست نہیں تو اس کا حال ظاہر ہے......اس آیت کی تفسیر میں دیگر اقوال بھی مذکور ہیں۔جیسا کہ ہم نے عصمت رسالت کے بیان میں ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر آپ کی عصمت بیان فرمائی ہے جو ان نادانوں کی بے توفی کی تردید کر رہی ہے۔بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے مکر و فتنہ سے آپ کو ثابت قدم رکھ کر احسان فرمایا۔اسی سے ہماری مراد آپ کی عصمت ہے اور یہی آیت کا مفہوم ہے۔(حوالہ مذکور)

امام فخر الدین رازی (م 606ھ):

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں: ''اَمَّا أهل التحقيق فقد قالوا: هذه الرواية باطلة موضوعة... واحتجوا عليه بالقرآن والسنة والمعقول... انّ هذه القصة موضوعة...'' (التفسیر الکبیر جلد ۸ ص ۲۳۷)

''محقق علماء کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ روایت جھوٹی و باطل ہے اور گھڑی ہوئی ہے۔اس کے باطل اور موضوع ہونے پر اہل تحقیق نے قرآن، سنت اور عقلی دلائل پیش کئے ہیں۔یقیناً یہ سارا قصہ ہی من گھڑت ہے۔''

امام رازی اس بحث میں عقلی دلائل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: جو شخص یہ کہتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتوں کے بارے میں تعریفی جملے کہے، وہ کافر ہے، کیونکہ اس طرح تو آپ کی بعثت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے نیز شریعت، قرآن اور دین اسلام کی کسی بات پر اعتماد نہیں رہتا۔لہٰذا ''انّ هذه القصة موضوعة'' یقیناً یہ قصہ موضوع ہے۔اس کے حق میں زیادہ سے زیادہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ بعض مفسرین نے اسے نقل کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ: ''خبر الواحد لا يعارض الدلائل النقلية والعقلية'' یہ اگر خبر واحد بھی ہو تو پھر بھی دلائل عقلیہ و نقلیہ کے معارض نہیں ہو سکتی۔جن حضرات نے اس روایت کی تاویلیں پیش کی ہیں تو امام رازی نے ان تاویلات کو ''بعیدہ، فاسدہ و باطلہ'' سمجھتے ہوئے رد کر دیا ہے کہ اس کی کوئی تاویل درست نہیں، اس کا کوئی صحیح محمل اور مصداق تلاش نہیں کیا جا سکتا۔یہ روایت اپنی تمام تاویلات، احتمالات اور اختلافِ الفاظ کے ساتھ مسترد کر دینے کے قابل ہے۔

امام ابو عبداللہ قرطبی (م 671ھ):

امام ابوعبداللہ قرطبیؒ فرماتے ہیں: الأحاديث المروية في نزول هذه الآية ليس منها شئي يصح... قال النحاس: هذا حديث منكر منقطع (الجامع لأحكام القرآن جلد۲۔ص۷۶)

سورۃ الحج آیت ۵۲ کے تحت قصہ غرانیق سے متعلق منقول روایات میں سے ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے۔ امام نحاس کے نزدیک یہ روایت منکر اور منقطع ہے۔

"في ذلك روايات كثيرة كلها باطلة لا أصل لها"

اس قصہ سے متعلق تمام روایات باطل ہیں اور ان کی کوئی اصل نہیں۔ "وضعف الحديث مغن عن كلّ تاويل"۔ چونکہ یہ روایت ضعیف ہے اس لئے اس کی تاویل کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔

اس بحث کے آخر میں امام قرطبی فرماتے ہیں کہ اگر اس روایت کی کوئی سند ثابت بھی ہو جائے تو بھی وہ قرآن کے مخالف ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتبار ہوگی۔

پھر موصوف قاضی عیاض کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:

"انّ الامّة اجمعت في ما طريقه البلاغ انّه معصوم فيه من الاضمار عن شئي بخلاف ما هو عليه لا قصداً ولا عمداً ولا سهواً ولا غلطاً"

یعنی امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ تبلیغ کلام الٰہی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز غلطی صادر نہیں ہو سکتی نہ قصداً، نہ عمداً، نہ سہواً اور نہ ہی غلطاً۔

علامہ ابوالبرکات نسفی حنفی (م 710ھ):

علامہ ابوالبرکات نسفی حنفی سورۃ الحج آیت 52 کی تفسیر میں "شیطانی کلمات" کے بارے میں فرماتے ہیں: اگر اسے (بفرض محال) صحیح تسلیم کر لیا جاتا ہے تو پھر اس کی تین ہی

صورتیں ممکن ہیں جن میں سے کوئی ایک صورت بھی قابل قبول نہیں ہے:

"امّا أن یتکلم النبی علیه السلام بها عمداً وانّه لا یجوز لأنه کفر ولأنه بعث طاعناً للأصنام، لا ماد حاً لها"

أو أجری الشیطان علی لسان النبیّ جبراً بحیث لا یقدر علی الامتناع منه فهو ممتنع لأن الشیطان لا یقدر علی ذلك فی حق غیره لقوله تعالیٰ: "اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ" ففی حقه اولیٰ، أوجری علی لسانه سهواً أوغفلة وهو مردود أیضاً لأنه لا یجوز مثل هذه الغفلة علیه فی حال تبلیغ الوحی ولو جاز لبطل الاعتماد علی قوله۔"(تفسیر نسفی جلد۳۔ص ۱۰۶)

پہلی صورت یہ ہے کہ:یا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ''شیطانی کلمات'' کوجان بوجھ کر زبان مبارک سے ادا کیا ہے تو یہ صورت جائز ہی نہیں کیونکہ یہ کفر ہے۔دوسرے یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو بتوں کی توہین اور مذمت کے لئے مبعوث ہوئے ہیں نہ کہ ان کی مدح وستائش کے لئے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ شیطان نے یہ ''شرکیہ الفاظ وکلمات'' زبردستی اور جبراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر جاری کردیئے ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اسے اس سے روکنا ممکن نہ ہو۔تو یہ صورت بھی محال اور ناممکن ہے کیونکہ "اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ" **کے مصداق شیطان اللہ کے دوسرے بندوں پر بھی اس قسم کی قدرت نہیں رکھتا تو آپ کے حق میں بدرجہ اولیٰ یہ طاقت نہیں رکھتا۔**

تیسری صورت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ ''شیطانی کلمات'' بھول چوک یا غفلت کی وجہ سے نکل گئے ہوں۔تو یہ صورت بھی غلط، مردود اور نا قابل قبول ہے۔کیونکہ ایک نبی کے لئے تبلیغ وحی میں یہ غفلت ممکن نہیں اور اگر اس کو ممکن مان لیا جائے تو پھر نبی کی ہر بات سے اعتماد ختم ہو جائے گا۔لہٰذا یہ صورت بھی ممکن نہیں۔

اس طرح ''افسانہ غرانیق'' سے متعلق کوئی روایت کسی بھی تاویل سے قابلِ تسلیم ہرگز ہرگز ہرگز نہیں ہے۔

امام ابن کثیرؒ (م 774ھ):

امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: "قـد ذکـر کثیـر مـن الـمـفسـریـن ھھـنـا قصة الـغـرانیق...... ولکنّها من طرق کلّها مرسلة، ولم أرها مسندة من وجه صحیح والله اعلم" (تفسیر ابن کثیر جلد۳ ص۲۳۲ طبع بیروت تحت الآیۃ)

اس مقام پر اکثر مفسرین نے "الغرانیق" کا قصہ نقل کیا ہے لیکن اس کی تمام اسناد مرسل ہیں اور مجھے اس کی کوئی صحیح اور متصل سند دکھائی نہیں دی۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی (م 855ھ):

علامہ بدرالدین عینی حنفی اس بحث میں ابن حجر عسقلانی پر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ ان دونوں (ابن العربی اور قاضی عیاض) نے اس سلسلہ میں جو ذکر فرمایا ہے یہی چیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالتِ قدر اور شان اقدس کے لائق ہے کیونکہ اس قسم کے رذیل قصہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نزاہت اور عصمت پر حجت قائم ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے۔

اور اللہ کی پناہ کہ اس قسم کے کفریہ اور شیطانی کلمات آپؐ کے قلب اطہر پر یا آپؐ کی زبان مبارک پر جان بوجھ کر یا بھول کر جاری ہوں، یا شیطان کا آپؐ پر کسی قسم کا تسلط ہو یا آپؐ کے خیال پر شیطان کا راہ گذر ہو۔ یا آپؐ خود (العیاذ باللہ) کوئی بات گھڑ کر عمداً یا سہواً اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کریں۔ یہ چیز دلائل عقلیہ اور نقلیہ کے اعتبار سے بھی محال ہے۔

اگر فی الواقع اس طرح کا کوئی واقعہ رونما ہوا ہوتا تو بہت سے مسلمان مرتد ہو گئے ہوتے مگر ایسی کوئی بات کسی کتاب میں منقول نہیں ہے نیز اگر ایسا ہوا ہوتا تو موقع پر موجود حاضر صحابہ کرامؓ پر یہ واقعہ مخفی نہ ہوتا۔

علامہ قسطلانی (م 923ھ):

علامہ قسطلانی قصہ "غرانیق" کے متعلق فرماتے ہیں: "وقـد طـعـن فیهـا غیر واحد من

الائمۃ حتٰی قال ابن اسحاق (أی ابن خزیمۃ) وقد سئل عنہا ھی من وضع الزنادقۃ"

یعنی بہت سے ائمہ نے اس قصہ کے بارے میں طعن کیا ہے حتیٰ کہ امام ابن اسحاق ابن خزیمہ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا: کہ یہ زندیقوں کا کلام ہے۔

پھر امام قسطلانی نے امام بیہقی کا قول نقل فرمایا کہ: "غیر ثابتۃ، نقلاً و رواتھا مطعونون" نقلاً اس قصے کا کوئی ثبوت نہیں اور روایتاً اس کے سب راوی مطعون ہیں۔

پھر انہوں نے قاضی عیاض مالکی کے متعلق ارشاد فرمایا:

"و أطنب القاضی عیاض فی الشفاء فی توھین أصلھا، فشفٰی و کفٰی"

یعنی قاضی عیاض نے اپنی کتاب الشفاء میں اس قصہ کی اصلیت کو کمزور کرنے میں بڑی لمبی چوڑی بحث کی جس سے دل کو شفاء حاصل ہوئی اور انہوں نے کافی بحث کی۔ (بحوالہ احسن التفسیر المعروف بہ تفسیر بے نظیر مع بدر منیر ص ۸۵۔۸۶)

سخت تعجب ہے کہ امام قسطلانی کو بھی روزنامہ اسلام میں امام طبری کے ساتھ "مجرموں" کی قطار میں دکھایا گیا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابوسعود (م 982ھ):

شیخ الاسلام امام ابوسعود قصہ غرانیق کے متعلق فرماتے ہیں: "وھو المردود عند المحققین"

یعنی محققین کے نزدیک یہ سارا قصہ مردود ہے۔ (بحوالہ جواہر القرآن جلد دوم ص 743۔ کشف الباری۔ کتاب التفسیر سورۃ الحج۔ ص 449)

امام شوکانی (م 1250ھ):

امام شوکانی سورۃ الحج آیت ۵۲ کی تفسیر میں "قصہ غرانیق" کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"لم یصح شئی من ھذا، ولا ثبت بوجہ من الوجوہ، و مع عدم صحتہ بل بطلانہ فقد دفعہ المحققون بکتاب اللّٰہ" (فتح القدیر جلد ۲۔ ص ۱۹۴)

ان روایات میں سے کوئی روایت بھی صحیح نہیں اور یہ کسی بھی طور پر اور کسی بھی سند سے ثابت نہیں۔اس کے صحیح نہ ہونے بلکہ باطل ہونے کے باوجود محققین نے کتاب اللہ کے دلائل وشواہد کے ساتھ اس کا رد کیا ہے۔

امام شوکانی مزید لکھتے ہیں کہ:اس قصے کی تمام روایات مرسل یا منقطع ہیں،ان میں سے کسی روایت سے کوئی حجت قائم نہیں ہوتی۔

علامہ محمود آلوسی (م 1270ھ):

علامہ محمود آلوسی نے ''غرانیق'' سے متعلق تمام روایتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"وقد أنكر كثيرمن المحققين هذه القصة"

کثیر علماء محققین نے اس قصہ کی صحت سے انکار کیا ہے۔

پھر علامہ آلوسی نے امام بیہقی،قاضی عیاض،محمد بن اسحاق اور شیخ ابومنصور ماتریدی کے اقوال نقل کئے ہیں۔مؤخر الذکر کا قول (جو یقیناً سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے)ملاحظہ فرمائیں:

وذكر الشيخ أبو منصور الماتريدى فى كتاب حصص الاتقياء: الصواب أن قوله: "تلك الغرانيق العلى"... من جملة ايحاء الشيطان إلى أوليائه من الزنادقة حتى يلقوا بين الضعفاء و أرقاء الدين فيرتابوا فى صحة الدين، وحضرة الرسالة بريئة من مثل هذه الرواية...

''امام ابومنصور ماتریدی نے ''حصص الاتقیاء'' میں اس پورے واقعہ کو موضوع قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ (تلك الغرانيق العلى) یہ ان باتوں میں سے ایک بات ہے جو شیطان اپنے زندیق پیروکاروں کے دلوں میں ڈالتا ہے تاکہ کمزور ایمان والے لوگوں کو اسلام سے برگشتہ کریں اور انہیں شک و بدگمانی میں مبتلا کریں۔اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کی روایتوں سے مبرا و منزہ ہیں۔''

علامہ آلوسی نے سات دلیلیں قائم کرکے ان کے تفصیلی جوابات دیئے ہیں اور دلائل سے

ثابت کیا ہے کہ ایسا ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ موصوف نے ایک اور لطیف جواب دیا ہے کہ قرآن نے ایک سے زائد بار چیلنج کیا ہے کہ اگر تم اسے انسانی کلام سمجھتے ہو تو اس کی چھوٹی سی چھوٹی سورۃ (بلکہ ایک قرآنی جملہ: "فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ" (سورۃ الطور آیت 34) کے برابر بنا کر لاؤ۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ تم اپنے اعوان و انصار کو بھی جمع کر کے لاؤ گے تب بھی تم اس کی چھوٹی سی چھوٹی سورۃ کے برابر اس جیسا کلام پیش نہیں کر سکتے ہو۔ اگر "تلك الغرانيق العلی ......" کے جملوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن ہونے کا شبہ ہوا، اور اس پر جبرئیل کو متنبہ کرنا پڑا اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ گویا شیطان نے قرآن کے چیلنج اور تحدّی کا جواب دے دیا (یا ان روایات کو صحیح سمجھنے والے اپنے چیلوں کے ذریعے دلوا دیا)

علامہ آلوسی نے قصہ غرانیق کو صحیح سمجھنے والوں کی تمام روایات کو بعیدہ، فاسدہ اور باطلہ قرار دینے کے بعد کیا خوب فرمایا ہے:

"ولعمری أن القول بأن هذا الخبر مما ألقاه الشيطان علی بعض ألسنة الرواة ثم وفق الله تعالی جمعاً من خاصة لا بطاله أهون من القول بأن حديث الغرانيق مما ألقاه الشيطان علی لسان رسول الله صلی الله عليه وسلم ثم نسخه سبحانه وتعالی لا سيما وهو مما لم يتوقف علی صحته أمر ديني ولا معنی آية ولا، لا سوی أنها يتوقف عليها حصول شبهه فی قلوب كثير من ضعفاء المؤمنين لا تكاد تدفع الا بجهد جهيد...... (روح المعانی جلد 17۔ ص 182)

(میری زندگی کی قسم) اس روایت کے بارہ میں یہ بات مان لینا بہت آسان ہے کہ اسے شیطان نے خود اس روایت کے راویوں کی زبان پر جاری کر دیا ہے بہ نسبت اس کے کہ یہ مان لیا جائے کہ شیطان مردود نے ان شرکیہ کلمات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر القاء کر دیا تھا بعد میں اللہ تعالیٰ کو اس میں مداخلت کر کے منسوخ کرنا پڑا۔

جبکہ اس روایت کی صحت پر نہ تو کوئی شرعی حکم موقوف ہے اور نہ ہی کسی آیت کے سمجھنے کا قصہ غرانیق پر دارومدار ہے۔ البتہ اس کا یہ نقصان ضرور ہے کہ اس سے بہت سے کمزور مومنوں کے

دلوں میں شبہات ضرور پڑ جائیں گے جن کا دور کرنا عظیم اور زبردست تگ و دو کا متقاضی ہے۔

علامہ آلوسی آگے چل کر اس بحث کے آخر میں فرماتے ہیں کہ:"و أقبح الاقوال التی رأینا ھا فی ھذا الباب و أظھر ھا فساداً أنه صلی الله علیه وسلم أدخل تلك الکلمة من تلقاء نفسه حرصاً علی ایمان قومه ثم رجع عنها، و یجب علی قائل ذلك التوبة، "کَبُرَتۡ کَلِمَةً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاھِهِمۡ ؕ اِنۡ یَّقُوۡلُوۡنَ اِلَّا کَذِبًا"(سورۃ الکہف 5)

وقریب منه ما قیل أنها کانت قرآناً منزلاً فی وصف الملٰئکة علیهم السلام فلما توهم المشرکون أنه یرید علیه الصلوٰة والسلام مدح الهتهم بها نسخت......"(روح المعانی جلد 17۔ص186)

''اس باب میں انتہائی بدترین قول جو ہم نے دیکھا اور جس کا فساد ظاہر ہے ان لوگوں کا قول ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ان شرکیہ جملوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود آیتوں کے درمیان اس لئے داخل کر لیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ایمان کے حریص تھے پھر آپؐ نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ ایسے قائلین پر توبہ کرنا واجب ہے: بہت بڑی بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہے، وہ سوائے جھوٹ کے کچھ نہیں کہتے۔

اسی طرح بدترین اقوال میں سے ایک قول یہ بھی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ کلمات فرشتوں کی تعریف میں نازل کئے گئے تھے لیکن مشرکوں نے اسے اپنے معبودوں کی تعریف سمجھا تو بعد میں یہ کلمات منسوخ ہو گئے۔''

مفسر احمد مصطفیٰ المراغی (م1364ھ):

مفسر احمد مصطفیٰ المراغی "افسانہ غرانیق" کے متعلق لکھتے ہیں کہ:"واذا قد دسّ بعض الزنادقة فی تفسیر هذه الآیة أحادیث مکذوبة لم ترد فی کتاب من الکتب الصحیحة، و أصول الدین تکذبها، والعقل السلیم یرشد إلی بطلانها، و أنها لیست من الحق فی شئ وهی مما تشکك المسلمین فی دینهم، وتجعلهم فی حیرة من أمرالوحی، و کلام الرسول صلی الله علیه وسلم فیجب علی العلماء طرحها و رآء هم ظهریًا ولا یضیعون الزمن فی

تأويلها و تخريجها ولا سيما بعد أن نص الثقات من المحدثين على وضعها و كذبها لمصادمتها لأصول الدين، التي لا تقبل شكًا ولا امتراء" (التفسیر المراغی جلد 17۔ص 130)

"بعض زنادقہ و ملاحدہ نے اس آیت (الحج 52) کی تفسیر میں ایسی جھوٹی احادیث کی آمیزش کی ہے کہ جن کا وجود کتب صحاح میں سے کسی کتاب میں بھی نہیں پایا جاتا۔ دین کے تمام اصول غرانیق کے قصے کو جھٹلاتے ہیں اور عقل سلیم بھی اس کے بطلان کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور یہ کہ اس قصے میں کوئی چیز بھی صحیح نہیں۔ اور یہ قصہ مسلمانوں کو ان کے دین کے بارے میں شک میں مبتلا کرتا ہے اور یہ قصہ مسلمانوں کو کلام رسول اور وحی کے معاملے میں حیرت میں ڈالتا ہے۔ پس علماء پر واجب و لازم ہے کہ وہ اس من گھڑت قصے کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیں اور اس کی تاویل و تخریج میں اپنا وقت ضائع نہ کریں۔ کیونکہ ثقہ محدثین نے اس قصہ کے اصول دین جو ہر قسم کے ریب و شک سے پاک ہیں، سے متصادم ہونے کی بناء پر اس کے وضعی اور جھوٹا ہونے کو دو ٹوک لفظوں میں بیان کیا ہے۔"

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (1399ھ/ 1979ء)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سورۃ الحج آیت 52 کی تفسیر میں قصہ غرانیق پر مفصل بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

ابن کثیر، بیہقی، قاضی عیاض، ابن خزیمہ، قاضی ابوبکر ابن العربی، امام رازی، قرطبی، بدرالدین عینی، شوکانی، آلوسی وغیرہ حضرات اس قصے کو بالکل غلط قرار دیتے ہیں......امام رازی، قاضی ابوبکر اور آلوسی نے اس پر مفصل بحث کر کے اسے بڑے پرزور طریقے سے رد کیا ہے۔ لیکن دوسری طرف حافظ ابن حجر جیسے بلند پایہ محدث اور ابوبکر جصاص جیسے نامور فقیہ اور زمخشری جیسے عقلیت پسند مفسر اور ابن جریر جیسے امام تفسیر و تاریخ وفقہ اس کو صحیح مانتے ہیں اور اسی کو آیت زیر بحث کی تفسیر قرار دیتے ہیں...

پہلی چیز خود اس کی اندرونی شہادت ہے جو اسے غلط ثابت کرتی ہے۔ قصے میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب ہجرت حبشہ واقع ہو چکی تھی اور اس واقعے کی خبر پا کر

مہاجرین حبشہ میں سے ایک گروہ مکہ واپس آ گیا۔ اب ذرا تاریخوں کا فرق ملاحظہ کیجئے:

ہجرت حبشہ معتبر تاریخی روایتوں کی رو سے رجب ۵ نبوی میں واقع ہوئی اور مہاجرین حبشہ کا ایک گروہ مصالحت کی غلط خبر سن کر تین مہینے بعد (یعنی اسی سال تقریباً شوال کے مہینے میں) مکے واپس آ گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ لامحالہ 5 نبوی کا ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل جس کی ایک آیت کے متعلق بیان کیا جارہا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل پر بطور عتاب نازل ہوئی تھی، معراج کے بعد اتری ہے اور معراج کا زمانہ معتبر ترین روایات کی رو سے "11" یا "12" نبوی کا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس فعل پر پانچ چھ سال جب گذر چکے تب اللہ تعالٰی نے عتاب فرمایا۔

اور زیر بحث آیت (سورۃ الحج آیت 52) جیسا کہ اس کا سیاق وسباق صاف بتا رہا ہے "ا" ہجری میں نازل ہوئی ہے یعنی عتاب پر بھی جب مزید دو ڈھائی سال گذر گئے تب اعلان کیا گیا کہ یہ آمیزش تو القائے شیطانی سے ہوگئی تھی اللہ نے اسے منسوخ کر دیا ہے۔

کیا کوئی صاحبِ عقل آدمی باور کرسکتا ہے کہ آمیزش کا فعل آج ہو، عتاب چھ سال بعد اور آمیزش کی تنسیخ کا اعلان"9" سال بعد؟...

ہم اس سے پہلے بھی بارہا کہہ چکے ہیں اور یہاں پھر اس کا اعادہ کرتے ہیں کہ کوئی روایت خواہ اس کی سند آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہو، ایسی صورت میں قابل قبول نہیں ہوسکتی جبکہ اس کا متن اس کے غلط ہونے کی کھلی کھلی شہادت دے رہا ہو۔ اور قرآن کے الفاظ، سیاق وسباق، ترتیب، ہر چیز اسے قبول کرنے سے انکار کررہی ہو۔ یہ دلائل تو ایک مشکک اور بے لاگ محقق کو بھی مطمئن کر دیں گے کہ یہ قصہ قطعی غلط ہے۔

رہا مومن تو وہ اسے ہرگز نہیں مان سکتا جبکہ وہ علانیہ یہ دیکھ رہا ہے کہ یہ روایت قرآن کی ایک نہیں بیسیوں آیتوں سے ٹکراتی ہے۔ ایک مسلمان کے لئے یہ مان لینا بہت آسان ہے کہ خود اس روایت کے راویوں کو شیطان نے بہکادیا بہ نسبت اس کے کہ وہ یہ مان لے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنی خواہش نفس سے قرآن میں ایک لفظ بھی ملا سکتے تھے،

یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال آ سکتا تھا کہ توحید کے ساتھ شرک کی کچھ آمیزش کر کے کفار کو راضی کیا جائے،

یا آپؐ اللہ تعالیٰ کے فرامین کے بارے میں کبھی یہ آرزو کر سکتے تھے کہ کاش اللہ میاں ایسی کوئی بات نہ فرما بیٹھیں جس سے کفار ناراض ہو جائیں یا یہ کہ آپؐ پر وحی کسی ایسے غیر محفوظ اور مشتبہ طریقے سے آتی تھی کہ جبرئیل کے ساتھ شیطان بھی آپؐ پر کوئی لفظ القاء کر جائے اور آپؐ اسی غلط فہمی میں رہیں کہ یہ بھی جبرئیل ہی لائے ہیں۔

ان میں سے ایک ایک بات قرآن کی کھلی کھلی تصریحات کے خلاف ہے۔اور ان ثابت شدہ عقائد کے خلاف ہے جو ہم قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں رکھتے ہیں۔خدا کی پناہ اس روایت پرستی سے جو محض سند کا اتصال یا راویوں کی ثقاہت یا طرقِ روایت کی کثرت دیکھ کر کسی مسلمان کو خدا کی کتاب اور اس کے رسول کے بارے میں ایسی سخت باتیں بھی تسلیم کرنے پر آمادہ کر دے۔''(تفہیم القرآن جلد سوم ص 244۔240)

مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ (م 1400ھ/ 1980ء):

مولانا مفتی محمودؒ صاحب سورۃ الحج آیت ۵۲ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

بعض مفسرین نے یہاں ایک قصہ نقل کیا ہے جیسے صاحب جلالین وغیرہ نے کہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سورۃ نجم کی تلاوت فرما رہے تھے جب آپؐ نے یہ آیتیں پڑھیں تو شیطان نے آپ کی زبان پر یہ جاری کر دیا: ''تلك الغرانيق العلى۔ وان شفاعتهن لترتجى ''یعنی یہ خوبصورت مورتیاں ہیں اور ان کی سفارش کی امید کی جا سکتی ہے۔

لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بتوں کی تعریف پر مشتمل جملے سن کر مشرکین مکہ بہت خوش ہو گئے اور آپؐ نے سورۃ نجم کے آخر میں سجدہ کیا تو تمام کفار نے آپؐ کے ساتھ سجدہ ادا کیا، سوائے ایک کے کہ اس نے مٹھی بھر مٹی اٹھا کر چہرہ کے ساتھ لگائی۔لیکن اس قصے کی کوئی حقیقت نہیں ہے کیونکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان ہی شیطان کے اثر سے محفوظ نہیں رہی تو آپؐ کے لائے ہوئے دین پر اعتماد کیوں کر ہوگا؟ لہٰذا

صاحب جلالین کی یہ تفسیر لغو اور فضول ہے۔"(تفسیر محمود جلد دوم ص 451)

مولانا امین احسن اصلاحی (1997ء):

مولانا امین احسن اصلاحی سورۃ الحج آیت ۵۲ کی تفسیر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ:

"اس توضیح کے بعد اس فضول سی روایت کی تردید کی ضرورت باقی نہیں رہی جو ہمارے مفسرین نے، اللہ ان کو معاف کرے، اپنی کتابوں میں اس آیت کے شانِ نزول کی حیثیت سے درج کر دی ہے۔ اول تو یہ آیت جیسا کہ آپ نے دیکھا، کسی شان نزول کی محتاج نہیں ہے بلکہ اپنے مفہوم و مدعا میں بالکل واضح اور اپنے سابق ولاحق سے بالکل مربوط ہے۔

پھر ستم یہ ہے کہ جو روایت یہ حضرات نقل کرتے ہیں نہ اس کا روایت کے اعتبار سے کوئی وزن ہے، نہ درایت کے پہلو سے بلکہ وہ محض زنادقہ کا ایک القائے شیطانی ہے جو انہوں نے حضرات انبیاء کی عصمت کو مجروح کرنے کے لئے گھڑا ہے اور حضرات مفسرین اپنی "سادہ لوحی" کی وجہ سے اس کو اپنی کتابوں میں نقل کرتے آرہے ہیں۔"(تدبّر قرآن۔جلد 5۔ص 271)

موصوف کی یہ بات صد فی صد درست ہے کہ شیطان نے یہ کلمات نہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر القاء کئے تھے اور نہ ہی آپؐ کی آواز میں آواز ملا کر اس نے خود ادا کئے تھے بلکہ اس نے براہ راست مذکورہ شرکیہ کلمات زنادقہ وملاحدہ اور امام طبری کے راویوں پر القاء کئے تھے جنہیں امام طبری وامثالہ نے صحیح سمجھ کر سورۃ الحج آیت 52 کی تفسیر میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔

پیر سید محمد کرم شاہ از ہری (م 1418ھ/ 1998ء):

پیر سید محمد کرم شاہ ازہری سورۃ الحج آیت 52 کی تفسیر کرتے ہوئے "مقام مصطفیٰؐ" اور عصمت مصطفیٰؐ" کا دفاع کرتے ہوئے پورے جلال میں نظر آتے ہیں اور انصاف کی بات یہ ہے کہ موصوف نے ضیاء القرآن اور ضیاء النبیؐ میں قصہ غرانیق سے متعلق جملہ روایات اور ان کی تاویلات باطلہ کے تارو پود بکھیر کر دفاع کا حق ادا کر دیا ہے۔

کاش! کہ روزنامہ اسلام کے سرپرستوں کو بھی اس کا "کچھ حصہ" حاصل ہوتا اور وہ بھی

اس حوالے سے مقام مصطفیٰؐ اور عصمت انبیاءؑ کے دفاع کا فریضہ ادا کرتے مگر صد افسوس انہوں نے الٹا ''عصمت انبیاءؑ'' کے سراسر منافی مکروہ کالم کو اپنے اخبار میں شائع کر دیا۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ بعض حضرات کے احتجاج اور توجہ دلانے کے باوجود اخبار کی انتظامیہ کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی حالانکہ انہیں تو چاند کے طلوع ہونے سے دنوں پہلے اس کی تاریخ ولادت اور وقت ولادت کا بھی علم ہو جاتا ہے مگر انہیں اپنے ہی اخبار کے ادارتی صفحہ پر بالاقساط کالموں میں ''عصمت مصطفیٰؐ'' مجروح اور داغ دار ہوتے ہوئے نظر نہ آئی۔

پیر کرم شاہ صاحب زیر بحث آیت کا قرآن و حدیث کی روح کے مطابق مفہوم و مطلب واضح کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

''آیت کا یہ مفہوم اتنا واضح اور دوسری آیات کے عین مطابق ہے کہ کسی قسم کا تذبذب نہیں رہتا لیکن بعض کتابوں میں ایک روایت کے درج ہو جانے سے اس آیت کا مطلب کچھ سے کچھ کر دیا گیا جس سے صرف اپنوں کے دلوں میں اضطراب کی لہر پیدا نہیں ہوئی بلکہ دشمنانِ اسلام کو قرآن، صاحبِ قرآن اور دین اسلام کی صداقت پر حملہ کرنے کے لئے ایک مہلک ہتھیار مل گیا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ آیت کی اس واضح اور صاف تشریح پر ہی یہ فقیر اکتفاء کرتا اور اس روایت کی طرف التفات کئے بغیر آگے بڑھ جاتا لیکن کیونکہ یہ روایت ہماری کتابوں میں راہ پا گئی ہے اور دشمنانِ اسلام نے اس سے فائدہ اٹھا کر اسلام کے خلاف طوفان برپا کر رکھا ہے۔ اب اس سے تعرض نہ کرنا بھی ادائے فرض میں کوتاہی کے مترادف ہے۔ اس لئے بادل نخواستہ وہ روایت نقل کر رہا ہوں۔ اس کے بعد علمائے محققین نے جس طرح اس کے پرخچے اڑائے ہیں ان کا بالاجمال ذکر کروں گا تاکہ کسی طالبِ حق کے لئے تردد و تذبذب کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ واللہ المستعان و علیہ التکلان

''ایک معمولی سمجھ بوجھ کا انسان جسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کا کچھ بھی علم ہے وہ تو اس روایت کو سنتے ہی کہہ دے گا کہ یہ جھوٹ کا پلندا ہے اور دشمنان اسلام کی سازش ہے...

نیز یہ امر بھی غور طلب ہے کہ سورۃ الحج کی آیت 52 مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی اور سورۃ

نجم کا نزول اور یہ قصہ جو گھڑا گیا ہے اس کا وقوع ہجرت سے پہلے کئی سال مکہ مکرمہ میں ہوا تو عجیب بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرنے سے جو حزن و ملال ہوا اسے دور کرنے کے لئے اتنے عرصہ دراز تک کوئی آیت نازل نہ ہوئی اور کئی سالوں کے بعد اللہ تعالیٰ کو خیال آیا کہ اپنے رسول کو مطمئن کرے اور یہ آیت نازل کی۔ کیا ایسی بے تکی بات کوئی صاحب عقلِ سلیم تسلیم کرسکتا ہے؟

اس آیت میں کوئی ایسی چیز مذکور نہیں جو رحمت عالمیاں صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی جاسکے بلکہ اس میں صرف پہلے رسولوں اور نبیوں کا ذکر ہے اس لئے اس آیت سے یہ اخذ کرنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی فعل سرزد ہوا اور اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی سرے سے ہی غلط ہے... یہ بات تو ایک معمولی مسلمان سے بھی سرزد نہیں ہوسکتی، چہ جائیکہ اس کو اس ذات پاک کی طرف منسوب کیا جائے جو ہر قسم کی غلطی اور خطاء سے معصوم ہے، یہ روایت تو زندیقوں کی گھڑی ہوئی ہے، اس کو ردی چیز کی طرح پھینک دینا ضروری ہے، یہ روایت جھوٹی ہے، باطل ہے اور گھڑی ہوئی ہے، اس روایت کی کوئی تاویل درست نہیں، اس کا کوئی صحیح محمل اور مصداق تلاش نہیں کیا جاسکتا، یہ روایت اپنی تمام تاویلات، احتمالات اور اختلاف الفاظ کے ساتھ مسترد کردینے کے قابل ہے۔

(اول تو) یہ روایت ضعیف، موضوع اور زنادقہ کی گھڑی ہوئی ہے اس لئے اس کی تاویل کرنے کی بھی قطعاً کوئی ضرورت نہیں اور اگر (بفرضِ محال) اس روایت کی کوئی سندِ صحیح بھی ثابت ہوجائے تو بھی وہ ضعیف اور نا قابل اعتبار ہوگی کیونکہ آیات قرآنی کے صریح مخالف ہے اور اب تو یہ آیات قرآنی کے بھی خلاف ہے اور اس کی کوئی صحیح سند بھی نہیں ہے۔ ان حالات میں اہل نظر کے لئے یہ کب قابل التفات ہوسکتی ہے، امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ تبلیغ کلام الٰہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز غلطی نہیں ہوسکتی نہ قصداً، نہ عمداً، نہ سہواً اور نہ غلطاً۔ اس میں نبی ہر طرح معصوم ہیں۔

قاضی ابوبکر ابن العربی الاندلسی جب اس آیت کی تفسیر کرنے لگے ہیں تو اس روایت کا

ذکر کرکے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غصہ سے ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا ہے اور دل بے چین و بے قرار ہوگیا ہے اپنی سابقہ روش کے بالکل برعکس اس روایت کو باطل کرنے کے لئے ایک مستقل فصل لکھی ہے جس کا عنوان ہے:"تنبیه الغبی علیٰ مقدار النبی" اور لکھتے ہیں:

"ونرجو به عندالله الجزاء الأوفٰی فی مقام الزلفٰی"

کہ اس فصل کے لکھنے سے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقام قرب میں مجھے عظیم جزاء دے گا۔ اہل علم سے درخواست ہے کہ وہ ضرور اس فصل کا مطالعہ کریں۔

یہ ان باتوں میں سے ایک بات ہے جو شیطان اپنے زندیق پیروکاروں کے دلوں میں ڈالتا ہے تا کہ لوگوں کو اسلام سے برگشتہ کریں جناب رسالت مآبؐ اس قسم کی روایتوں سے مبرا و منزہ ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے ان روایات کو کثرت اسانید کی وجہ سے قبول کیا ہے جس میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے۔ ان روایات کی اسانید کے متعلق وہ بھی یہ اعتراف کرتے ہیں کہ "ان روایات کی تمام اسانید ہر چند کہ ضعف، انقطاع اور ارسال سے خالی نہیں لیکن چونکہ یہ روایت متعدد اسانید سے منقول ہے اس لئے اس کی کثرت اسانید سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی کوئی نہ کوئی اصل ہے۔"

علامہ ابن حجر کا مقام علم حدیث میں بہت بلند ہے، ہم ان کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتے لیکن یہاں یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ ایک روایت جس کو تسلیم کرنا عقلاً محال ہے اور جس کی تمام اسانید میں خود بقول ان کے ضعف، انقطاع اور ارسال جیسی علتیں موجود ہیں صرف کثرت اسانید سے اس کی اصل کیسے ثابت ہو جاتی ہے؟ کیا کثرت اسانید اور ان سب کے مرسل، منقطع یا ضعیف ہونے کی وجہ سے یہ بات زیادہ قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی کہ جن لوگوں نے اس قصہ کو تراشا ہے، انہوں نے بڑی ہوشیاری سے اس کے لئے متعدد اسانید بھی وضع کر دی ہیں تا کہ ان کی کثرت کو دیکھ کر لوگ یہ محسوس کرنے لگیں کہ اس کی کچھ نہ کچھ اصل ضرور ہوگی؟

قصہ غرانیق کو بیان کرنے والی روایات کی صرف اسناد ہی قابل اعتماد نہیں بلکہ ان

روایات کے متن کی بھی یہی حالت ہے۔ان روایات کے متن میں اتنا ہی اضطراب ہے کہ اس اضطراب کی موجودگی میں،ان روایات کو کوئی وقعت نہیں دی جا سکتی۔

یہ قصہ نقلاً بھی نا قابل اعتبار بلکہ دوٹوک الفاظ میں مسترد کر دینے کے قابل ہے اور عقلاً بھی اس کو تسلیم کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔اول تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت اور الہامی ہدایت کی حفاظت کی خدائی انتظامات کی موجودگی میں اس قسم کے الفاظ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے ادا ہونا ممکن ہی نہیں۔معمولی عربی جاننے والا شخص بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ الفاظ اسلام کے عقیدہ توحید سے متصادم ہیں۔یہ کیسے ممکن ہے کہ مشرکین نے تو یہ کلمات سنتے ہی فوراً سمجھ لیا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (العیاذ باللہ) اسلام سے منہ موڑ کر اپنے آبائی دین کی طرف رجوع کر لیا ہے۔لیکن نہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی بڑی بات کو محسوس کیا ہو اور نہ ہی صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے اتنی بڑی بات کی نشاندہی کی ہو اور اس وقت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنے بڑے سانحے کا علم ہی نہ ہوا ہو جب تک حضرت جبرئیل امین نے آکر آپ کو متنبہ نہ کیا ہو؟ کیا اس واقعے کے وقت سب ایماندار سو رہے تھے یا ان سب پر عالم بے ہوشی طاری تھا؟ خدا کا کلام تو مخلوق کے کلام سے ممتاز ہوتا ہے۔ولید بن مغیرہ وغیرہ سردارانِ عرب کفر کے باوجود قرآن حکیم کو دوسرے کلاموں سے ممتاز کر لیتے تھے کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم (نعوذ باللہ) شیطان کے کلام کو خدا کے کلام سے ممتاز نہ کر سکے؟

جن روایات میں یہ افسانہ بیان کیا گیا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف کفار کی طرف مائل ہونے کا الزام نہیں لگا رہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یہ بھی کہہ رہی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر قرآن کو قرآن کہا اور بتوں کی تعریف کی حالانکہ ثقیف اور قریش نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کش کی تھی کہ آپ صرف ان بتوں کی طرف رخ کریں تو وہ مسلمان ہو جائیں گے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس پیش کش کو ٹھکرا دیا تھا۔کیا اس تضاد کو عقل سلیم تسلیم کر سکتی ہے؟

اگر یہ واقعہ پیش آیا ہوتا تو جہاں کفار خوش ہوئے تھے وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد

جتنے مسلمان جمع تھے وہ اسلام سے کنارہ کش ہو جاتے۔ انہیں نہ ان کلمات کی یہ وضاحت مطمئن کر سکتی کہ یہ شیطان کی کارروائی تھی اور شیطان پہلے نبیوں کے ساتھ بھی یہی کرتا رہا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی اور تاویل انہیں مطمئن کر سکتی۔ وہ سوچتے کہ جب الہامی ہدایت ہی شیطانی دخل اندازی سے محفوظ نہیں اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وحی ربانی اور القائے شیطانی میں تمیز نہیں کر سکتے تو پھر حق کے حق ہونے پر کس طرح اعتماد کر لیا جائے۔

وہ لوگ اسلام کی خاطر قربانیاں دے رہے تھے وہ قوت یقین کے بغیر ممکن ہی نہ تھیں۔ جب اس قسم کے واقعے سے یقین متزلزل ہو جاتا تو نہ تو وہ اسلام کی خاطر قربانیاں دے سکتے اور نہ اسلام پر قائم رہنا ان کے لئے ممکن ہوتا۔ اس واقعے کی بناء پر کسی ایک مسلمان کی طرف سے کسی قسم کے احتجاج کا ظاہر نہ ہونا، اس حقیقت کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ یہ واقعہ بے اصل اور اسے اسلام دشمن قوتوں نے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے گھڑا ہے۔

مزید برآں یہ حدیث متواتر ہے کہ شیطان خواب میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں کسی کو دکھائی نہیں دے سکتا تاکہ مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں دھوکہ دے سکے تو اس کی کیا مجال کہ سرچشمۂ ہدایت کو وہ گدلا کر سکے۔

علامہ محمد الصادق عرجون نے اپنی کتاب "محمد رسول اللہ" کی دوسری جلد میں اس واقعے کی ایک ایک روایت کو علیحدہ بیان کر کے اس کو عقلاً اور نقلاً ناقابل اعتبار ثابت کیا ہے۔ انہوں نے اس قصے کے مختلف راویوں کے متعلق یہ ثابت کیا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔

جن علمائے ملت نے اسانید کی کمزوری کے باوجود اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ کثرت طرق اس بات کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ اس واقعہ کی کوئی اصل ہے، علامہ (عرجون) ان پر خوب برسے ہیں بلکہ وہ علماء جنہوں نے اس کی صحت کا انکار کیا لیکن ساتھ ہی یہ کہا ہے کہ اگر بالفرض اس واقعہ کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کی یہ تاویل ممکن ہے، علامہ نے ان کے خلاف بھی خوب لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے انہوں نے اپنے اس موقف کو بیان کرنے کے لئے کیا انداز اختیار کیا ہے؟ فرماتے ہیں:

یہ ایک گھڑا ہوا افسانہ ہے جو ہر لحاظ سے باطل ہے۔ یہ اول و آخر ایک خبیث جھوٹ

ہے۔ یہ ایک کافرانہ جھوٹ ہے جسے گھڑنے والا یا تو کوئی احمق اور جاہل جوان ہے یا کوئی حاسد اور بے ایمان بوڑھا، جو اسلام کا دشمن ہے یا کوئی فسادی منافق اور فاجر ہے اور یہ افسانہ اس کے دل میں شیطان مردود نے ڈالا ہے۔

پیر کرم شاہ صاحب نے اس بحث کے آخری سات صفحات میں قصہ غرانیق کے حوالے سے مستشرقین کے اعتراضات کا بھی مسکت جواب دیا ہے۔فجزاه الله أحسن الجزاء عنا وعن سائر المسلمين۔ ملاحظہ ہو تفسیر ضیاء القرآن جلد سوم ص 224 تا 226،ضیاء النبیؐ جلد دوم ص 347 تا 355،ضیاء النبیؐ جلد ششم از صفحہ نمبر 605 تا 643

علامہ ناصر الدین البانی (م 1420ھ/ 1999ء):

علامہ ناصر الدین البانی قصہ غرانیق کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

ایسی خبر کو قبول کرنے کے لئے صحیح نقلی دلیل کا پایا جانا ضروری ہے اور یہ کوئی بعید بات نہیں کہ یہ جھوٹی خبر بعد میں گھڑی گئی ہے بلکہ یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔اس لئے کہ کسی بھی صحابی سے معتبر سند کے ذریعے یہ جھوٹی خبر مروی نہیں ہے بلکہ اس کی تمام سندیں مرسل ہیں یعنی سلسلۂ سند سے صحابی کا نام مفقود ہے۔کسی کو معلوم نہیں کہ عہد نبوت و رسالت پانے والے کسی صحابی نے اسے بیان کیا ہے اور میں نے اس قصے کے باطل ہونے کو پوری تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب "نَصْبُ الْمَجَانِيْقِ لِنَسْفِ قِصَّةِ الْغَرَانِيْقِ" میں بیان کر دیا ہے۔(تعلیق شیخ البانی علی فقہ السنۃ، محمد غزالی ص 115۔118۔بحوالہ "الصادق الامین" ص 212۔مؤلفہ ڈاکٹر محمد لقمان السلفی۔)

شیخ البانی نے 72 صفحات پر مشتمل اپنی مذکورہ کتاب میں "قصہ غرانیق" کا ہر لحاظ سے رد کیا ہے اور ان لوگوں کا بھی تعاقب کیا ہے جنہوں نے تاویل کر کے اسے ثابت کرنا چاہا ہے۔

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب (1437ھ/ 2016ء):

علامہ غلام رسول سعیدی نے مفسرین کے اقوال کی روشنی میں سورۃ الحج آیت 52 کی تفسیر میں قصہ غرانیق کی روایتاً و درایتاً دھجیاں بکھیر کر عقیدہ "عصمت مصطفیؐ" کا خوب تحفظ اور دفاع کیا ہے۔موصوف "غرانیق" کی روایت نقل کر کے لکھتے ہیں:

یہ روایت اپنی تمام اسانید کے ساتھ سنداً باطل اور عقلاً مردود ہے۔ کیونکہ نہ یہ ممکن ہے کہ شیطان آپؐ کی زبان سے کلام کرے اور نہ یہ کہ اپنی آواز کو آپؐ کی آواز کے مشابہ کر سکے اور سننے والے اس کی آواز، آپؐ کی آواز قرار دیں۔ اگر بالفرض یہ ممکن ہو تو تمام شریعت سے اعتماد اٹھ جائے گا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ہم تک صحابہ کی روایت سے جو احکام پہنچے ہیں وہ آپؐ کا فرمان نہ ہوں بلکہ شیطان کا کہا ہوا ہو۔

نیز حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ شیطان خواب میں آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل نہیں بن سکتا تو جب شیطان آپؐ کی صورت کے مماثل نہیں ہو سکتا تو آواز کے مماثل کیسے ہو سکتا ہے، اور جب وہ سونے والے پر اشتباہ نہیں ڈال سکتا حالانکہ وہ اس حال میں مکلّف نہیں ہوتا تو بیدار پر کیسے اشتباہ ڈال سکتا ہے جبکہ وہ مکلّف ہوتا ہے...

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس روایت کی یہ تاویل کی ہے کہ شیطان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہ آواز میں یہ کلمات کہے اور سننے والوں نے یہ سمجھا کہ آپؐ نے یہ کلمات فرمائے ہیں۔ اس جواب کو بعض علماء نے اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے۔ لیکن یہ جواب اس لئے صحیح نہیں ہے کہ جس طرح شیطان آپؐ کی مثل نہیں بن سکتا اسی طرح آپ کی آواز کی مثل بھی نہیں بنا سکتا۔ کیونکہ مماثلت کی نفی یا اس وجہ سے ہے کہ ہدایت و گمراہی میں اشتباہ نہ ہو یا تعظیم کی وجہ سے ہے اور اگر شیطان آپؐ کی آواز کی مثل پر قادر ہو تو یہ تعظیم کے خلاف ہے اور اگر شیطان آپؐ کی آواز کی نقل اتار سکے اور لوگ شیطان کی آواز کو آپؐ کی آواز سمجھ لیں تو ہدایت، گمراہی کے ساتھ مشتبہ ہو جائے گی۔

بعض علماء نے اس پر اس سے استدلال کیا ہے کہ لوگ شیطان کی آواز سنتے تھے کیونکہ جنگ بدر میں شیطان نے کفار سے کہا تھا کہ:

"لا غالب لکم الیوم" اور جنگ احد میں شیطان نے آواز دی تھی کی "حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے" لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہاں شیطان کی آواز، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کے مشابہ تھی نہ کسی نے اس کی آواز کو آپؐ کی آواز کے مشابہ سمجھا تھا پھر

اس سے اس پر کیسے استدلال ہوسکتا ہے کہ شیطان آپؐ کی آواز کی مشابہت کرسکتا ہے؟

میرے نزدیک چونکہ یہ روایت بارگاہ رسالت کی عظمتوں کے منافی تھی، اس لئے میں نے اس کے رَد اور ابطال میں کافی تفصیل اور تحقیق سے گفتگو کی ہے...میں نے دیکھا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی اتباع میں بعض جید علماء نے بھی اس موضوع روایت کو اس باطل تاویل کے سہارے اختیار کرلیا ہے، جس کو بھی ہم نے حافظ ابن حجر عسقلانی کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ تاہم یہ علماء صحیح العقیدہ ہیں اور ان کی نیت فاسد نہیں ہے صرف روایت پرستی کے روگ کی وجہ سے انہوں نے اس روایت کو اس باطل تاویل کے ساتھ اپنی تصانیف میں درج کردیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور مصنف کے دل میں محبت رسول کو اور زیادہ کرے۔

اے اللہ! تو گواہ ہے کہ میں شخصیت پرست نہیں ہوں، اللہ اور اس کے رسول کی حرمت سے بڑھ کر مجھے کسی کی حرمت عزیز نہیں ہے۔ میں نے جو یہ سعی کی ہے وہ صرف اور صرف مقام رسول کے تحفظ کی خاطر کی ہے۔ اے اللہ! اس کوشش کو قبول فرما اور اس کو مصنف کے لئے توشۂ آخرت اور مغفرت اور رحمت کا ذریعہ بنادے۔

(تبیان القرآن جلد ہشتم ص 777۔785)

مولانا سلیم اللہ خان صاحب صدر وفاق العربیہ پاکستان:

مولانا سلیم اللہ خان صاحب ''قصہ غرانیق'' کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

اکثر حضرات نے اس قصہ کو بالکل غلط اور موضوع قرار دیا ہے۔ علامہ بیہقی، حافظ ابن کثیر، قاضی عیاض، ابوبکر ابن العربی، ابن خزیمہ، امام رازی، قرطبی، علامہ عینی، علامہ شوکانی اور علامہ آلوسی نے اس کی تردید کی ہے۔ نووی، کرمانی، ذہبی اور ابو منصور ماتریدی نے بھی تردید کی ہے۔

محمد بن اسحاق بن خزیمہ نے فرمایا: "هذا من وضع الزنادقة" اور اس کے رد میں مستقل ایک کتاب لکھی۔ امام قرطبی فرماتے ہیں: "وليس منها شيء يصح" علامہ خازن فرماتے ہیں: "انه لم يروها أحد من أهل الصحة ولا أسندها ثقة بسند صحيح أو سليم متصل" ، امام ابوسعود رقم طراز ہیں: "وهو المردود عندالمحققين" ، امام رازی فرماتے ہیں: "هذه القصة موضوعة" ،

ابن العربی فرماتے ہیں:"ذکر الطبری فی ذلك روایات کثیرة باطلة لا أصل لها"،قاضی عیاض نے شفاء میں فرمایا:"یکفیك فی توهین هذا الحدیث انه لم یخرجه أحد من أهل الصحة ولا رواه ثقة بسند صحیح سلیم متصل"،اورعلامہ قنوی فرماتے ہیں:"وهو مردود عندالمحققین... بل یجب أن یکون مردودا عند جمیع المسلمین"۔

لیکن حافظ ابن حجر،علامہ زمخشری اور حافظ ابن جریر اس قصہ کو درست مانتے ہیں۔ حافظ ابن حجر اس قصہ کے مختلف طرق ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وکلها سوی طریق سعید بن جبیر اما ضعیف وإلّا منقطع لکن کثرة الطرق تدل علی ان للقصة أصلا، مع أن لها طریقین آخرین مرسلین، رجالهما علی شرط الصحیحین، أحدهما ما أخرجه الطبری من طریق یونس بن یزید عن ابن شهاب... والثانی أیضا ما أخرجه من طریق المعتمر بن سلیمان و حماد بن سلمة عن داوٗد بن أبی هند عن أبی العالیة"۔

آگے جولوگ اس واقعہ کو درست قرار نہیں مانتے ان پر رد کرتے ہوئے (ابن حجر) لکھتے ہیں:

"وجمیع ذلك لا یتمشی علی القواعد، فان الطرق اذا کثرت و تباینت مخارجها دل ذلك علی أن لها أصلاً، وقد ذکرت أن ثلاثة أسانید منها علی شرط الصحیح، وهی مراسیل یحتج بمثلها من یحتج بالمرسل، و کذا من لا یحتج به لاعتضاد بعضها ببعض۔"(فتح الباری جلد8ص439)

حافظ ابن حجر کا مقصد یہ ہے کہ دوسرے تمام طرق کے علاوہ تین طرق اس قصہ کے درست ہیں اور مرسل ہیں۔ دوطریق ان میں سے ابن جریر نے ذکر کئے ہیں اور ایک کی بزار نے تخریج کی ہے۔ان تمام طرق کو پیش نظر رکھ کر انصاف کی بات یہی ہے کہ اس قصہ کی کچھ اصل ضرور ہے۔روایات کو ضعیف کہہ کر اس کو رد نہیں کیا جاسکتا۔

اور جب قصہ کو روایات کی بنیاد پر درست تسلیم کرلیا جائے تو پھر اس پر اشکال ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اطہر پر شیطان کو کیوں کر قدرت حاصل ہوئی کہ اس نے آپؐ کی زبان سے یہ شرکیہ الفاظ القاء کرائے،یہ تو تمام نصوص کے معارض ہے بلکہ اگر اس کو

درست تسلیم کرلیا جائے تو پھر تو پورا دین مشکوک ہوجائے گا۔اس لئے جن حضرات نے اس قصہ کو روایت کی بناء پر درست مانا ہے، انہوں نے اس کی مختلف توجیہات پیش کی ہیں۔

حافظ ابن حجر نے سات توجیہات نقل کی ہیں:

1۔اس وقت آپ کو اونگھ آ گئی تھی اور اس بے خبری کی حالت میں یہ الفاظ نکلے، لیکن یہ توجیہ درست نہیں کیونکہ شیطان کو نیند میں بھی آپؐ پر قدرت حاصل نہیں ہے۔

2۔آپؐ کو شیطان نے مجبور کیا اور غیر اختیاری حالت میں یہ الفاظ آپؐ کی زبان سے نکلے۔ لیکن یہ توجیہ بھی درست نہیں، شیطان میں آپؐ کو مجبور کرنے کی قوت نہیں ہے خود اس کا کہنا ہے: "مَاكَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ" شیطان کو اگر اس طرح کی قوت حاصل ہوتو پھر کوئی بھی اللہ جل شانہ کی اطاعت نہیں کر سکے گا۔

3۔بعض نے کہا مشرکین اپنے معبودوں کا جب ذکر کرتے تو مذکورہ الفاظ کہتے اور آپؐ نے چونکہ یہ الفاظ ان سے کئی بار سنے تھے اس لئے آپؐ کی زبان پر بھی ان کے معبودوں کے ذکر کے وقت مذکورہ الفاظ سہواً جاری ہوگئے۔لیکن قاضی عیاض نے اس توجیہ کو بھی رد کیا ہے کہ آپؐ سے اس طرح کا سہو ممکن نہیں۔

4۔بعضوں نے کہا کہ آپؐ نے مذکورہ الفاظ توبیخاً کہے تھے۔

قاضی عیاض نے کہا کہ اس قسم کے الفاظ اس وقت توبیخاً کہے جاسکتے ہیں جب آدمی کی مراد پر کوئی قرینہ پایا جاتا ہو، باقلانی کا میلان اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔

5۔بعض کہتے ہیں کہ مشرکین میں سے کسی نے یہ الفاظ کہے تھے، ابن عاشور وغیرہ نے کہنے والے کا نام ابن الزبعری لکھا ہے۔آیت میں نسبت شیطان کی طرف اس لئے کی گئی ہے کہ یہ الفاظ اس نے شیطان کے القاء سے کہے تھے، یا شیطان سے شیطان الانس مراد ہے۔

6۔ایک قول یہ بھی ہے کہ "الغرانیق" سے فرشتے مراد ہیں۔مشرکین کے معبود اصنام مراد نہیں ہیں لیکن مشرکین نے جب اس کو اپنے اصنام پر محمول کیا تو اللہ تعالی نے ان دونوں جملوں کو منسوخ قرار دیا اور اپنی آیات کو مستحکم اور پختہ کردیا۔

7۔ ایک اور توجیہ یہ کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ" پر وقف کیا تو شیطان نے اس درمیان مذکورہ الفاظ کہے، سمجھا یہ گیا کہ آپؐ نے کہے ہیں۔

قاضی عیاض، ابن العربی نے اس توجیہ کو پسندیدہ قرار دیا ہے، حافظ ابن حجر نے بھی اسی کو راجح قرار دیا (فتح الباری جلد 8، ص 440)

یہ توجیہات قاضی عیاض نے کی ہیں۔ قاضی عیاض اس واقعہ کو درست نہیں مانتے ہیں لیکن یہ توجیہات انہوں نے روایت کو "علی سبیل الفرض والتقدیر" ثابت ماننے کے بعد نقل کی ہیں۔ لیکن جس توجیہ کو ابن حجر نے راجح قرار دیا وہ ان روایات کا جواب نہیں بن سکتی ہیں جس میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ مذکورہ الفاظ شیطان نے آپؐ کی زبان مبارک سے ادا کرائے، حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ قصہ موضوع، من گھڑت اور غلط ہے اور اس کے غلط ہونے پر کئی شہادتیں ہیں... (کشف الباری۔ کتاب التفسیر۔ سورۃ الحج آیت 52۔ ص 449 تا 452)

حضرت مفتی صاحب!

صحیح بات یہ ہے کہ مذکورہ ساتوں توجیہات فاسد اور باطل ہیں جو نص کے خلاف ہونے کی بناء پر مردود ہیں اگر بفرض محال ان میں سے جسے بھی راجح قرار دیا جائے تو امام طبری کی منقولہ روایات پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا کیونکہ ان میں واضح طور پر یہ بات پائی جاتی ہے کہ شرکیہ کلمات خود شیطان نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر القاء کئے تھے، آپؐ نے خود ان کلمات کو صحابہؓ و مشرکین کی عام محفل میں اپنی زبان سے ادا کیا تھا۔ بعد میں حضرت جبریلؑ کے سامنے بھی یہ کلمات دہرائے، جبریلؑ نے بتایا کہ میں نے تو آپؐ کو یہ کلمات نہیں بتائے تھے آپؐ نے کس طرح ان کی تلاوت کر دی۔ آپؐ نے تو اللہ پر افتراء کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جبریلؑ کے سامنے اقرار کیا کہ میں نے یہ کلمات پڑھ کر اللہ پر افتراء کیا ہے۔ اللہ نے جو بات نہیں کہی تھی میں نے وہ کہہ دی پھر سخت مغموم ہوئے اور بہت خوف محسوس کرنے لگے تب اللہ تعالیٰ نے تسلی دیتے ہوئے سورۃ الحج کی آیت 52 نازل فرمائی۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ تمام مفسرین حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث سلفی نے قصہ غرانیق سے متعلق تمام روایات کو عصمت انبیاء کے منافی اور انہیں زنادقہ و ملاحدہ کی سازش قرار دے کر رد کر دیا ہے۔

اسی طرح امت مسلمہ کے محقق مفسرین نے ابن حجر و امثالہ کی تمام تاویلات کو بھی ''بعیدہ، فاسدہ و باطلہ'' گردانتے ہوئے نا قابل التفات قرار دیا ہے۔

''امام المفسرین والمؤرخین'' جناب طبری نے اس سلسلے میں جو روایات پیش کی ہیں کوئی مومن بالقرآن و بالرسول ایک لمحہ کے لئے بھی ان کے ساتھ اتفاق نہیں کر سکتا کیونکہ ان کی رو سے یہ بات ''ثابت'' ہوتی ہے کہ ''شیطانی کلمات'' ادا کرنے سے پہلے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی مخالفت کم کرنے اور ان سے تعلقات بہتر بنانے کی خاطر اس ''خواہش'' کا اظہار فرمایا تھا کہ قریش قریب آ گئے ہیں اب کہیں اللہ کوئی ایسا حکم نازل نہ کر دے جس کی وجہ سے یہ مشرکین مجھ سے نفرت کرنے لگیں اور مزید دور ہو جائیں: (فتمنى يومئذ ان لا ياتيه من الله شيئ فينفروا عنه فأنزل الله عليه ...) اس کے بعد امام طبری نے سورۃ النجم کا حوالہ دے کر کہا کہ جب آپؐ اس سورۃ مبارکہ کی آیت 19-20 پر پہنچے تو شیطان نے آپؐ پر زیر بحث کلمات القاء کر دیئے جنہیں با قاعدہ آپؐ نے پڑھا... امام طبری اور ان کے راوی کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر یہ بدترین الزام ہے کہ آپؐ یہ خواہش رکھتے تھے کہ اس موقع پر اللہ کوئی ایسا حکم نازل نہ کر دے جس سے مشرکین متنفر ہو جائیں۔

امام طبری کی منقولہ روایات سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ شیطان نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر ''حالت بیداری میں'' بتوں کی تعریف پر مبنی کلمات القاء کئے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہی آواز میں ان کی ''تلاوت'' فرمائی تھی، یہی نہیں بلکہ بعد میں بھی یہ شرکیہ کلمات پڑھتے رہے حتیٰ کہ جب جبریلؑ تشریف لائے اور انہیں بھی وہی ''شیطانی آیات'' پڑھ کر سنائیں جس پر انہوں نے تردید کرتے ہوئے کہا کہ: میں تو آپؐ کے پاس یہ کلمات نہیں لایا ہوں، یہ آپؐ نے کیا کہہ دیا ہے؟ یقیناً آپؐ نے

لوگوں کے سامنے ان کلمات کی بھی تلاوت کرڈالی جو میں نے آپؐ کو نہیں بتائے، آپؐ نے وہ بات کہہ دی جو آپؐ کے لئے نہیں کہی گئی تھی۔

جبریلؑ کی اس بات کے جواب میں آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ: میں نے تو یہ کلمات نہیں کہے یا میں اونگھ کی حالت میں تھا یا میں نے آیات کے درمیان وقف کیا تھا تو شیطان نے میری آواز میں آواز ملاکر انہیں پڑھ دیا تھا، یا مشرکین نے خود یہ کلمات میری طرف منسوب کردیئے تھے۔ یا شیطان نے مجھ پر جبر کیا تھا اور غیر اختیاری حالت میں یہ الفاظ میری زبان سے نکل گئے، یا یہ الفاظ ''سہواً'' میری زبان سے نکل گئے، یا میں نے ''توبیخاً'' یہ الفاظ کہے تھے، یا میں نے ''الغرانیق'' سے فرشتے مراد لئے تھے مگر مشرکین نے انہیں اپنے بتوں کی تعریف پر محمول کرلیا بلکہ بروایت امام طبری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا اعتراف کیا اور فرمایا کہ میں نے اللہ پر ''افتراء'' باندھا ہے اور میں نے وہ کلمات کہے جو اس نے نازل نہیں کئے تھے۔ پھر آپؐ اس فعل پر سخت ملول ورنجیدہ ہوئے اور آپؐ کو اللہ کا بڑا خوف لاحق ہوا...

حضرت مفتی صاحب!

(۱۵۰)	کیا ان ''روایات'' کو ایک لمحہ کے لئے بھی قبول کیا جاسکتا ہے؟
(۱۵۱)	علماء کی ان تصریحات کے ہوتے ہوئے ان روایات پر صرف ''ضعیف الاسناد'' کہہ کر گزر جانا امانت و دیانت کے خلاف نہیں ہے؟
(۱۵۲)	مستند علماء نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے یا موضوع؟
(۱۵۳)	کیا ضعیف، ضعیف الاسناد اور موضوع میں کوئی فرق نہیں؟
(۱۵۴)	روزنامہ اسلام میں ''موضوع'' پر صرف ''ضعیف'' کا اطلاق کرکے خیانت کا ارتکاب کیوں کیا گیا؟
(۱۵۵)	کیا تفسیر و تاریخ طبری میں شیطانی کلمات کی کوئی تاویل ممکن ہے؟

(۱۵۶)	کیا ان روایات بلکہ ''خرافات اور واہیات'' کو تسلیم کر لینے سے نصوص قرآنیہ کی مخالفت لازم نہیں آتی؟
(۱۵۷)	کیا ان ''خرافات'' سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت، عصمت اور نبوت کو داغ اور دھبہ نہیں لگتا؟
(۱۵۸)	کیا مذکورہ ''خرافات'' عقیدہ عصمت انبیاء کے منافی نہیں ہیں؟
(۱۵۹)	کیا امام طبری کی ان ''خرافات'' (''ألقى عليه الشيطان كلمتين، ألقى الشيطان على لسانه، فألقى الشيطان في أمنيته، فأجرى الشيطان على لسانه، فألقى الشيطان في تلاوة النبيّ صلى الله عليه وسلم: تلك الغرانيق العلى... إذا حدث ألقى الشيطان في حديثه'') پر امام بغوی کی اس ''توضیح'' کا اطلاق صحیح ہے کہ شرکیہ کلمات آپؐ نے نہیں، شیطان نے کہے تھے اور مشرکوں کو وہم ہو گیا تھا کہ آپؐ ایسا فرما رہے ہیں؟

''امام بغوی نے واضح کیا ہے کہ اگر قصے کو مان بھی لیا جائے تو ظاہری مطلب نہیں لیا جائے گا جو عصمت انبیاء سے متعارض ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ:

''تلك الغرانيق العلى'' کے شرکیہ الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں، شیطان نے کہے تھے، مشرکین کو وہم ہو گیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرما رہے ہیں۔'' (روزنامہ اسلام 11۔اگست 2015ء زیر عنوان ''احتیاط لازم ہے'' قسط نمبر 3)

حضرت مفتی صاحب!

اگر چہ نصوص قرآنیہ کے مقابلے میں ابن حجر اور امام بغوی کی تاویلات بالکل ہی باطل ہیں مگر ان ''باطل'' تاویلات کا اطلاق بھی طبری کی منقولہ خرافات پر ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ ''خرافات'' اور پرگز رچکی ہیں۔

(۱۶۰)	”روزنامہ اسلام“ کی طرف سے امام بغوی کی پیش کردہ تاویل کا امام طبری کی خرافات کے ساتھ موازنہ کر کے کیا آپ روزنامہ اسلام کے قارئین کی صحیح سمت میں راہنمائی کرنے کے پابند نہیں ہیں؟

امام بغوی کی مذکورہ باطل تاویل سے معلوم ہوتا ہے کہ شرکیہ الفاظ شیطان نے کہے تھے مگر مشرکین کو یہ وہم ہو گیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہہ رہے ہیں پھر معلوم نہیں کہ امام طبری یا ان کے شیوخ کو یقینی طور پر یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ یہ شرکیہ الفاظ شیطان نے نہیں بلکہ آپؐ نے خود ادا فرمائے تھے۔

سخت تعجب ہے کہ مشرکوں کو تو وہم ہوا ہے مگر امام طبری کو یقین ہے کہ شیطان نے یہ شرکیہ کلمات خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آرزو اور خواہش کے مطابق آپؐ کی زبان پر جاری کر دیئے تھے۔ اسی لئے امام طبری نے 15 روایات نقل کی ہیں جن میں بہ تکرار بتایا گیا ہے کہ شیطان نے ہی یہ الفاظ القاء کئے تھے، پھر موصوف نے اپنے باطل دعویٰ کی تائید میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ”اعتراف“ اور جبرئیل امینؑ کی گواہی بھی پیش کر دی!!

اس تفصیل سے روز روشن کی طرح یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ”قصہ غرانیق“ لغو، باطل اور زنادقہ و ملاحدہ کا وضع کردہ ہے جو ”عصمت مصطفیؐ“ کے منافی ہونے کے علاوہ سراسر آپؐ کی توہین پر مبنی ہے۔ اس سلسلے میں مفسرین کرام اور علمائے اسلام کے کتاب و سنت سے ماخوذ اقوال پیچھے گذر چکے ہیں۔ اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے باوجود جو حضرات کسی بھی اعتبار سے، کسی بھی تاویل کی رو سے، کسی بھی درجے میں اور کسی بھی ”اصل“ کی بناء پر امام طبری کی منقولہ روایات کی صحت کے اب بھی قائل ہیں تو وہ امام فخر الدین رازی اور علامہ سید محمود آلوسی کے مندرجہ ذیل فیصلے پر غور کر لیں:

امام فخر الدین رازی ان لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں جو "وَهَمَّ بِهَا" کے تحت حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف اس قبیح فعل کی نسبت کرتے ہیں:

هؤلاء الجهّال الذين نسبوا إلى يوسف عليه السلام هذه الفضيحة، إن كانوا من

اتباع دین اللّٰہ تعالیٰ فلیقبلوا شہادۃ اللّٰہ تعالی علی طہارتہ، و ان کانوا من اتباع ابلیس و جنودہ فلیقبلوا شہادہ ابلیس علی طہارتہ۔" (التفسیر الکبیر جلد6 ص 441)

یہ جاہل جنہوں نے اس گندے عمل کو حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے اگر اللہ تعالیٰ کے مطیع وفرماں برداروں میں سے ہیں تو وہ اس امر میں یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی پر اللہ تعالیٰ کی گواہی کو قبول کرلیں (کہ یوسفؑ میرے مخلص بندے ہیں اور مخلص بندوں پر شیطان کا کوئی زور نہیں چل سکتا۔ نیز "اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنٌ" اور اگر وہ شیطان اور اس کے لشکروں کے پیروکار ہیں تو پھر وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی پر ابلیس کی شہادت کو قبول کرلیں (کہ تیرے مخلص بندوں پر میرا کوئی داؤ نہیں چلتا)۔

علامہ سید محمود آلوسی "قصہ غرانیق" کا روایتاً ودرایتاً بطلان کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

"ولعمری ان القول بأن ھذا الخبر مما ألقاہ الشیطان علی بعض ألسنۃ الرواۃ ثم وفق اللّٰہ تعالی جمعاً من خاصۃ لا بطالہ أھون من القول بأن حدیث الغرانیق مما ألقاہ الشیطان علی لسان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثم نسخہ سبحانہ وتعالی..." (روح المعانی جلد 17۔ ص 182)

"میری زندگی کی قسم! اس روایت کے بارہ میں یہ بات مان لینا بہت آسان ہے کہ اسے شیطان نے خود راویوں کی زبان پر جاری کردیا ہے، بہ نسبت اس کے کہ یہ مان لیا جائے کہ شیطان مردود نے ان شرکیہ کلمات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر القاء کردیا تھا بعد میں اللہ تعالیٰ کو اس میں مداخلت کرکے منسوخ کرنا پڑا۔" سُبۡحٰنَکَ ھٰذَا بُہۡتَانٌ عَظِیۡمٌ۔

حضرت مفتی صاحب!

روزنامہ اسلام میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ "قصہ زیدؓ وزینبؓ اور قصہ غرانیق" نہ منافی عصمت ہیں اور نہ ہی مبنی برتوہین۔ مذکورہ حوالہ جات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ان دونوں قصوں کو مفسرین کرام نے منافی عصمت قرار دیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام یقیناً معصوم ہیں اور وہ منافی عصمت کام نہیں کرسکتے لہٰذا "روزنامہ اسلام" میں شائع ہونے والے منافی عصمت "مواد" پر دوبارہ

غور فرمالیں کیونکہ نفس مسئلہ (جو روزنامہ اسلام کے مضامین سے پیدا ہوا وہ) صرف یہ ہے کہ زیر بحث روایات ''منافی عصمت'' ہیں یا نہیں؟ مفسرین کرام کا فیصلہ آپ کے سامنے آ چکا ہے۔

''روزنامہ اسلام'' میں ''کفر'' کی بحث چھیڑ کر خلط مبحث سے کام لیا گیا ہے جو علم اور امانت و دیانت کے صریح خلاف ہے۔ ناقلین و جامعین پر ''کفر'' کا فتویٰ کسی نے نہیں لگایا۔ انہیں بلا تحقیق و نقد ایسی روایات نقل کرنے سے کتاب و سنت کی روشنی میں احتراز کرنا چاہیے تھا لیکن یہ ''جرم'' ہلکا ہے البتہ منافی عصمت اور مبنی بر توہین روایات کے واضعین اور ان کے تائید و تصدیق کنندگان کا معاملہ مختلف ہے۔ لہٰذا جامعۃ الرشید کے دارالافتاء کے صدر مفتی ہونے کی حیثیت سے آپ اور آپ کی زیر سرپرستی جامعۃ الرشید کے جملہ مفتیان کرام سے درخواست ہے کہ وہ بغیر کسی ''استفتا'' کے ''سوموٹو'' نوٹس لیتے ہوئے کوئی فتویٰ جاری کر دیں۔

الحمدللہ! ہم اپنے اس موقف پر سختی سے قائم ہیں کہ یہ روایات منافی عصمت اور مبنی بر توہین ہیں اور ان کا بلانقد و جرح نقل کرنا بھی حرام ہے۔ روزنامہ اسلام ان روایات کا دفاع کر کے ''جرم عظیم'' کا مرتکب ہوا ہے۔

روزنامہ اسلام کا جھوٹ پلس (+) کالم

حضرت مفتی صاحب

سخت افسوس ہے کہ روزنامہ اسلام میں ایسی مردود روایات کی ایک گونہ تائید و تصدیق پائی جاتی ہے اور 15 ماہ کے بعد پھر انگڑائی لیتے ہوئے 16، 17، 18 اکتوبر 2016ء کو کذب و افتراء پر مبنی مزید 3 قسطیں شائع کر دی گئیں جنہیں پڑھنے کے بعد آپ کو ایک ''کھلا خط'' لکھنے کے بغیر کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا۔

حضرت مفتی صاحب!

زیر نظر ''کھلے خط'' سے پہلے ہم نے تمام اخلاقی تقاضے پورے کیے۔ محمد اعجاز صاحب سابق منیجر اشتہارات و سابق فنانس منیجر روزنامہ اسلام ''ایک مبنی بر حقیقت روداد'' میں اس

کی تفصیل بیان کر چکے ہیں۔

میری کتاب ''امام طبری کون؟ مؤرخ مجتہد یا افسانہ ساز'' طبع ہونے کے فوراً بعد آپ سمیت روزنامہ اسلام کے دیگر ذمہ دار حضرات تک پہنچائی گئی اور آپ نے تو 13 جولائی 2016ء کو کتاب ہاتھ میں لیتے ہی اسی مجلس میں ''عرض مؤلف'' کا ایک حد تک مطالعہ فرمالیا تھا۔ ہمارا مقصد صرف آگاہ کرنا ہی تھا سو وہ اسی وقت حاصل ہوگیا۔

علاوہ ازیں ہم نے اپنی اصلاح کی غرض سے یہ کتاب ڈاکٹر منظور احمد مینگل صاحب، مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب، مولانا محمد قاسم صاحب ناظم تعلیمات جامعۃ الرشید کراچی، مولانا مفتی سغیر احمد ثاقب صاحب، مولانا مفتی محمد زبیر صاحب جامعہ صفہ بلدیہ ٹاؤن کراچی، قاری عبدالرحمٰن صاحب سابق نیوز ایڈیٹر روزنامہ اسلام، معروف کالم نگار محمد انور غازی صاحب اور دیگر علماء کرام کی خدمت میں ارسال کرنے کے علاوہ محترم جناب اوریا مقبول جان صاحب کو بھجوائی۔ ٹھیک تین ماہ بعد محترم جناب اوریا مقبول جان صاحب نے 14 اکتوبر 2016ء کو روزنامہ ایکسپریس میں ''ایک عظیم تحقیقی کتاب'' کے عنوان سے اپنے تاثرات قلمبند کیے تو شدید غصے اور غضب کی حالت میں ایک دن بعد 16 تا 18 اکتوبر 2016ء (مسلسل تین دن اتوار تا منگل) کو ''دین اسلام'' کے تمام تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ''روزنامہ اسلام'' نے ترجیحی طور پر اپنا ردعمل دینا گویا ''عظیم جہاد'' اور ''فرض عین'' سمجھا۔

ہمیں بجا طور پر آپ سے یہ توقع تھی کہ کتاب ملنے کے بعد کسی وقت بھی مسئلہ ''عصمت انبیاءؑ'' کی حساسیت کی بناء پر آپ کی طرف سے اخبار میں یا خط کے ذریعے ضرور ''معذرت'' آئے گی کیونکہ میرے تو حاشیہ تصور میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ ''روزنامہ اسلام اور جامعۃ الرشید'' کا شعبہ حدیث و افتاء بھی ''بے حسی'' کی لپیٹ میں آسکتا ہے۔ میں تو یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ لوگ بھی ''ابدی صداقتوں اور سچائیوں'' کے قبول کرنے سے گریزاں رہیں گے۔

''عصمت انبیاءؑ'' کا مسئلہ تو اس قدر حساس تھا کہ اگر اس کے مجروح ہونے کا کسی شخص کی تحریر سے ادنیٰ ترین احتمال کے نکلنے کا بھی کوئی اندیشہ ہو تو نشاندہی کے بعد اس کا جینا

محال ہو جاتا ہے اور وہ یقیناً بلا تأمل اور غیر مشروط طور پر اپنی برأت کا اعلان کر دیتا۔

لیکن صد افسوس کہ ''ادارہ روزنامہ اسلام میں خود ''احساس'' ہی کی موت واقع ہو گئی۔ اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ''احساس'' کی موت معاشرے کی موت ہے۔ ''احساس'' کو زندہ و بیدار رکھنے ہی میں معاشرے، قوم اور ملت کی بقا ہے۔ ''احساس'' کی دولت وہ عظیم سرمایہ ہے جو انسان کو حیوان سے ممیّز کرتا اور زندگی گذارنے کے ڈھنگ بتاتا ہے۔ معلوم نہیں کہ دوسروں کی دیکھا دیکھی ہم اس سطح پر کیوں پہنچ گئے کہ ہم بھی ''حیات اخروی'' سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنی ذات کے لئے جی رہے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب!

ذرا غور فرمایئے! روزنامہ اسلام میں زیر عنوان ''تاریخ صحابہؓ درراہ اعتدال''، ''ایک خط اور اس کا جواب''، (از 21 جولائی تا 5 ستمبر 2015ء) سات اقساط میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نہ صرف اشارتاً و کنایتاً بلکہ صراحتاً تنقیص پائی گئی مگر ''ادارے'' کا ''احساس'' بیدار نہ ہوا۔ لیکن جوں ہی جذبہ حب النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار، پیکر حمیت جناب اوریا مقبول جان صاحب نے 7 جولائی 2015ء کو روزنامہ ایکسپریس میں ''ہمارے افسانہ ساز مؤرخین'' کے عنوان سے ایک کالم لکھا، جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین سے متعلق دو بے ہودہ قصوں کی طرف کیے گئے ''اشارے'' کو روزنامہ اسلام کے ''عالم'' نہ سمجھ سکے اور باضابطہ اپنے اخبار کے ذریعے استفسار کر کے اس کا ''مشارالیہ'' معلوم کیا۔

جس کے جواب میں کمال ''بے حسی'' کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک افسانہ ساز مؤرخ امام طبری کے دفاع میں روزنامہ اسلام میں 29 جولائی تا 2 اگست 2015 زیر عنوان: علامہ طبری......مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز'' پانچ اقساط پر مشتمل ایک مضمون شائع کر دیا گیا جس میں اپنے قارئین کو امام طبری کے بلند مقام سے آگاہ کرتے ہوئے یہ باور کرایا گیا کہ ایسے ثقہ و مستند امام پر جناب اوریا مقبول جان صاحب کی جرح کی کیا حیثیت ہے؟ انہوں نے اپنی کم علمی اور کم فہمی کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ان قصوں کو

''بے ہودہ'' قرار دیا ہے حالانکہ ان میں کوئی بے ہودگی نہیں پائی جاتی۔

اس طرح ''روزنامہ اسلام'' میں امام طبری کے حوالے سے قارئین کا پہلے ذہن تیار کیا گیا پھر ایک ہفتے تک سانس لینے اور نئی و تازہ توانائی حاصل کرنے کے بعد 9 تا 12 اگست 2015ء زیر عنوان ''احتیاط لازم ہے'' چار قسطوں میں امام طبری کے منقولہ دو قصوں پر سے ''بے ہودگی'' کا ''الزام'' مخصوص ''سرف اور صابن'' سے دھونے کی کوشش کی گئی۔ اس کے 23 دن بعد 4 ستمبر 2015ء کو جناب اوریا مقبول جان صاحب نے اپنے کالم بہ عنوان ''خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے'' میں اپنے سابقہ موقف کا فخریہ انداز میں اعادہ کر کے نتیجہ قارئین پر چھوڑ دیا۔ ''ادارہ'' روزنامہ اسلام پھر ''بے حسی'' کی نرم و گداز چادر تان کر اپنے اردگرد پھیلی تلخ حقیقتوں سے آنکھیں چرا کر ''زندگی'' کے شب و روز گزارتا رہا، حتیٰ کہ 832 صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب ''امام طبری کون؟ مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز'' بھی 3 ماہ تک ادارے کو ''بے حسی'' کی میٹھی نیند سے بیدار نہ کر سکی۔

مگر جوں ہی جناب اوریا مقبول جان صاحب نے 14 اکتوبر 2016ء کو روزنامہ ایکسپریس کے اپنے کالم میں ''ایک عظیم تحقیقی کتاب'' کے عنوان سے میری کتاب پر تبصرہ کیا تو روزنامہ اسلام کے خوابیدہ کردار یکا یک پھر بیدار ہو گئے اور اپنے مخصوص ہتھیاروں (خلط مبحث، کذب وافتراء، طعن وتعریض اور فریب دہی) سے مسلح ہو کر روزنامہ اسلام کا ''پرچم'' تھامے ہوئے خود دین اسلام کے روشن احکام پر ہی یلغار کر بیٹھے۔

اس ''دعویٰ'' کی وضاحت سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ:

جناب اوریا مقبول جان صاحب نے میری زیر تبصرہ کتاب کو ''ایک عظیم تحقیقی کتاب'' انبیائے عظام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی عصمت و ناموس کے تحفظ و دفاع اور نفس مضمون کی مناسبت کی بناء پر کہا ہے جہاں تک میرا تعلق ہے تو میرا ''ماٹو'' یہ ہے۔

ما ان مدحت محمدا بمقالتی

ولکن مدحت مقالتی بمحمد

حضرت مفتی صاحب!

کیا آپ نے غور فرمایا کہ سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کے حوالے سے 15 ماہ کے طویل عرصہ تک ادارے میں "بے حسی" چھائی رہی حتیٰ کہ کتاب کے منظر عام پر آنے کے بعد 3 ماہ تک (حالانکہ کتاب میں امام طبری کی منقولہ روایات پڑھنے کے بعد ہر مسلمان خود پکار اٹھے گا کہ یہ منافی عصمت ہیں) بھی ادارے پر "سکوت" طاری رہا مگر جوں ہی 14 اکتوبر 2016ء کو جناب اوریا صاحب نے ایک سال پہلے کی بحث کا پس منظر بیان کرتے ہوئے ادارہ روزنامہ اسلام کا نام لئے بغیر اس میں شائع ہونے والے کالموں کا ذکر کیا تو ان کے "مخاطب" نے ثابت کردیا کہ ہم تو اپنی "ذات" ہی کے لئے جیتے ہیں اور صرف ایک دن کے وقفے کے بعد مسلسل تین دن (16 تا 18 اکتوبر 2016ء) تک روزنامہ اسلام میں تین قسطوں پر مشتمل ایک مضمون "کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟" شائع کردیا۔

حضرت مفتی صاحب!

روزنامہ اسلام میں اس مضمون کی آخری قسط 18 اکتوبر 2016ء کو شائع ہوئی جس کے مندرجات "خلط مبحث، کذب وافتراء، طعن وتشنیع اور فریب دہی" سے مملو تھے بالخصوص کذب بیانی سے کام لیتے ہوئے مجھ پر بہتان بھی باندھا گیا تھا۔ احباب کے مطلع کرنے کے بعد اخبار کے متعلقہ حصے کا مطالعہ کیا اور صابر حیدری صاحب سے کہا کہ 16، 17 اکتوبر کا اخبار بھی مہیا کریں۔ اخبار تو انہیں نہ ملا البتہ انہوں نے پہلی اور دوسری قسط کا پرنٹ انٹرنیٹ سے نکال کردے دیا۔

میں نے فوری طور پر محمد اعجاز صاحب سے رابطہ کرکے کہا کہ آج ہی روزنامہ اسلام کے چیف ایڈیٹر صاحب تک ہمارا احتجاج پہنچائیں۔ انہوں نے اسی دن 18 اکتوبر 2016ء کو مغرب کی نماز کے بعد جناب اوریا مقبول جان صاحب کے کالم سمیت زیر تبصرہ مضمون کی فوٹو اسٹیٹ نقول آپ تک پہنچادیں۔

اس کے فوراً بعد ایڈیٹر مولانا انجینئر محمد افضل احمد خان صاحب کو آگاہ کیا گیا کہ مضمون میں ''خلط مبحث، کذب وافتراء، طعن وتعریض اور فریب دہی'' سے کام لیا گیا ہے جس کی دین اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے جبکہ آپ کے اخبار کی ''لوح'' پر بھی اسی ''دین اسلام'' کا ہی حوالہ دیا گیا ہے۔صد افسوس کہ اس ''احتجاج'' یا نشاندہی کے باوجود ''ادارہ'' یا آپ نے کوئی ایکشن نہیں لیا۔

حضرت مفتی صاحب!

میرے علم میں ہے کہ جامعۃ الرشید میں عصری مسائل پر مختلف عنوانات کے تحت ''کورس'' کروائے جاتے ہیں۔زیر بحث ''سلسلہ مضامین'' پڑھنے کے بعد یہ خیال آیا کہ آپ کو ابھی اپنے مخصوص ''ادارہ'' کو ''اخلاقیات'' کا کورس کرانے کی بھی شدید ضرورت ہے کیونکہ ان مضامین میں اسلامی اخلاق تو دور کی بات ہے عام انسانی اخلاق کو بھی ملحوظ نہیں رکھا گیا۔جا بجا تعلّی اور شوخی بگھاری گئی ہے اپنے والد کے درجے والے کو حقارت آمیز انداز سے مخاطب کیا گیا ہے جبکہ ''سوءظن'' اس پر مستزاد ہے۔

روزنامہ اسلام کے جھوٹ پلس (+) کالم کا غیر اسلامی وغیر مہذبانہ اسلوب

حضرت مفتی صاحب!

روزنامہ اسلام میں شائع ہونے والے مضامین کے اسلوب کا اسلامی آداب کے ساتھ موازنہ فرمائیں مثلاً:

''اس تحریر کو پڑھ کر اندازہ ہوا کہ علم تاریخ یا کم ازکم زیر بحث موضوع کے بارے میں ان کا مطالعہ بالکل سطحی ہے...اس میں پیش کردہ مواد ''خود ان مستشرقین کی ترجمانی کر رہا ہے...'' (روزنامہ اسلام 29 جولائی 2015ء)

موصوف کی تحریر سے تو یہی ظاہر ہے کہ انہوں نے محض انگریزی مصادر کا مطالعہ کر کے

یہ نادر تحقیقات پیش کی ہیں۔ مثلاً پورے کالم میں انہوں نے ایک جگہ بھی ہجری تاریخ نہیں لکھی۔ ہر جگہ عیسوی سن نقل کیا ہے۔ عربی مآخذ دیکھے ہوتے تو یہ التزام نہ ہوتا۔ انہوں نے امام طبری کی جائے پیدائش کو "آمول" لکھا ہے۔ جبکہ صحیح عربی تلفظ "آمُل" ہے۔ ظاہر ہے کسی انگریزی کتاب میں اسے (Amol) ہی لکھا جاسکتا ہے۔ محترم کالم نگار نے کوئی اسلامی مآخذ دیکھا ہوتا تو اسے "آمول" نہ بناتے۔ پس ظاہر ہے کہ انہوں نے نادانستہ طور پر مستشرقین کے مواد سے استفادہ کر کے یہ کالم لکھا ہے جس کے مندرجات خلافِ حقیقت ہیں۔" (حوالہ مذکور)

حضرت مفتی صاحب!

(۱۶۰)	کیا یہ اعتراض خود خلاف حقیقت اور "سوءِ ظن" کی بدترین مثال نہیں ہے؟
(۱۶۱)	دعویٰ کیا؟ اور دلیل کیا؟ "علم و فہم" کی اس سے "بہتر" اور کیا مثال ہوسکتی ہے؟
(۱۶۲)	کیا پورے کالم میں ہجری تاریخ نہ لکھنے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ کالم نگار نے "اسلامی مآخذ" نہیں دیکھے؟
(۱۶۳)	کیا بقائمی ہوش وحواس ایسا "دعویٰ" کیا جاسکتا ہے؟
(۱۶۴)	کیا کسی چیز کا "عدم ذکر"، ذکر عدم کو مستلزم ہوتا ہے؟
(۱۶۵)	کیا کتابتی یا کمپوزنگ کی غلطی پر اس طرح کا اعتراض کیا جاسکتا ہے؟ (شاذو نادر ہی کوئی ایسی کتاب ہو جو اس سقم سے پاک ہو)

لفظ "آمول" پر اعتراض کرنے والے کو یہ احساس ہی نہیں ہوا کہ وہ خود بھی اسی بحث میں ایک غلط لفظ استعمال کر گئے ہیں: "کوئی اسلامی مآخذ دیکھا ہوتا" حالانکہ "مآخذ" جمع کا لفظ ہے اس کی واحد "مأخذ" ہے۔ یہاں واحد استعمال ہونا چاہئے تھا جبکہ روزنامہ اسلام میں جمع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ایسی اغلاط سے کوئی شخص بھی مبرا نہیں ہوتا، تہذیب کے دائرے میں رہ کر نفس مسئلہ پر توجہ مرکوز رکھنی چاہئے۔

حضرت مفتی صاحب!

روزنامہ اسلام میں شائع ہونے والے مضامین کے اسلوب کا یہ نمونہ دیکھیے:

''کالم نگار ایک خطرناک ترین انکشاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''طبری عام مسلمانوں کی بات کرتا تو برداشت تھا لیکن اس نے تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے بارے میں بھی دو وعدد من گھڑت قصے اس قدر فضول اور بے ہودہ انداز میں تحریر کیے ہیں کہ انہیں درج کرنے کی بھی ہمت نہیں پاتا۔ ان دونوں فضول قصوں کا نہ کہیں قرآن میں ذکر ہے اور نہ ہی احادیث کی کتابوں میں۔ لیکن طبری نے اپنے ذہن کی غلاظت کو تاریخ کی چاشنی بنا کر پیش کیا ہے۔''

موصوف سے گزارش ہے کہ چاہے آپ انہیں نقل کرنے کی ہمت نہ پاتے ہوں لیکن ان کا حوالہ تو دیجیے۔ آپ کی علمیت اور عمق نگاہی کے شاہکار تو قارئین دیکھ چکے ہیں۔ اس لیے ضروری نہیں کہ کسی روایت کا وہی مطلب ہو، جو آپ سمجھے ہوں۔ عربی کتب تو یقیناً آپ کی دسترس سے باہر ہیں۔ طبری کے سارے حالات آپ نے انگریزی تراجم وغیرہ سے اخذ کیے ہیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ پورے کالم میں ایک واقعہ بھی سنہ ہجری کے حوالے سے نہیں لکھا گیا، ہر جگہ عیسوی تاریخ کا حوالہ دیا گیا ہے۔

جس قسم کی غلاظت کا ذکر آپ فرما رہے ہیں، وہ اپنے علم وفہم کی کمی کا کرشمہ بھی ہو سکتا ہے۔ ایسا چونکا دینے والا مواد آپ کو طبری کی تاریخ ہی میں نہیں، بخاری اور مسلم میں بھی مل جائے گا۔ اہلِ علم ان کا اصل مطلب جانتے ہیں، اس لیے بار بار پڑھ کر بھی انہیں کوئی پریشانی نہیں ہوتی، مگر ایک دوسرے شعبے کا فرد جب ان موٹی موٹی علمی کتب کا از خود مطالعہ شروع کر دے اور اپنی فہم ناقص کو ہی حرفِ آخر تصور کر لے تو اسے تاریخ ہی نہیں حدیث اور تفسیر میں بھی جگہ جگہ جھٹکے لگ سکتے ہیں۔ (روزنامہ اسلام۔ 31 جولائی 2015ء)

29 جولائی 2015ء کے حوالے سے بھی یہ شاہکار ''دلیل'' پیچھے گزر چکی ہے اور اس پر

مختصر تبصرہ بھی ہو چکا ہے کہ کوئی ذی ہوش بقائمی ہوش وحواس اس قسم کا دعویٰ نہیں کرسکتا اور یہ "سوء ظن" کی بھی بدترین مثال ہے جس سے قرآن وحدیث میں منع کر کے وعید بھی سنائی گئی ہے۔

(۱٦٦)	کیا روزنامہ اسلام کو اس قسم کی پابندی سے "استثنیٰ" حاصل ہے؟

محولہ بالا اقتباس میں پہلے "دعویٰ اور دلیل" کو ہی نہایت ہی "تیقن" کے ساتھ دہرایا گیا ہے یعنی "عربی کتب تو یقیناً آپ کی دسترس سے باہر ہیں" یہاں اسی غلط اور باطل دلیل سے استدلال کرتے ہوئے "تیقن" کے ساتھ دعویٰ کیا گیا ہے اور یہ دیگر خامیوں کے علاوہ "سوءظن" کا بھی عظیم شاہکار ہے۔ کیونکہ جناب اوریا مقبول جان صاحب اپنے جوابی کالم میں اس "الزام" کی تردید کر چکے ہیں اور اس بات کی بھی وضاحت کر چکے ہیں کہ "میرے پاس تاریخ طبری کا جو نسخہ ہے وہ خوش قسمتی سے عربی میں ہے اور قاہرہ سے چھپا ہے اور جسے میں اپنی کمزور عربی میں سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں اور ترجمہ بھی دیکھتا ہوں"۔ ملاحظہ ہو: روزنامہ ایکسپریس 4 ستمبر 2015ء۔

روزنامہ اسلام کے مذکورہ اقتباس میں دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ:

کالم نگار ایک خطرناک ترین انکشاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "طبری عام مسلمانوں کی بات کرتا تو برداشت تھا لیکن اس نے تو سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے بارے میں بھی دو عدد من گھڑت قصے اس قدر فضول اور بے ہودہ انداز میں تحریر کیے ہیں کہ انہیں درج کرنے کی بھی ہمت نہیں پاتا۔ ان دونوں فضول قصوں کا نہ کہیں قرآن میں ذکر ہے اور نہ ہی احادیث کی کتابوں میں۔ لیکن طبری نے اپنے ذہن کی غلاظت کو تاریخ کی چاشنی بنا کر پیش کیا ہے۔" (روزنامہ اسلام۔ 31 جولائی 2015ء)

حضرت مفتی صاحب!

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ 31 جولائی 2015ء کو یہ بات لکھتے وقت "روزنامہ اسلام" کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ جناب اوریا مقبول جان صاحب نے طبری کے کون سے دو بے ہودہ قصوں کا ذکر

کیا ہے ۔کیم اگست ۲۰۱۵ کو"روزنامہ اسلام" کے اداریتی صفحہ پر پھر استفسار کیا گیا ہے کہ:

"اب معلوم نہیں اوریا صاحب نے طبری میں کون سا واقعہ پڑھ کر ان پر توہینِ رسالت کا الزام لگا دیا۔ان کا یہ کہنا کہ "ان دونوں فضول قصوں کا نہ کہیں قرآن میں ذکر ہے اور نہ ہی احادیث کی کتابوں میں۔"اسی وقت معتبر ہوگا جب وہ ان کا حوالہ دیں۔"
(روزنامہ اسلام کیم اگست 2015ء)

یہی بات آگے چل کر 9 اگست 2015ء کے شمارے میں بھی لکھی گئی:

"میں نے اس کے جواب میں محترم اوریا مقبول جان صاحب سے گزارش کی تھی:
"چاہے آپ انہیں نقل کرنے کی ہمت نہ پاتے ہوں، لیکن ان کا حوالہ تو دیجیے.....ضروری نہیں کہ کسی روایت کا وہی مطلب ہو، جو آپ سمجھے ہوں۔"

حضرت مفتی صاحب!

مگر 9 اگست 2015 کے شمارے میں اس بات کا بھی اعتراف کیا گیا کہ "اس کے بعد محترم کے ایک کالم کے آخر میں لگا ہوا درج ذیل نوٹ سامنے آیا:"

"تاریخِ طبری کے حوالے سے ایک قرض تھا، جو میں نے ادا کیا ہے۔ میں اسے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دو گستاخانہ من گھڑت افسانے تخلیق کرنے کا مصنف سمجھتا ہوں، جس کا ذکر نہ قرآن پاک میں اس طرح ہے نہ احادیث کی کتب میں اور میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید محبت کی وجہ سے طبری سے نفرت کرتا ہوں۔ ایک واقعہ حضرت زیدؓ کی سیدہ زینبؓ سے طلاق کا، جسے کمال بے ہودگی سے اس نے تحریر کیا اور دوسرا واقعہ غرانیق۔ کسی معترض کالم نگار، اخبار نویس یا دانشور میں حوصلہ ہے تو صرف سیدہ زینب والا واقعہ پڑھ کر دیکھ لے اور اس کے باوجود جرأت رکھتا ہے تو اسے من و عن اپنے کالم کی زینت بنا کر دکھا دے۔" ملاحظہ ہو روزنامہ اسلام 9 اگست 2015ء۔

"روزنامہ اسلام" نے اوریا مقبول جان صاحب کے اس "نوٹ" کا متن تو دے دیا لیکن حوالہ نہیں دیا کہ "سامنے آنے والا نوٹ" کب اوریا صاحب کی طرف سے لکھا گیا تھا۔

حضرت مفتی صاحب!

(۱۶۷)	کیا روزنامہ اسلام کے لئے اوریا صاحب کے کالم کا حوالہ لکھنا ضروری نہیں تھا؟

یہ بات یقیناً باعث حیرت ہے کہ 31 جولائی اور یکم اگست 2015ء کے کالم میں ””طعن وتشنیع اور طنز وتعریض کے علاوہ علمیت اور عمیق نگاہی کے شاہکار، جہالت اور علم وفہم کی کمی“ کی پھبتیاں کستے ہوئے ان دو ”بے ہودہ“ قصوں کا حوالہ مانگا جارہا ہے اور 9 اگست 2015ء کو اس بات کا ”اعتراف“ کیا جارہا ہے کہ اس کے جواب میں ”ایک کالم کے آخر میں لگا ہوا یہ نوٹ سامنے آیا“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ”نوٹ“ یکم اور 9 اگست 2015ء کے درمیان میں کسی تاریخ کو آیا ہوگا۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ جناب اوریا مقبول جان صاحب نے اپنے ایک کالم ”مسلم ہولوکاسٹ امت کا اجتماعی قتل عام“ کے آخر میں یہ ”نوٹ“ دیا تھا جو روزنامہ ایکسپریس میں 13 جولائی 2015ء کو ”ہمارے افسانہ ساز مؤرخین“ کی اشاعت کے 5 دن بعد سامنے آیا تھا۔

حضرت مفتی صاحب!

(۱۶۸)	محترم جناب اوریا مقبول جان صاحب کی طرف سے اس ”درکار نوٹ“ کے سامنے آنے کے 17 دن بعد طعن وتشنیع کے تیر برسا کر اور جہالت ونادانی کی پھبتیاں کس کر 31 جولائی اور یکم اگست 2015ء کو روزنامہ اسلام نے دوبارہ استفسار کیوں کیا؟

حضرت مفتی صاحب!

اپنے روزنامہ اسلام کے مضمون کا ایک یہ اسلوب بھی ملاحظہ فرمائیں کہ:

”...کالم نگار ایک خطرناک ترین انکشاف کرتے ہوئے...“

(روزنامہ اسلام 31 جولائی 2015)

(۱۶۹)	جب ابھی تک دو بے ہودہ قصوں کا پتہ ہی نہیں ہے تو پھر اسے ''خطرناک ترین انکشاف'' کیوں قرار دیا گیا؟
(۱۷۰)	اگر وہ قصے فی الواقع منافی عصمت ہونے کی بناء پر ''خطرناک ترین انکشاف'' کی حیثیت رکھتے تھے تو جب ان کی یہ حیثیت واضح ہوگئی تو پھر اس کی ''خطرناکی'' کو یہ کہہ کر کہ ''رسول بھی بشری تقاضوں سے مبرا نہیں ہوتے'' ختم کیوں کیا گیا؟

حضرت مفتی صاحب!

یہ اسلوب بھی ملاحظہ کیجئے:

''ہمارے اسلاف کا ذہن غلیظ نہیں تھا، بلکہ دینی علوم سے ناواقف بزعمِ خود اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کا زاویہ نگاہ غلط ہے۔ اگر تعصب کی عینک لگا کر دیکھیں تو تاریخ کے کئی اوراق ہی نہیں، حدیث اور فقہ میں کتاب الطہارۃ اور کتاب النکاح وطلاق کے کئی ابواب بھی شرمناک محسوس ہوں گے۔ اگر ایک عام آدمی میڈیکل کی کتب کا مطالعہ پر سرسری نگاہ ڈالے تو وہاں بھی بہت سی چیزیں انتہائی بے غیرتی محسوس ہوں گی۔ گائنا لوجی میڈیکل کا ایک شعبہ ہے۔ اس کی کوئی کتاب آپ اپنے بچوں کے سامنے نہیں کھول سکتے۔ ان کے مندرجات آپ کسی کالم میں نقل نہیں کرسکتے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ بے ہودگی اور بے حیائی ہے۔ افسوس کہ مستشرقین کا گروہ اور منکرین حدیث کا ٹولہ، سنت کے بارے میں یہی کچھ کررہا ہے اور اسی قسم کی مشق محترم کالم نگار نے تاریخ کے متعلق کر ڈالی ہے۔''

(روزنامہ اسلام یکم اگست 2015ء)۔

''محترم دریا مقبول جان صاحب نے ایک مرتبہ پھر حدود وقیود سے بہت آگے بڑھ کر.....

موصوف (اوریا صاحب) کی تینوں غلط فہمیاں اسلامی علوم سے حد درجہ ناواقفیت پر مبنی ہیں اور افسوس ناک حد تک خودرائی کا شاخسانہ ہیں یہ خواب پریشان ہیں جو موصوف نے کسی اور عالم کی

سیر کرتے ہوئے دیکھے ہیں۔حقیقت کی دنیا سے ان باتوں کا کوئی تعلق نہیں...،

پھر بزعم خود دراانکشاف کرتے ہوئے... یہ ارشادات بھی جہالت کا نادر نمونہ ہیں...،

اس وضاحت کے بعد اوریا صاحب دیکھیں کہ وہ اپنے بیانات کی روشنی میں کہاں کھڑے ہیں.....،

اور ایسے میں جناب کا علمائے اسلام کے متعلق یہ غلط بیانی کرنے کا کیا وزن رہ جاتا ہے...،

(روزنامہ اسلام 17 اکتوبر 2016ء)۔

موصوف (اوریا صاحب) کی تیسری غلط فہمی جو دراصل ایک شدید قسم کی بدگمانی ہے اور وہی ان کی کج فکری کی اصل جڑ ہے...،

''جن مؤرخین اور سیرت نگاروں کو جھوٹا قرار دینے کے لئے ''عظیم تحقیقی کتاب'' والے بزرگ (یہ راقم الحروف کی طرف اشارہ ہے) نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے...،

''جان صاحب کا دل چاہے تو کسی کی ایک آدھ جرح کا پتھر اٹھا کر علی بن مدینی جیسے جرح و تعدیل کے امام پر بھی دے ماریں؟...،

تب ہی کہیں جا کر تحقیقات کا بھوت اترے گا...،

اور یہ کہ تاریخ کی کمزوریوں کو آج ''عظیم تحقیقی کتاب'' والے موصوف نے پرکھا ہے،

تو وہ کس منہ سے سنت کو محفوظ سمجھنے کا دعویٰ کرتا ہے۔

ایسی ذہنیت والے کے لئے بس دعائے ہدایت ہی کی جا سکتی ہے۔

(روزنامہ اسلام ۔18 اکتوبر 2016ء)

حضرت مفتی صاحب!

(۱۷۱)	کیا مذکورہ ''اسلوب'' کو کسی بھی درجے میں ''اسلامی اسلوب'' قرار دیا جا سکتا ہے؟

یہ اسلوب ''اسلامی'' تو کجا بلکہ ایک غیر مسلم مہذب انسان کا بھی نہیں ہو سکتا۔

اس ''اسلوب'' میں دین اسلام کے عین مطابق اور روزنامہ اسلام کے مخالف نکتۂ نظر رکھنے والوں پر نہ صرف طعن و تشنیع کی گئی ہے بلکہ صحیح المسلک اور راسخ العقیدہ مسلمانوں کو ''منکرین سنت و حدیث اور مستشرقین'' کے ساتھ تشبیہ دے کر افترا پردازی کا بھی ارتکاب کیا گیا ہے۔

حضرت مفتی صاحب!

آپ اس بات سے بھی بخوبی آگاہ ہیں کہ اگر کسی سے دانستہ یا نادانستہ فی الواقع کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو ''روزنامہ اسلام'' میں نہیں بلکہ دین اسلام میں اس کی اصلاح کا کیا طریقہ بتایا گیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"الدین النصیحة" (صحیح مسلم) دین خیر خواہی کا نام ہے۔

نصیحت بہت جامع لفظ ہے۔ علامہ ابن دقیق العید لکھتے ہیں کہ کلام عرب میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے کہ اس کے مفہوم کو ادا کر سکے "خیر خواہی" اس کے قریبی معنی ہیں یعنی ہر شخص سے متعلق یہ کوشش کرنا کہ اس کا یوں پورا حق ادا ہو جائے اور میری ذات سے ہر ممکن فائدہ اور راحت پہنچ جائے۔

علامہ خطابی نے اس مفہوم کو اس طرح ادا کیا ہے کہ:

"النصیحة کلمة جامعة معناها حیازة الحظ للمنصوح له"

دوسرے مسلمان کا ایک حق یہ بھی ہے کہ "اسے عار نہ دلائے، اس کا مذاق نہ اڑائے، اس کو حقیر نہ جانے، اس سے اللہ کے لئے محبت کرے، جو اپنے لئے پسند کرے وہی اس کے لئے پسند کرے اور جو اپنے لئے ناپسند کرے وہی اس کے لئے ناپسند کرے۔ اس کا نام "خیر خواہی" ہے۔

روزنامہ اسلام میں جن حقارت آمیز الفاظ کے ساتھ جناب اوریا مقبول جان صاحب کو مخاطب کیا گیا ہے اس کا جواز "صحف سماوی" میں تو کجا کسی مہذب معاشرے میں بھی نہیں ملتا۔ اول تو "روزنامہ اسلام" کا مذہباً، قانوناً اور اخلاقاً جواب دینے کا کوئی حق نہیں بنتا تھا اور اگر کسی بھی اعتبار سے جواب دینا ناگزیر ہو گیا تھا تو اسی اخبار میں جواب دیا جاتا جس میں اوریا مقبول جان صاحب کا مضمون شائع ہوا تھا تاکہ روزنامہ ایکسپریس کے جن قارئین کو اس سے "غلط فہمی" پیدا ہوئی تو وہیں دور ہو جاتی کیونکہ "روزنامہ اسلام" کے "قارئین" تو اس سے ہرگز "متاثر" نہیں ہوئے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مواقع پر صحابہ کرامؓ کی اصلاح کر کے قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لئے اپنا "اسوہ" چھوڑ دیا جس کی روزنامہ اسلام کے مضامین میں خلاف ورزی کی گئی۔

ذیل میں صرف صحیح بخاری سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات پیش خدمت ہیں:

"مابال اقوام یرفعون ابصارھم الی السماء فی صلوتھم" (صحیح بخاری کتاب الاذان باب: رفع البصر الی السماء فی الصلوۃ۔رقم الحدیث 750)

لوگوں کو کیا ہوا ہے جو نماز میں آسمان کی طرف آنکھ اٹھاتے رہتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلطی کرنے والے کا نام بھی نہیں لیا اور اصلاح بھی فرمادی۔

"صنع النبی صلی اللہ علیہ و سلم شیئا فرخص فیہ فتنزہ عنہ قوم فبلغ ذاک النبی صلی اللہ علیہ و سلم فخطب فحمداللہ ثم قال: مابال اقوام یتنزھون عن الشئی اصنعہ فواللہ انی لا علمھم باللہ واشد ھم لہ خشیۃ"

(صحیح بخاری کتاب الادب باب "من لم یواجہ الناس بالعتاب رقم الحدیث 6101)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام کیا لوگوں کو بھی اس کی اجازت دے دی لیکن بعض لوگوں نے اس کا نہ کرنا اچھا جانا، یہ خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی، آپ نے خطبہ پڑھا، اللہ کی حمد بیان کی پھر فرمایا:

بعض لوگوں کا کیا حال ہے کہ میں جس کام کو کرتا ہوں وہ اس سے بچنا چاہتے ہیں۔ اللہ کی قسم میں ان سب سے زیادہ اللہ کی معرفت اور پہچان رکھتا ہوں اور ان سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں۔

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاملین کی اصلاح کی غرض سے خطبہ ارشاد فرمایا:

ما بال العامل نبعثہ فیأتی یقول: ھذا لک و ھذا لی فھلا جلس فی بیت ابیہ وامہ فینظر أیھدی لہ أم لا...

(صحیح بخاری کتاب الاحکام باب ھدایا العمال۔رقم الحدیث 7174)

عاملین کا کیا حال ہے ہم انہیں (زکوۃ وصولی کرنے کے لئے) بھیجتے ہیں جب وہ لوٹ کر آتے ہیں تو کہتے ہیں یہ مال آپ کا ہے اور یہ ہمارا ہے (یعنی ہمیں بطور تحفہ ملا ہے) کیوں نہ وہ اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھے رہتے تو معلوم ہوتا کہ کوئی انہیں تحفہ دیتا ہے یا نہیں۔

روزنامہ اسلام کے جھوٹ پلس (+) کالم کی چند کذب بیانیاں

حضرت مفتی صاحب!

اس سراسر غیر اسلامی بلکہ غیر انسانی وغیر مہذبانہ اسلوب کے علاوہ روزنامہ اسلام کے زیر تبصرہ مضامین میں ''مغالطہ دہی، فریب دہی اور کذب بیانی سے بھی خوب کام لیا گیا ہے۔ اپنے اخبار میں شائع ہونے والی چند کذب بیانیاں ملاحظہ فرمائیں:

''دوسری روایت واقدی کی ہے جو ذرا طویل ہے مگر قصہ بالکل یہی ہے صرف چند باتیں زیادہ ہیں: ایک یہ کہ حضرت زینبؓ اس وقت آٹا گوندھ رہی تھیں، دوسرے یہ کہ حضرت زینبؓ نے آپ کو دیکھ کر جلدی سے چادر اوڑھ لی...(روزنامہ اسلام 10 اگست 2015ء)

واقدی کی روایت اور اس پر تبصرہ کے لئے ''امام طبری کون؟ مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز'' کے متعلقہ مقام پر اگر زحمت نہ ہو تو ''اصل عربی'' تاریخ الامم والملوک الجزء الثانی طبع بیروت ص 231 تحت "کانت السنة الخامسة من الهجرة" کی طرف مراجعت فرمائیں آپ کی سہولت کے لئے زیر نظر کھلا خط میں بھی واقدی کی روایت عربی متن سمیت نقل کر دی گئی ہے۔ اس پوری مفصل روایت میں آپ کو کسی ''خوردبین'' کے ذریعے بھی یہ بات نہیں ملے گی کہ:

''حضرت زینبؓ اس وقت آٹا گوندھ رہی تھیں''،

اسی طرح دوسری اضافی بات بھی کسی تاویل کے سہارے کے بغیر نہیں ملے گی۔

حضرت مفتی صاحب!

(۱۷۲)	کیا یہ واقدی کی روایت میں اضافہ نہیں کیا گیا؟
(۱۷۳)	کیا واقدی کی طرف جھوٹی بات منسوب نہیں کی گئی؟
(۱۷۴)	کیا یہ ''صریح کذب بیانی'' نہیں ہے؟

یہ ''صریح کذب بیانی'' ہی نہیں بلکہ یہ پہلی روایت سے بھی زیادہ مکروہ ہے۔ جس کے بارے میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ ''واقدی کی روایت میں ان چار زائد اجزاء کو لے لیں تب بھی انصاف سے

بتایئے کہ ان میں کون سی بات گستاخی والی ہے"

"یادرہے کہ یہ واقعہ طبری سے پہلے سیرت نگاری کے امام محمد بن سعد نے طبقات الکبریٰ میں، مشہور محدث امام حاکم نیشاپوری نے اپنے شہرہ آفاق حدیثی مجموعے "مستدرک حاکم" میں، علامہ سیوطی نے تفسیر الدر المنثور میں، علامہ شربینی نے تفسیر السراج المنیر میں، علامہ حلبی نے سیرتِ حلبیہ میں بھی نقل کیا ہے..." (روزنامہ اسلام 10۔اگست 2015ء)

حضرت مفتی صاحب!

(۱۷۵)	کیا اس عبارت سے بہ ظاہر یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ یہ سارے بزرگ امام طبری سے پہلے گزرے ہیں؟

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ سوائے ابن سعد کے سب ہی حضرات امام طبری کے بعد آئے ہیں۔

مجھے یہاں اس حوالے کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اس تقدیم وتاخیر سے "صرف نظر" کیا جاسکتا ہے لیکن اسے یہاں اس لئے نقل کیا کہ "روزنامہ اسلام" نے اوریا مقبول جان صاحب کے لفظ "آمول" کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔

"قریبی دور کے نامور محقق، فقیہ و مفسر علامہ آلوسی نے اپنی شاہکار تفسیر "روح المعانی" میں اس واقعے کو ذکر کرکے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسا قصہ نقل کرنے سے احتراز ضروری ہے لیکن اگر یہ قصہ درست ہو تو اسے قلبی میلان پر محمول کیا جائے گا جو انسان کے بس میں نہیں۔ (روح المعانی: ج22 ص25) کفر یا گستاخی کا فتویٰ انہوں نے بھی کسی پر نہیں لگایا۔" (روزنامہ اسلام 10۔اگست 2015ء)

اس قول کو واضح طور پر علامہ آلوسیؒ کی طرف منسوب کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ان کا اپنا قول یہ ہے: "وللقصاص في هذه القصة كلام لا ينبغي أن يجعل في حيزالقبول"

(روح المعانی الجزء الثانی والعشرون ص۲۴)

قصہ گو اور داستان سرا لوگوں نے اس قصہ کے متعلق جو لچر باتیں اور افسانے تراش رکھے ہیں وہ کسی حیثیت سے اس لائق نہیں کہ انہیں قبول کیا جائے۔

حضرت مفتی صاحب!

سچی بات یہ ہے کہ 16، 17 اور 18 اکتوبر 2016ء کو روزنامہ اسلام کے ادارتی صفحات پر تین قسطوں میں شائع ہونے والا مضمون ''کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟'' یقیناً ''خلط مبحث، طعن و تشنیع، مغالطہ دہی، فریب دہی اور کذب وافتراء'' کا عظیم شاہکار ہے۔

''روزنامہ اسلام'' اس طرح کے ''ادبی، علمی، تاریخی اور تحقیقی'' مضامین کی اشاعت کی بناء پر بلا مبالغہ ''گینیز بک آف ورلڈ ریکارڈ'' میں شامل ہونے کا بجا طور پر مستحق ہے۔

مجھے سخت حیرت ہے کہ ہر جماعت میں ''چیک اینڈ بیلنس''، تحقیق و مراجعت اور معذرت، رجوع و استعذار کا ایک مستحکم نظام ہوتا ہے لیکن ''روزنامہ اسلام'' میں ایسی کسی بھی ذمہ داری کا ثبوت نہ مل سکا۔ منافی عصمت انبیاءؑ ومبنی بر توہین روایات کا دفاع، غیر اسلامی وغیر انسانی اسلوب بیان، خلط مبحث، مغالطہ دہی، فریب دہی اور کذب وافتراء سے بھرپور مضامین کی اشاعت کوئی معمولی بات نہ تھی لیکن صد افسوس کہ اس بارے نہ احکام الٰہی کا پاس کیا گیا اور نہ ہی حرمت مسلم کا کوئی لحاظ۔ حیران ہیں کہ اب اپنا مقدمہ کس کے سامنے رکھیں۔ مجھے یقین ہے کہ مذکورہ ''جرائم'' کا اگر کوئی اور مرتکب ہوتا تو تمام کام معطل کر کے رات گئے تک ہر دارالعلوم کا دارالافتاء کھلا رہتا لیکن جب سے ''روزنامہ اسلام'' میں ''منافی عصمت اور مبنی بر توہین روایات'' کے دفاع کا مذموم اور مکروہ سلسلہ شروع ہوا تب سے اب تک ہر طرف ہو کا عالم ہے۔

اس ''تمہید'' کے بعد تازہ ''الہامی مضمون'' بہ عنوان: ''کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟'' کا ایک ناقدانہ تجزیہ پیش خدمت ہے:

اس مضمون کی تینوں قسطیں تمام تر خلط مبحث اور تضادات کا شاہکار ہیں۔ اس کا سرا اور کھرا کچھ نہیں ملتا اور نہ ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ صاحبِ مضمون کیا کہنا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے شدید غصے کی حالت میں جب لکھا جائے تو اس کا یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''کیا تاریخ کا اطلاق ''تاریخ الرسل والملوک''، البدایۃ النہایۃ، تاریخ ابن خلدون

اور اکبر شاہ نجیب آبادی کی تاریخ اسلام پر ہی ہوتا ہے؟ اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو ماننا پڑے گا کہ یہ سوچ بہت ہی سطحی ہے۔''...(روزنامہ اسلام 17 اکتوبر 2016ء)

حضرت مفتی صاحب!

بالکل غلط۔ بلکہ روزنامہ اسلام کی نہایت ہی اعلیٰ اور وسیع تر ''سوچ'' کے عین مطابق ''تاریخ اسلامی'' کا اطلاق امام طبری کے ''محبوب ومعتمد'' راوی شیخ التاریخ ''حضرت'' ابومخنف لوط بن یحییٰ 170ھ/157ھ کی ''مقتل أبی مخنف''، محمد بن داؤد الدینوری م282ھ کی ''الاخبار الطوال''، احمد بن یعقوب م284ھ کی ''تاریخ یعقوبی''، ابوالحسن علی بن حسین بن علی مسعودی م 346ھ کی ''مروج الذہب''، مرزا محمد تقی کی ''ناسخ التواریخ''، محمد ہاشم بن محمد علی خراسانی کی ''منتخب التواریخ'' اور ثقۃ الاسلام علامہ محمد بشیر انصاری ''فاتح ٹیکسلا'' کی ''تاریخ اسلام'' پر بھی ''تاریخ'' کا اطلاق ہوتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب!

(تاریخ) ایک شریف، مفید اور معزز علم ہے، جس کی ترغیب خود اللہ تعالیٰ نے گذشتہ انبیائے کرام کو بھی دی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے متعلق تاکید کرتے ہوئے فرمایا: اور یاد دلا ان کو دن اللہ کے (سورۃ ابراہیم 5)...

اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہوتا ہے: ''اور پیغمبروں کے وہ سب حالات جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں، ان سے ہم تمہارے دل کو مضبوط رکھتے ہیں'' (سورہ ہود 120)

قرآن مجید کی درجنوں سورتیں امم ماضیہ کے قصوں کو بیان کرتی ہیں تاکہ ان کے انجام بد سے عبرت پکڑی جائے۔ امت مسلمہ کو سمجھایا جاتا ہے، بے شک ان لوگوں کے قصوں میں عقل والوں کے لئے عبرت کا سامان ہے۔ (سورۃ یوسف 111)

ہمارے نزدیک فن تاریخ کے اصل بانی اہل فارس و روم اور یونانی نہیں جن کے پاس چند رزمیہ داستانوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ ہماری تاریخ کے بانی خود آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام،

تابعین اور محدثین ہیں...

بخاری و مسلم کی کتاب المغازی دیکھ لیں جس کا موضوع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات تاریخی ترتیب سے بیان کرنا ہے..."

(صحیح بخاری میں "کتاب الجھاد والسیر" اور "کتاب المغازی" کے عنوانات الگ الگ قائم کیے گئے ہیں جبکہ صحیح مسلم میں صرف "کتاب الجھاد والسیر" کا عنوان ہی پایا جاتا ہے "کتاب المغازی کا عنوان نہیں ہے۔شاید روزنامہ اسلام والوں کے پاس صحیح مسلم کو جو نسخہ ہو اس میں دونوں عنوانات، الگ الگ ہوں اسی لئے زیر بحث مضمون میں "بخاری و مسلم کی کتاب المغازی" کا حوالہ دیا گیا ہے)

"صحابہ کرام کے دور میں تاریخی تقویم تیار ہوئی...حضرت عمرؓ نے فیصلہ سناتے ہوئے فرمایا: ہجرت سے تقویم کا آغاز کیا جائے...(حضرت عثمانؓ کی رائے کے مطابق) فیصلہ ہوگیا کہ سال ہجری محرم سے شروع ہوگا، یہ واقعہ سن 17 یا 18 ہجری کا ہے...(روزنامہ اسلام 16 اکتوبر 2016ء)

دوسری قسط میں بھی خلط مبحث اور طعن و تشنیع سے کام لیا گیا ہے:

"محترم اوریا مقبول جان صاحب نے ایک بار پھر حدود وقیود سے بہت آگے بڑھ کر...

موصوف کی تینوں غلط فہمیاں اسلامی علوم سے حد درجے ناواقفیت پر مبنی ہیں اور افسوسناک حد تک خود درائی کا شاخسانہ ہیں، یہ خواب پریشاں ہیں جو موصوف نے کسی اور عالم کی سیر کرتے ہوئے دیکھے ہیں، حقیقت کی دنیا سے ان باتوں کا کوئی تعلق نہیں۔(روزنامہ اسلام 17 اکتوبر 2016ء)

روزنامہ اسلام کے جھوٹ پلس (+) کالم کی تیسری قسط

"جھوٹ + جھوٹ + جھوٹ" ہے

حضرت مفتی صاحب!

زیر بحث مضمون کا "تیسرا اور آخری کالم" دراصل "کذب وافتراء کا عظیم شاہکار" ہے۔

"کذب وافتراء" طعن و تشنیع اور غیر اسلامی بلکہ غیر انسانی اسلوب و غیر مہذبانہ طرز تخاطب کی

بعض مثالیں روزنامہ اسلام کے ادارتی صفحات سے پیچھے گذر چکی ہیں۔اب اس مضمون کے تیسرے کالم کو جو" کذب وافتراء کا عظیم شاہکار" قرار دیا جاسکتا ہے۔اس کے ثبوت کے طور پر قسط کا متعلقہ حصہ روزنامہ اسلام سے ہی بلفظہ آپ کی خدمت میں یہاں پیش کیا جارہا ہے ملاحظہ فرمائیں:

"............جن مؤرخین اور سیرت نگاروں کو جھوٹا قرار دینے کے لئے "عظیم تحقیقی کتاب" والے بزرگ نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے، ان میں سے کئی وہ ہیں جن پر نہ صرف سیرت اور دور صحابہ کی اکثر تاریخی روایات بلکہ احادیث کے ایک بڑے حصے کا دارومدار ہے۔ان میں ایک بڑی تعداد تابعین کرام اور ایسے محدثین کی ہے جن سے فقط امام طبری ہی نے نہیں، بلکہ امام بخاری، امام مسلم، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام طحاوی جیسے جبالِ علم نے بھی روایات لی ہیں۔

ان میں سے ایک قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ ہی کو لے لیں جن سے تاریخی روایات بکثرت منقول ہیں۔یہ بھی نسلاً عرب ہیں۔ساری زندگی صحابہ کی خدمت کی۔یہ واحد تابعی ہیں جنھوں نے عشرہ مبشرہ میں سے نو کی شاگردی کی ہے۔"عظیم تحقیقی کتاب" میں تو انہیں منکرالحدیث قرار دیا گیا ہے۔مگر انہی قیس بن ابی حازم سے صحیح مسلم میں ۱۴، ابو داؤد میں ۳، ترمذی میں ۱۸، نسائی میں ۲، ابن ماجہ میں ۴ احدیثیں لی گئی ہیں۔امام بخاری نے تو کمال ہی کردیا کہ ان سے ۲۱ روایات لی ہیں۔ائمہ اربعہ نے بھی ان کی روایات کو قبول کیا ہے۔مؤطا مالک میں ان کی ایک، کتاب الاثار (امام ابو یوسف) میں ایک، مسند امام شافعی میں چار، اور مسند احمد میں ۷۱ روایات نقل کی گئی ہیں۔امام احمد کو ان پر اتنا اعتماد ہے کہ اپنی مسند میں ان سے بعض روایات وہی لی ہیں جو امام طبری نے ماء حوآب کے حوالے سے نقل کی ہیں جن کا نقل کرنا "عظیم تحقیقی کتاب" کی روشنی میں سخت گناہ بلکہ گمراہی قرار پایا ہے۔اب ایسی "تحقیقات" کرنے اور انہیں ماننے والوں کے دین وایمان کا تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ بخاری شریف کی ۲۱، مسلم کی ۱۴، مسند احمد کی ۷۱ اور مسند امام شافعی کی ان چار احادیث کو یکسر مردود قرار دیں اور ان محدثین اور ائمہ مجتہدین کو بھی انہی مؤرخین کی صف میں لاکر خائن شمار

کریں یا بہت رعایت مطلوب ہو تو فنِ حدیث اور فنِ رجال سے ناواقف سمجھیں۔ یہ تو ہوا صرف ایک قیس بن ابی حازم کو لے کر موصوف اور موصوف کے ممدوح کی تحقیقات کا ثمرہ۔ان اخباری حضرات میں عروہ بن زبیر بھی تھے۔کیا وہ عجمی النسل تھے؟صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نواسے تھے۔ان کی روایات کا بہت بڑا حصہ سیرت اور صحابہ کی تاریخ پر ہی تو مشتمل ہے۔انہی بزرگوں میں امام ابن شہاب الزہری بھی تھے۔عجمی نہیں قریشی تھے۔ اولین مؤرخین اسلام میں سے ایک ہیں جن سے امام طبری سمیت مؤرخین نے بے دریغ سیرت اور تاریخ کی روایات لی ہیں۔ یہی زہری صحیح مسلم کی چارسو سے زائد اور بخاری شریف کی چھ سو سے زائد احادیث کے روای ہیں۔کیا زہری اور ان سے استفادہ کرنے والے محدثین بھی ''لتھڑے ہوئے'' تھے؟

اب محمد بن اسحٰق کو دیکھئے۔محمد بن اسحٰق بن یسار بن خیار۔پورا شجرہ نسب ہی عربی ہے۔ رہے بھی بچپن سے مدینہ میں۔تابعی ہیں۔مکحول،قاسم بن محمد اور سعید بن المسیب کے شاگرد ہیں۔علی بن مدینی فرماتے ہیں:''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا دارومدار چھ افراد پر ہے اور ان چھ کا دارومدار بارہ راویوں پر ہے جن میں سے ایک محمد بن اسحٰق ہیں۔''(جان صاحب کا دل چاہے تو کسی کی ایک آدھ کی جرح کا پتھر اٹھا کر علی بن مدینی جیسے جرح و تعدیل کے امام پر بھی دے ماریں) مگر یہ بات یہیں تک نہیں رکے گی،ان تحقیقاتِ جدیدہ کے بانیوں سے ان کے پیروکار یہ سوال ضرور کریں گے کہ جب بخاری و مسلم سمیت کوئی بھی (کتب) حدیث مردود روایات سے محفوظ نہیں تو سارا ذخیرہ حدیث ہی مشکوک ہو گیا ہے۔ اس کی صفائی اور ردّ و بدِ حدیث کا کام از سر نو شروع کریں۔اس طرح اصلاح دین اور دفاع شخصیاتِ مقدسہ کے نام پر پورے دین کی عمارت ہی ڈھا دی جائے گی تب ہی کہیں جا کر تحقیقات کا بھوت اترے گا۔

آخر میں ایک مسلمہ نکتے پر بات ختم کرتا ہوں۔ یہ تو موصوف کالم نگار بھی مانتے ہیں کہ علم الرجال معتبر ہے اور اسی کے ذریعے حدیث کی حفاظت ممکن ہوئی ہے جیسا کہ وہ

علمائے رجال کے متعلق فرماتے ہیں :''ایک ایک راوی کے کردار، اخلاق اور ایمان کو زیرِ بحث لائے۔'' سوال یہ ہے کہ یہ علم رجال کیا آسمان سے نازل ہوا تھا۔ نہ یہ وحی ہے، نہ یہ حدیث ہے۔ یہ لوگوں کے اقوال ہیں جو لوگوں کے بارے میں ہیں۔ لوگوں کے حالات کا یہ علم تاریخی مواد ہی تو ہے۔ اگر یہ فلسفہ مان لیا جائے کہ تاریخ غیر معتبر ہے تو فن رجال کہاں جائے گا جس میں ایک بہت بڑا حصہ اخباری راویوں کی روایات اور انسانی آراء کا ہے۔ علم رجال کا انتہائی اہم ماٗخذ محمد بن سعد کی ''الطبقات الکبریٰ'' ہے۔ بعد کے تمام ائمہ فنِ رجال نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ اس کا بیشتر مواد تاریخی روایات پر ہے۔ اس میں صحیح السند روایات کے ساتھ ساتھ محمد بن اسحٰق اور واقدی سمیت سینکڑوں ضعیف راویوں سے مروی ہزاروں روایات ہیں۔ محمد بن سعد شخصیات کا ذکر کر کے آخر میں اپنی رائے بتاتے ہیں کہ وہ ثقہ مانا گیا ہے یا ضعیف۔ یہ محمد بن سعد، واقدی کے سب سے نامور شاگرد ہیں جو علماءِ اسلام کے نزدیک معتبر مؤرخ اور ہمارے جدید محقق کے نزدیک سبائی ایجنٹ تھے۔ اسی طرح بعد میں مدوّن کی گئی فنِ رجال کی کتب جن میں تمام آراء کو جمع کیا گیا ہے دیکھ لیں، مثلاً سیر اعلام النبلاء۔ اس کا بہت بڑا حصہ تاریخی اسناد کی روایات پر مشتمل ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ فنِ رجال کے ان جلیل القدر ائمہ نے ایسی کتب بھی مدون کی ہیں جن میں بیک وقت تاریخ بھی ہے اور علم رجال بھی۔ رجال کے سب سے بڑے امام جن کے کاندھوں پر اس علم کی عمارت کھڑی ہے، حافظ شمس الدین ذہبی ہیں۔ ۴۵ جلدوں میں ان کی تاریخِ الاسلام اٹھا کر دیکھ لیں۔ ہر جلد میں دو حصے کیے گئے ہیں۔ ایک حصے میں تاریخی واقعات سن وار اور باقاعدہ ''نیت باندھ کر'' نقل کئے گئے ہیں۔ محمد بن اسحٰق، زہری، طبری، بلاذری، سبھی کی روایات نہایت عمدہ ترتیب سے لی گئی ہیں۔ دوسرے حصے میں رجال کا علم ہے۔ راویوں اور شخصیات پر بھرپور بحث کی گئی ہے۔ اب اگر کوئی خود کو حافظ ذہبی سے بڑا، ماہر رجال سمجھتا ہے اور اس کا خیالِ خام یہ ہے کہ ان جیسے علماء کو تو کچھ پتا ہی نہیں تھا کہ وہ کیا کچھ جمع کرتے چلے گئے اور کس کس کو ثقہ ہونے کی سند پکڑاتے گئے اور یہ کہ تاریخ کی کمزوریوں کو آج

"عظیم تحقیقی کتاب" والے موصوف نے پر کھا ہے، تو وہ کس منہ سے سنت کو محفوظ سمجھنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ ایسی ذہنیت والے کے لئے بس دعائے ہدایت ہی کی جا سکتی ہے۔ (روزنامہ اسلام 18 اکتوبر 2016 بعنوان: کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟ تحت کالم براہ راست)

حضرت مفتی صاحب!

آپ تو بخوبی جانتے ہیں کہ مروجہ "تاریخ یا اسلامی تاریخ" سے روزنامہ اسلام کے قارئین کیا آگاہ ہوں گے یہاں تو پورا مذہبی طبقہ ہی اس علم سے "نا آشنا" ہے۔ الاماشاءاللہ!

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہمارے مدارسِ دینیہ کے اساتذہ وطلبہ کی غالب ترین اکثریت بھی اس علم سے کماحقہ آگاہ نہیں ہے۔ جہاں تک تاریخ کے ایک خاص اور اہم شعبے "علم رجال" (جس پر حفاظت حدیث موقوف ہے) کا تعلق ہے تو اس کی بھی کوئی کتاب باقاعدہ درس نظامی کے نصاب کا حصہ نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ، جس مخصوص استاذ حدیث وغیرہ یا مناظرِ اسلام (بلکہ مناظر مسلک وفقہ) کو اپنا فروعی مذہب یا مسئلہ ثابت کرنا ہو تو وہ کتب رجال سے کسی امام کی راوی کے بارے میں "تعدیل" پیش کر کے مطمئن ہو جاتا ہے۔

جبکہ دوسرا فریق ان ہی کتابوں بلکہ ان ہی اماموں سے اسی راوی پر "جرح" کا قول پیش کر کے "حریف" کی دلیل کو مسترد کر دیتا ہے۔ مدارس کے اساتذہ، طلبہ اور دیگر فضلاء اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔

یہ بات تو ہوئی تاریخ کے ایک خاص اور ضروری شعبے "علم رجال" کی۔ اور جہاں تک تعلق ہے عام "تاریخ اسلام" کا تو اس مضمون کو نصاب سے "خارج" ہی سمجھا گیا ہے۔ اگر اس علم پر بھی دینی علم کا "دارومدار" ہوتا تو کم از کم جامعین صحاح ستہ کے ہم عصر اور "امام التاریخ" علامہ طبری کی "تاریخ الامم والملوک" کو ہی "موقوف علیہ" کے درجے میں شامل نصاب کر دیا جاتا۔ اگر اس درجے میں کسی "عارضہ" کے سبب شاملِ نصاب نہیں ہو سکتی تو پھر دورہ حدیث میں تو ضرور تاریخ طبری کو لازمی مضمون کی حیثیت سے شامل کر دینا چاہئے تھا کیونکہ امام طبری نے ہی سلسلہ سند کا خصوصی التزام کیا ہے پھر "روزنامہ اسلام" کی تصریح وتحقیق کے مطابق حدیث کے راوی بھی وہی ہیں جو تاریخ کے ہیں کیونکہ "اسماء الرجال کی کتب میں یہ شرط ہے ہی نہیں کہ اس میں راویان حدیث کے حالات جمع کئے

جائیں گے، تاریخی راویوں کے نہیں۔"

اگر آٹھ سالہ نصاب میں پہلے یہ مضمون اپنی اہمیت کے باوجود کوئی جگہ نہیں بنا سکا تو اب ''روزنامہ اسلام'' کے ذمہ دار اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے وفاق المدارس کی سطح پر کسی بھی درجے میں طلبہ کی ''استعداد'' کو پیش نظر رکھتے ہوئے شامل نصاب کرا دیں۔ پھر صدر وفاق المدارس اپنے ''خصوصی اختیارات'' استعمال کرتے ہوئے اتحادِ مدارسِ دینیہ کے اجلاس میں زیرِ غور لا کر اسے ''نافذ'' کر دیں کیونکہ یہ بابرکت اتحاد موصوف ہی کی مساعی جمیلہ کا ''ثمرہ'' ہے۔ اس طرح وفاق المدارس العربیہ، تنظیم المدارس، رابطۃ المدارس، وفاق المدارس السلفیہ اور'' وفاق المدارس الشیعۃ'' سے منسلک مدارس و طلبہ بیک وقت ''تاریخ طبری'' سے مستفید ہو کر اپنا عظیم ''علمی ورثہ'' کو آنے والی نسلوں تک منتقل کرنے میں اہم کردار ادا کریں گے۔ موخرالذکر ''وفاق'' (یعنی شیعہ وفاق) کے تو مزے ہی مزے ہیں کیونکہ اسے اپنا مذہب (تحریف قرآن، عقیدہ امامت اور تولّا و تبرا یعنی توہینِ صحابہ) ثابت کرنا آسان ہو جائے گا۔ رابطۃ المدارس والے بھی ''گھاٹے'' میں نہیں رہیں گے کیونکہ انہیں بھی ''خلافت و ملوکیت'' اور'' خلافت و ملوکیت پر اعتراضات کا ''علمی'' تجزیہ'' کی تائید و تصدیق کرنے میں ''تاریخ طبری'' سے کافی مدد ملے گی۔

حضرت مفتی صاحب!

آپ نے ''روزنامہ اسلام'' میں تین قسطوں پر مشتمل ایک مضمون ''کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟'' کے عنوان سے شائع کر کے امت مسلمہ پر ایک ''احسان'' کیا ہے۔ لہٰذا اب آئندہ نسلوں پر مزید ''احسان'' کرتے ہوئے ''اتحاد مدارس دینیہ'' کے بورڈ کی طرف سے باضابطہ طور پر ''تاریخ الامم والملوک'' کو ''موقوف علیہ'' کے درجے میں نصاب کا حصہ بنوا دیں تاکہ دورہ حدیث کے طلبہ کو ''کتاب المغازی، کتاب الجہاد والسیر، کتاب الانبیاء اور کتاب المناقب'' کے ابحاث سمجھنے میں آسانی ہو کیونکہ تاریخ اور حدیث دونوں کے راوی علیٰ حسب مراتب ایک ہی ہیں۔ اور ان کے حالات بھی ائمہ رجال نے باقاعدہ ''نیت باندھ'' کر ہی محفوظ کئے ہیں۔ اس کا ایک ضمنی فائدہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک متروک مذہب ''یعنی فقہ جریریہ'' کا از سرِ نو احیاء ہو کر اسے ''اتحاد بین المذاہب'' کا ایک مستقل رکن بنایا جا سکے گا اس پر کسی ''مذہب'' کے پیروکار کو کوئی ''اعتراض'' بھی نہیں ہوگا۔ کیونکہ

روزنامہ اسلام نے اپنے کالم ''براہ راست'' کے تحت مضمون کا عنوان ہی یہ تحریر کیا ہے کہ ''کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟'' ظاہر ہے کہ عنوان میں ''استفہام'' سے مراد استفہام انکاری ہی ہوسکتا ہے یعنی ''تاریخ'' غیر اسلامی علم نہیں ہے۔ جب تاریخ بھی دوسرے علوم ہی کی طرح ایک اسلامی علم ہے تو پھر ''اتحاد مدارس دینیہ'' کے ارباب اس علم کے ساتھ سابقہ ''تاریخی'' بدسلوکی کا ازالہ کرتے ہوئے اسے آئندہ نصاب کا حصہ بنادیں۔

حضرت مفتی صاحب!

روزنامہ اسلام کے ''ادارتی صفحہ'' سے عبارت میں ''من وعن'' نقل کرچکا ہوں یقین نہیں آتا کہ ''کذب وافتراء'' پر مشتمل ایسا قبیح مضمون روزنامہ اسلام کے ادارتی صفحہ کی زینت بھی بن سکتا ہے جس سے ایک مہذب غیر مسلم بھی شرما جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"ان مما أدرك الناس من كلام النبوة الأولى اذا لم تستحي فاصنع ما شئت"

(صحیح بخاری۔کتاب الادب باب: اذا لم تستحي ۔رقم الحدیث 6120 کتاب الانبیاء رقم الحدیث 3483)

بلاشبہ پہلی نبوت کی باتوں میں سے جو (موجودہ زمانہ کے) لوگوں میں موجود ہیں ایک یہ بھی ہے جب تجھ میں شرم نہ رہے تو جو چاہے کر۔

یہ ملحوظ رہے کہ قوسین سمیت اس حدیث کا ترجمہ سابق استاذ حدیث دارالعلوم کراچی مولانا محمد عاشق الٰہی بلندشہری کی کتاب سے ماخوذ ہے اور یہ حدیث اسی تاریخ کا تسلسل ہے جسے زیر تبصرہ مضمون کی پہلی قسط میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

''ہمارے نزدیک فن تاریخ کے اصل بانی اہل فارس وروم اور یونانی نہیں جن کے پاس چند رزمیہ داستانوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ ہماری تاریخ کے بانی خود حضرت آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم ہیں...'' (روزنامہ اسلام 16 اکتوبر 2016ء)

حضرت بلندشہری اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''حیاانسان میں بہت اچھی صفت رکھ دی گئی ہے جو ایمان کا ایک اہم شعبہ ہے۔ حیا ہی وہ چیز

ہے جو انسان کو فواحش و منکرات سے روکتی ہے۔ جب کوئی بے شرمی پر اتر آئے تو سب کچھ کرسکتا ہے۔ اسی کو انبیائے سابقین علیہم الصلوۃ والتسلیم نے اس طرح بیان فرمایا کہ "اذا لم تستحی فاصنع ما شئت" اوران کا یہ جملہ قرنًا بعد قرن منقول ہوتا چلا آیا حتیٰ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی لوگوں میں مشہور تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصویب فرمائی اور بتایا کہ یہ عام لوگوں کی بنائی ہوئی مثل نہیں ہے بلکہ گذشتہ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والتسلیم کا ارشاد فرمودہ جملہ ہے۔ اس جملہ کے معنی میں شراح حدیث کے دو قول ہیں ایک وہ جو ہمارے ترجمہ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ جس میں شرم نہ رہے وہ کسی چیز کا پابند ہی نہیں ہوسکتا نہ مخلوق سے شرماتا ہے نہ اللہ سے حیا کرتا ہے۔ اب جو گناہ چاہے کرے اور جو فحش عمل کرنا چاہے کر ڈالے۔ برائی سے روکنے والی صفت وہ کھو ہی چکا ہے۔ (شرح اربعین نووی ص 105۔106۔ مطبوعہ درالاشاعت کراچی)

حضرت مفتی صاحب!

زیر تبصرہ مضمون میں صریح جھوٹ بول کر قارئین روزنامہ اسلام کی غلط راہنمائی کی گئی ہے۔ یہ بات ہرگز محتاج وضاحت نہیں ہے کہ انسان کے سارے اخلاق ذمیمہ میں سے سب سے زیادہ بری اور مذموم عادت جھوٹ کی ہے کیونکہ یہ برائی ہر قسم کی قولی اور عملی برائیوں کی جڑ ہے۔ جھوٹے شخص کے دل سے اللہ کی روشنی (ہدایت) بجھ جاتی ہے:

"ان اللہ لا یھدی من ھو کاذب کفار" (الزمر 3)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اس کو جو جھوٹا (اور) ناشکرا ہو۔

علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دائرہ بہت وسیع ہے وہ دنیا کے ذرہ ذرہ کو گھیرے ہوئے ہے، اس کی رحمت کی چھاؤں میں ساری کائنات آرام کر رہی ہے مگر رحمت الٰہی کے اس گھنے سایہ سے وہ باہر ہے جس کا منہ جھوٹ کی باد سموم سے جھلس رہا ہے۔

اسلام کی لغت کا سخت ترین لفظ "لعنت" ہے۔ لعنت کے معنی "اللہ کی رحمت سے دوری اور محرومی" کے ہیں۔ قرآن پاک میں اس کا مستحق شیطان بتایا گیا ہے اور اس کے بعد یہودیوں، کافروں اور منافقوں کو اس کی وعید سنائی گئی ہے لیکن کسی مومن کو "کذب" کے سوا اس کے کسی فعل کی

بناء پر لعنت سے یاد نہیں کیا گیا۔جھوٹ بولنے اور جھوٹ الزام لگانے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے کہ جو جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت کی جائے۔مباہلہ کے موقع پر یہ فرمایا گیا کہ جو ہم میں جھوٹا ہو اس پر اللہ کی لعنت کی جائے...

اس سے معلوم ہوا کہ جھوٹ ایسی بری چیز ہے کہ جو اس کا مرتکب ہوتا ہے وہ کافروں اور منافقوں کی طرح کی بددعا کا مستحق ہوتا ہے۔

جھوٹ کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ جان کر کوئی انجان بن جائے ،حق کا علم رکھ کر بھی اس کے اظہار سے باز رہے اللہ تعالیٰ نے ایسے جھوٹوں پر بھی لعنت فرمائی ہے:

ان الـذيـن يـكتمون ما انزلنا من البينت والهدى من بعد ما بينه للناس فى الكتاب اولٓئك يلعنهم الله و يلعنهم الاعنون O(البقرہ159)

''بے شک جو چھپاتے ہیں جو اتارے ہم نے صاف حکم اور راہ کے نشان ،اس کے بعد کہ ہم نے کتاب میں ان کو انسانوں کے لئے کھول کر کہہ دیا ہے ،ان پر اللہ لعنت بھیجتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔''

یہ جھوٹ کی سلبی صورت ہے کیونکہ اس خاموشی اور اخفاء سے مقصود یہ ہے کہ لوگ اس حق کو باور نہ کریں اور اس کو جھوٹا سمجھیں اس لئے وہ جھوٹ کے گو قولاً نہیں لیکن عملاً مرتکب ہوتے ہیں اور نفاق کی پرورش کرتے ہیں...

جھوٹ کی خطرناک صورتوں میں سے ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص ،ایک شخص کو سچا اور قابل اعتبار سمجھتا ہے ،اس لئے اس کی ہر بات کا یقین کر لیتا ہے لیکن وہ شخص اس کے علم و یقین سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے اور جھوٹ بول کر اس کو سخت فریب و نقصان میں مبتلا کر دیتا ہے ،اسلام نے اس کو سخت خیانت قرار دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

''یہ ایک بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے ایک جھوٹی بات کہو درآنحالیکہ وہ تم کو سچا سمجھتا ہو''

اس سے بھی زیادہ خطرناک جھوٹ وہ ہے جس سے لوگوں کے حقوق اور عزت و آبرو کو نقصان پہنچے اور اس سے معاشرتی نظام میں خلل واقع ہو۔یہ جھوٹ عام جھوٹ سے اس قدر مختلف ہے کہ

اسلام نے اس کا نام تک بدل دیا ہے اور اس کو "زور" اور "افک" وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا ہے، جس کے معنی منحرف ہونے اور الٹ پلٹ دینے کے ہیں، جھوٹ کی یہ صورت اس قدر خطرناک ہے کہ خداوند تعالیٰ نے شرک کے ساتھ ساتھ اس کا ذکر کیا ہے اور مسلمانوں کو حکم دیا ہے:

"فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور (سورة الحج 30)

بتوں کی گندگی اور جھوٹی بات کے کہنے سے بچتے رہو۔

"زور" اگرچہ ایک عام لفظ ہے جس میں کذب و بہتان وغیرہ سب شامل ہیں لیکن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے خاص طور پر جھوٹی شہادت مراد ہے۔

"افك" اس سے بھی زیادہ سخت لفظ ہے، اس کے معنی ہیں کسی پر جھوٹ باندھنا۔ مشرک خدا پر جھوٹ باندھا کرتے تھے، ان کو قرآن نے "افک" کہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کی سرحد کبھی کبھی شرک سے بھی مل جاتی ہے...

جھوٹ کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ انسان جھوٹ سچ جو کچھ سنے ان کو بلا تحقیق دوسروں سے کہتا پھرے۔ ایسا شخص بے اعتبار سمجھا جاتا ہے اور سوسائٹی میں اس کی بات کی قدر نہیں ہوتی۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ" (مقدمہ صحیح مسلم)

آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ جو سنے وہ کہتا پھرے۔

ایسے لوگوں کو جو ہر سنی سنائی بات پر یقین کر لیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جھوٹ کے بڑے سننے والے کا خطاب دیا ہے۔ یہودیوں کے ایک گروہ کی نسبت فرمایا:

"سمعون للكذب (المائدہ 41) جھوٹ کے بڑے سننے والے ہیں۔

(سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد 6 ص 534-535)

حدیث میں "کذب بیانی" کو منافق کی نشانی قرار دیا گیا ہے:

"اية المنافق ثلاث : اذا حدث كذب و اذا وعد أخلف و اذا اؤتمن خان"

(صحیح بخاری، کتاب الایمان باب علامۃ النفاق۔ رقم الحدیث 33)

منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے اور جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ:

"أيكون المؤمن جبانا؟قال: نعم، فقيل له: أيكون المؤمن بخيلا؟ قال: نعم، فقيل له: أيكون المؤمن كذابا؟ قال: لا۔"

(مؤطا امام مالك۔ كتاب الاحكام باب ماجاء في الصدق والكذب)

''کیا ایک مومن بزدل ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں (مومن بزدل ہوسکتا ہے) پھر پوچھا گیا کہ: کیا ایک مومن بخیل ہوسکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں (مومن بخیل ہوسکتا ہے) پھر پوچھا گیا: کیا ایک مومن جھوٹا ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں (ایک مومن جھوٹا نہیں ہوسکتا)''

حضرت مفتی صاحب!

روزنامہ اسلام کا زیر بحث مضمون جھوٹ کی مذکورہ تمام صورتوں کو محیط ہے جس کی زد میں آپ بھی آتے ہیں کہ ایک تو آپ نے ۱۸ اکتوبر ۲۰۱۶ء کو ''روزنامہ اسلام'' میں شائع ہونے والے بدترین جھوٹ سے آگاہ ہوجانے کے باوجود ہنوز خاموشی اختیار کر رکھی ہے اور دوسرا یہ کہ آپ کے زیر ادارت اخبار میں یہ جھوٹ شائع ہوکر ہزاروں قارئین کی غلط راہنمائی کا سبب بنا۔

صد افسوس کہ عام اخبارات کے ذمہ دار حضرات اس قسم کی ''غلطی'' سے مطلع ہوجانے کے بعد اگلے دن اسی اخبار میں ''اعتذار'' شائع کردیتے ہیں مگر ایک ''مذہبی'' اخبار اس ''اخلاقی جرأت'' کا مظاہرہ نہ کرسکا۔

علاوہ ازیں زیر بحث مضمون میں ''بہتان طرازی اور افتراء پردازی'' بھی پائی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ" (النحل آیت: 105) ''وہی لوگ تراشا کرتے ہیں جھوٹ جو ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ کی آیات پر اور یہی

لوگ جھوٹے ہیں"

علامہ سید سلیمان ندویؒ کے نزدیک "بہتان" کی سادہ تعریف یہ ہے کہ جان بوجھ کر کسی بے گناہ کو "مجرم" ٹھہرادیا جائے یا اس کی طرف کوئی نا کردہ گناہ یا برائی منسوب کی جائے یہ بھی ایک طرح کا جھوٹ ہے بلکہ قرآن نے اس کو بھی خیانت کہا ہے۔ بعض بہتان ایسے ہوتے ہیں جن کا سرے سے وجود ہی نہیں ہوتا لیکن شرارت کی راہ سے کسی بے گناہ کے سر اس لئے تھوپا جاتا ہے کہ اس کی بدنامی ہو۔ قرآن نے اس کا نام "افک" رکھا ہے۔ یہ دونوں باتیں جھوٹ ہونے کے علاوہ حد درجہ شرافت کے خلاف ہیں اور اسی لئے جو لوگ جان بوجھ کر یا بے جانے بوجھے بہتان باندھنے میں شریک ہو جاتے ہیں وہ گناہ گار اور خیانت کار ہیں۔ (سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد 6 ص 554)

حضرت مفتی صاحب!

زیر بحث "مضمون" میں جھوٹ، خیانت، بددیانتی اور بہتان کے علاوہ "فریب دہی اور مغالطہ دہی" بھی پائی جاتی ہے جس سے دین اسلام نے منع کیا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن الاغلوطات"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مبہم، الجھی ہوئی اور مغالطہ دینے والی باتوں سے منع فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: ابوداؤد 3156، مسند احمد 23688، مشکوۃ کتاب العلم ص 35

روزنامہ اسلام میں جناب اوریا مقبول جان صاحب کو یہ دعوت دی گئی کہ "اس وضاحت کے بعد اوریا صاحب دیکھیں کہ وہ اپنے بیانات کی روشنی میں کہاں کھڑے ہیں؟" (روزنامہ اسلام 17 اکتوبر 2016ء)

حضرت مفتی صاحب!

(۱۷٦)	روزنامہ اسلام میں "خلط مبحث، طعن و تشنیع، مغالطہ دہی، فریب دہی اور کذب وافتراء" پر مبنی شائع ہونے والے "بیانات" سے متعلق قرآن وحدیث کے مذکورہ احکام کی روشنی میں اس "فعل" کے تمام ذمہ دار حضرات دیکھیں کہ وہ کہاں کھڑے ہیں؟

حضرت مفتی صاحب!

روزنامہ اسلام کے اداراتی صفحات پر شائع ہونے والے مضامین ''احتیاط لازم ہے، کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟'' میں چند ''کذب بیانیوں'' کی نشاندہی کرکے ان کے بارے میں ''دین اسلام'' کا حکم بھی بتادیا گیا ہے مگر آپ کو ابھی تک اس کی ''سنگینی'' کا اندازہ ہی نہیں ہوسکا۔

ع بات پہنچی ہے کہاں تک یہ تجھے کیا معلوم؟

حضرت مفتی صاحب!

روزنامہ اسلام میں حال ہی میں شائع ہونے والا تین قسطوں پر مشتمل مضمون یقیناً طعن و تشنیع، خلط مبحث اور کذب و افتراء کا مرقع ہے جس میں سے چند امور کی نشاندہی کرکے شرعی حکم کی بھی وضاحت کردی گئی ہے لیکن میں نے اس حقیقی ''صغرے و کبرے'' کے باوجود کوئی نتیجہ اخذ کرکے ان امور کے مرتکب کو ''الطعان، اللعان، الفاحش، البذی، الکاذب، المفتری، تمام حدود و قیود سے ایک بار پھر آگے بڑھ کر، اسلامی علوم سے حد درجہ ناواقف، افسوس ناک حد تک خودرائی کا شکار، یہ خواب پریشاں ہیں جو موصوف نے کسی اور جہاں کی سیر کرتے ہوئے دیکھے ہیں حقیقت کی دنیا سے ان باتوں کا کوئی تعلق نہیں، یہ ارشادات بھی جہالت کا نادر نمونہ ہیں، تیسری غلط فہمی جو دراصل ایک شدید قسم کی بدگمانی ہے اور وہی ان کی کج روی کی اصل جڑ ہے'' ہرگز قرار نہیں دیا۔

کیونکہ یہ نہ تو میرا منصب ہے اور نہ ہی کسی عالم دین یا عام مسلمان کے بارے میں بالتعیین ایسا تصور کرسکتا ہوں۔ لیکن اس کے برعکس روزنامہ اسلام میں شائع ہونے والی تیسری اور آخری قسط میں کسی ''صغریٰ'' کے بغیر ہی اس کے ساتھ اپنا خود تراشیدہ ''کبریٰ'' نتھی کرکے اس نتیجے کا اعلان کردیا گیا کہ:

''عظیم تحقیقی کتاب'' والے بزرگ نے صحاح ستہ، مؤطا امام مالک، کتاب الآثار، مسند امام شافعی، مسند احمد کے کثیر الروایت اور ائمہ حدیث و فقہ کے معتمد راوی جناب قیس بن ابی حازم کو ''جھوٹا، منکر الحدیث اور ان کی روایات نقل کرنے کو سخت گناہ بلکہ گمراہی قرار دیا ہے۔

پھر روزنامہ اسلام میں اس ''صغریٰ و کبریٰ'' کو ملا کر یہ بھیانک نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ:

اب ایسی ''تحقیقات'' کرنے اور انہیں ماننے والوں کے دین و ایمان کا تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ بخاری شریف کی ۲۱، مسلم کی ۱۴، مسند احمد کی ۷۱ اور مسند امام شافعی کی ان چار احادیث کو یکسر مردود قرار دیں اور ان محدثین اور ائمہ مجتہدین کو بھی انہی مؤرخین کی صف میں لاکر خائن شمار کریں یا بہت رعایت مطلوب ہو تو فنِ حدیث اور فنِ رجال سے ناواقف سمجھیں۔ یہ تو ہوا صرف ایک قیس بن ابی حازم کو لے کر موصوف اور موصوف کے ممدوح کی تحقیقات کا ثمرہ۔ (روزنامہ اسلام میں یہاں صرف بخاری، مسلم، مسند احمد اور مسند امام شافعی میں قیس بن ابی حازم کی مرویات کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ اس سے پہلے والے اقتباس میں ''ابو داؤد میں 3، ترمذی میں 13، نسائی میں 2، ابن ماجہ میں 14، مؤطا امام ملک میں 1، کتاب الآثار (امام ابو یوسف) میں 1 روایت کا بھی اعتراف کیا جا چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ ''روزنامہ اسلام'' کے نزدیک مؤخر الذکر محدثین اور ائمہ مجتہدین کو بھی ''خائن'' یا فن حدیث و فن رجال سے ناواقف سمجھتے ہوئے قیس بن ابی حازم کی منقولہ روایات کو مردود ہی قرار دیا جائے گا۔ العیاذ باللہ)

...مگر یہ بات یہیں تک نہیں رکے گی، ان تحقیقاتِ جدیدہ کے بانیوں سے ان کے پیروکار یہ سوال ضرور کریں گے کہ جب بخاری و مسلم سمیت کوئی بھی (کتب) حدیث مردود روایات سے محفوظ نہیں تو سارا ذخیرہ حدیث ہی مشکوک ہو گیا ہے۔ اس کی صفائی اور تدوینِ حدیث کا کام از سرِ نو شروع کریں۔ اس طرح اصلاح دین اور دفاع شخصیاتِ مقدسہ کے نام پر پورے دین کی عمارت ہی ڈھا دی جائے گی تب ہی کہیں جا کر تحقیقات کا بھوت اترے گا۔

...اور یہ کہ تاریخ کی کمزوریوں کو آج ''عظیم تحقیقی کتاب'' والے موصوف نے پرکھا ہے، تو وہ کس منہ سے سنت کو محفوظ سمجھنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ ایسی ذہنیت والے کے لئے بس دعائے ہدایت ہی کی جا سکتی ہے۔ (روزنامہ اسلام ۱۸ اکتوبر ۲۰۱۶ء بعنوان: کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟)

کچھ کذب و افتراء ہے کچھ کذب حق نما ہے
یہ ہے بضاعت ان کی یہ وطیرہ ان کا ہے

حضرت مفتی صاحب!

محترم جناب اوریا مقبول جان صاحب نے تو امام طبری کو منافی عصمت اور مبنی برتوہین روایات نقل کرنے کی بناء پر ''ہمارے افسانہ ساز مؤرخین'' میں شامل کیا تھا لیکن آج (1438ھ میں) امام طبری کی وفات (310ھ) کے 1128 سال بعد امام طبری کے ایک سچے پیروکار اور وکیل صفائی کا کردار ادا کرنے والے ایک اسلامی صحافت کے علمبردار اخبار نے امام طبری ہی کی پیروی میں ''افسانہ سازی'' شروع کر دی۔ اگر یہ خرافی داستان روزنامہ اسلام کے ادارتی صفحہ پر نقل نہ ہوتی تو اس ''ہرزہ سرائی'' کا جواب ہرگز نہ دیا جاتا مگر آپ کو اصل حقیقت سے آگاہ کرنے کی خاطر چند سطور سپرد قلم کی جارہی ہیں تاکہ روزنامہ اسلام کے قارئین سمیت جب کبھی آپ کی اس مضمون ''کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟'' پر نگاہ پڑے یا اس کا خیال ہی آجائے تو فوراً اس کے ساتھ ہی اس کا جواب بھی ذہن میں آجانا چاہئے کہ یہ مضمون ایک ''خرافی داستان'' سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

مسلمانان پاکستان بالخصوص حلقہ دیوبند سے وابستہ حضرات کے انتہائی قابل اعتماد اخبار میں اس ''خرافی داستان'' کو پڑھنے کے بعد اسی اخبار کی جب یہ عبارت سامنے آتی ہے کہ:

''جناب اوریا مقبول جان کا مدارس دینیہ سے عقیدت مندانہ تعلق ہے اور وہ دینی پروگراموں میں معزز مہمان کی حیثیت سے تشریف بھی لاتے رہتے ہیں۔ گزارش ہے کہ کبھی کبھار وقت نکال کر کسی دینی مدرسے کی حدیث، فقہ یا تفسیر کی کلاس میں بھی شرکت کرلیا کریں۔ اندازہ ہوسکے گا کہ وسعتِ نظری کیا ہوتی ہے، علمی بحث کس طرح کی جاتی ہے اور اختلافِ رائے کی حدود کیا ہوتی ہیں؟ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی تصنیف ''الاعتدال فی مراتب الرجال'' (جس کا حوالہ اس مضمون میں کئی جگہ دیا گیا ہے) اختلافِ رائے کی حدود سمجھنے کے لیے بہت ہی مفید ہے۔ ان شاء اللہ اس کا مطالعہ کرنے سے فکر ونظر کو وسعت ملے گی اور ان شاء اللہ زبان وقلم کے استعمال میں احتیاط کی توفیق نصیب ہوگی۔'' (احتیاط لازم ہے۔ روزنامہ اسلام 12 /اگست 2015ء)

تو ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتا ہوں کہ یااللہ! دوسروں کو اس طرح نصیحت کرنے والا کیا خود تمام اخلاقی، قانونی اور سب سے بڑھ کر دینی و نیز جملہ حدود پھلانگ کر زیر بحث ''خرافی داستان'' ایک مذہبی اخبار میں تحریر کرنے کی سطح پر بھی اتر سکتا ہے؟ ایسا ''کردار'' تو کسی فکر آخرت سے بالکل عاری انسان ہی کو زیب دیتا ہے۔ ''دوسروں کو نصیحت، خود را فضیحت''

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

یـاایھاالذین امنوا لم تقولون مالا تفعلون o کبـر مقتا عنداللہ ان تقولوا مالا تفعلون O (الصف، 2،3)

اے ایمان والو! تم کیوں ایسی بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ بڑی ناراضی کا باعث ہے اللہ کے نزدیک کہ تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں ہو۔

اس آیت میں منافقوں کو عار دلاتے ہوئے مسلمانوں کو تربیت دی جارہی ہے کہ نیکی کی دعوت اور نصیحت پر خود بھی عمل کر کے دکھاؤ تا کہ سننے والوں کو ان کی بات کا یقین آجائے۔ دوسری آیت میں بھی اہل ایمان کو یہ بتایا جارہا ہے کہ اگر تم ایسی باتیں کرو گے جن پر خود عمل نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ازحد ناراض ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ اپنے آپ کو اس کا بندہ کہلوانے والے دوسرے لوگوں کو تو نیکی کی دعوت دیں اور خود اس پر عمل نہ کریں۔

حضرت مفتی صاحب!

روزنامہ اسلام کی حسب ذیل چند عبارات بھی ملاحظہ فرمائیں:

''قارئین! اہلِ علم اصول کے مطابق بحث کرتے ہیں اور حدود وقیود کا لحاظ رکھ کر صحیح موقف پیش کر دیتے ہیں۔ یہ کم علمی کی بات ہے کہ محدود مطالعے کے بل بوتے پر اسلاف کو ہدفِ تنقید بنایا جائے اور توہینِ رسالت جیسے الزامات عائد کر دیے جائیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہٗ الاعتدال میں تحریر فرماتے ہیں: ''مجھے حیرت ہوتی ہے ان لوگوں پر جو پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل، دو اخبار پڑھ لیے یا ایک مہمل مضمون

کسی اخبار میں لکھ دیا اور ان لوگوں پر تنقید شروع کر دیتے ہیں جو علوم کے سمندر پیے ہوئے ہیں۔ ہمیشہ یاد رکھو، کسی پر تنقید کرنے اور رد کرنے کے واسطے اس کی بات کی حقیقت اور اس کے دلائل کی قوت معلوم ہونا ضروری ہے۔ یہ انتہائی حماقت ہے کہ بغیر بات سمجھے اناپ شناپ ہانکنا شروع کر دے۔ ہم لوگوں کی مثال اس بندر کی سی ہے ایک ادرک کی گرہ کہیں سے اٹھالی اور اپنے آپ کو پنساری سمجھنے لگے۔'' (الاعتدال ص۲۲)

آگے فرماتے ہیں: ''عالم میں کیسا انقلاب رونما ہوگیا ہے۔ اکابر کا احترام بالکل جاتا رہا ہے۔ پھر اگر اہلِ علم اپنے علم کی روشنی میں ان کے خلاف کچھ بات کہیں، تب بھی ایک درجہ میں گنجائش ہو سکتی ہے مگر وہ اہلِ قلم جن کا منتہائے علم ایک اخبار کا مضمون لکھ دینا ہے یا ایک شستہ تقریر کر دینا ہے، ایسے بے جا الفاظ سے رد کرتے ہیں جو اپنے سے چھوٹوں کے لیے بھی استعمال کرنا ناموزوں ہے۔ ان باتوں کو دیکھ کر میرے استعجاب کی انتہا نہیں رہتی۔ میری ایک بات غور سے سنو، ہمیشہ ایسی چیز پر لب کشائی کرو جس کے پورے ماله وماعلیہ پر عبور ہو۔'' (الاعتدال: ص۲۳)

(روزنامہ اسلام 11 اگست 2015ء)

غلط بیانی دشمن کے بارے میں بھی نہیں کرنی چاہیے اور کوئی کرے تو ہمارا اخلاقی فرض ہے کہ حقیقت بیان کر دیں۔ (روزنامہ اسلام 30 جولائی 2015ء)

حضرت مفتی صاحب!

''کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟'' سے ایک ہفتہ پہلے یہ کالم 9 اکتوبر 2016ء کو روزنامہ اسلام میں شائع ہوا ہے، اس کی عبارت بھی ملاحظہ فرمائیں:

تاریخی موضوعات پر کالم لکھنے کی ایک دوسری وجہ ادارتی صفحہ کے تنوع کو بہتر کرنا تھا۔ ادارتی صفحہ پر حالات حاضرہ کے تقریباً تمام اہم موضوعات پر بحث ہو جاتی ہے۔ اداریے، شذرے اور کالموں میں اکثر ایک ہی قضیے کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل بات ہو جاتی ہے۔ اہم واقعے یا حادثے پر متعدد کالم آجاتے ہیں۔ تاہم تاریخی پہلو رکھنے والے

کالم بہت کم ہوتے ہیں، یعنی ایسے کالم جو ماضی کے آئینے میں حال کے خدوخال واضح کرسکیں۔ تاریخی کالم لکھنے سے راقم کی ایک غرض یہ بھی تھی کہ ادارتی صفحے کا تنوع بہتر ہو اور ہر ذوق کے قارئین اس میں زیادہ دلچسپی لیں۔

یہاں یہ عرض کردوں کہ حالات حاضرہ پر لکھنا میرے لئے تاریخی کالموں کی نسبت آسان ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حالات حاضرہ پر لکھنے کے لئے کسی کتاب کا مطالعہ نہیں کرنا پڑتا۔ آدھ گھنٹے میں دو چار تازہ اخبارات دیکھ کر ایک آدھ گھنٹے میں ایک پورا کالم لکھ دینا آسان سی بات ہے۔ ضرب مومن کے لئے کالم لکھنے میں اب بھی راقم کا تقریباً اتنا ہی وقت صرف ہوتا ہے، مگر جب تاریخ کے کسی پہلو پر لکھنا ہو تو کتابوں کی طرف رجوع کرنا ہی پڑتا ہے۔ باوجود اس کے کہ راقم تین عشروں سے تاریخی کتب کا مطالعہ کرتا چلا آیا ہے سب کچھ حافظے میں من وعن محفوظ نہیں ہوتا۔ احتیاط بھی اسی میں ہے کہ اصل کتب کو دیکھے بغیر نہ لکھا جائے۔ اس لئے راقم کے جو کالم روزنامہ اسلام میں لگ رہے ہیں، ان میں سے اکثر کالموں کے لکھنے میں چاہے کم وقت لگا ہو، مگر اس سے پہلے مطالعہ کرنے میں خاصا وقت لگ جاتا ہے...

ان میں بہت سے کالم ایسے ہیں جن میں تاریخ کو بحیثیت تاریخ بیان نہیں کیا گیا، بلکہ ماضی اور حالات حاضرہ میں تطبیق کے بعد اسباق وعبر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، مگر بہت سے کالم ایسے بھی ہیں جن میں کسی تاریخی واقعے کی تحقیق ہی مقصود تھی، جس کے متعلق قارئین شکوک وشبہات کا شکار تھے۔ بعض کالم ایسے موضوعات پر لکھے گئے جن پر کسی سیکولر یا نادان صحافی نے غلط اور خلاف تحقیق طبع آزمائی کی تھی۔ راقم انہیں آئینہ دکھانے پر مجبور ہوگیا۔

(روزنامہ اسلام 9 اکتوبر 2016ء تحت ''تاریخی کالم اور آپ کی رائے'')

حضرت مفتی صاحب!

کاش! آپ گذشتہ سال ''تاریخ صحابہ اور راہ اعتدال، علامہ طبری... مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز، احتیاط لازم ہے، ایک خط اور اس کا جواب'' کے عنوانات سے روزنامہ اسلام

میں انبیائے عظام علیہم السلام اور صحابہ کرام علیہم رضوان کی توہین وتنقیص اور منافی عصمت روایات کا تحفظ و دفاع کرنے والے کی سرپرستی سے ہاتھ کھینچ لیتے اور 9 اکتوبر 2016ء کے کالم زیر عنوان ''تاریخی کالم اور آپ کی رائے'' کی اشاعت کے بعد اپنی رائے ہی نہیں بلکہ یہ فیصلہ سنا دیتے کہ ''حضرت'' بہت ہوگئی ہے اب آپ آیندہ ''حالات حاضرہ'' پر ہی قلم آزمائی کیا کریں تا کہ آپ کا (اور دوسروں کا) قیمتی وقت ضائع ہونے سے بچ جائے۔تاریخی کالم لکھنے پر مزید مطالعہ کی زحمت بھی نہ اٹھانا پڑے۔

مگر صد افسوس کہ آپ نے سابقہ انتہائی تلخ تجربے کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی نہ صرف یہ کہ اپنا کوئی ''فیصلہ'' نہیں سنایا بلکہ 16 تا 18 اکتوبر 2016 ''کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟'' کے عنوان سے اس ''سلسلہ کذب'' کو جاری رکھنے کی بھی اجازت دے دی۔

فليبك على الاسلام من كان باكيا۔

حضرت مفتی صاحب!

روزنامہ اسلام سے جو چند عبارات پیش کی گئی ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ روزنامہ اسلام والوں نے مذکورہ عبارات میں دیئے گئے ''اصولوں'' پر خود بھی ''عمل'' کیا ہوگا۔ان ''اصولوں'' پر ایک نظر دوبارہ ڈال لیجئے:

☆	مدارس دینیہ کی حدیث،فقہ اور تفسیر کی کلاسوں میں ''اختلاف رائے کی حدود بتائی جاتی ہیں،علمی بحث کا طریقہ سکھایا جاتا ہے اور وسعت نظری'' کا درس دیا جاتا ہے۔
☆	اختلاف رائے کی حدود سمجھنے کے لئے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی کتاب ''الاعتدال فی مراتب الرجال'' کی طرف رہنمائی کی گئی ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے ''زبان وقلم'' کے استعمال میں ''احتیاط'' کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔
☆	اہل علم اصولوں کے مطابق بحث کرتے ہیں اور حدود وقیود کا لحاظ رکھ کر اپنا موقف پیش کر دیتے ہیں۔

☆	کسی پر تنقید کرنے یا رد کرنے کے لئے اس کی بات کی حقیقت اس کے دلائل کی قوت معلوم کرنا ضروری ہے۔
☆	دوسرے کا موقف اور دلائل سمجھے بغیر ''اناپ شناپ'' ہانکنا شروع کر دینا انتہائی حماقت ہے۔
☆	غیر مناسب اسلوب، غیر مناسب طرز تخاطب اپنے سے عمر میں چھوٹوں کے لئے بھی اختیار کرنا غلط ہے (چہ جائیکہ والد کے جا بجا حضرات کے لئے غیر اسلامی بلکہ غیر انسانی اور بالکل ہی غیر مہذب طرز تخاطب اختیار کیا جائے)
☆	ہمیشہ ایسی چیز پر لب کشائی کی جائے جس کے پورے مالہ وماعلیہ پر عبور حاصل ہو۔
☆	غلط بیانی دشمن کے بارے میں بھی نہیں کرنی چاہئے اور اگر کوئی کرے تو پھر حقیقت کا بیان کر دینا فرض ہے۔
☆	ہفت روزہ ضرب مومن میں حالات حاضرہ پر کالم لکھنے میں ایک آدھ گھنٹہ ہی لگتا ہے جبکہ حالات حاضرہ کی نسبت تاریخی عنوانات پر کالم لکھنا بہت دشوار ہوتا ہے کیونکہ اس میں 'مراجعت کتب' اور وسیع مطالعہ کی ضرورت پیش آتی ہے۔
☆	روزنامہ اسلام میں لکھنے سے پہلے مطالعہ کرنے میں وسیع وقت لگتا ہے۔
☆	اکثر تاریخی کالم کسی تاریخی واقعہ کی تحقیق اور قارئین کے شکوک و اشکالات رفع کرنے کے لئے ہی لکھے گئے۔
☆	بعض تاریخی کالم کسی سیکولر یا نادان صحافی (یعنی اوریا صاحب) کو آئینہ دکھانے کی خاطر لکھے گئے۔
☆	تاریخی کتب کا گذشتہ تیس سالوں سے مسلسل اور وسیع مطالعہ کرنے کے باوجود نیا کالم لکھنے سے پہلے تازہ مطالعہ کرنا ضروری ہے اور احتیاط بھی اسی میں ہے کہ اصل کتب کو دیکھے بغیر کچھ بھی نہ لکھا جائے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہوگئی ہے کہ روزنامہ اسلام (18 اکتوبر 2016ء) میں ''ایک عظیم تحقیقی کتاب'' پر تبصرہ ''اسلامی اصولوں کے عین مطابق، اختلاف رائے کی حدود وقیود کو ملحوظ رکھتے ہوئے اصل کتاب کے مالہ وماعلیہ سے کمال واقفیت، کتاب میں بیان کردہ دلائل کی قوت وحقیقت جاننے اور اس کے بالاستیعاب مطالعہ'' کے بعد کیا گیا ہے۔لہٰذا مذکورہ اعتراف کے بعد یہ بات بالکل ہی خارج از امکان ہے کہ کتاب پر تبصرہ کتاب کے مطالعہ کے بغیر ہی کردیا گیا۔بہرحال

فان کنت لا تدری فتلک مصیبة
وان کنت تدری فالمصیبة اعظم

حضرت مفتی صاحب!

(۱۷۷)	روزنامہ اسلام میں اختلاف رائے کی ''حدود'' سے متعلق ''اصول'' کیا صرف عام قارئین کے عمل کے لئے پیش کئے گئے ہیں یا ان کا ''اطلاق'' روزنامہ اسلام کے ''خواص'' پر بھی ہوتا ہے؟
(۱۷۸)	کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟'' کے زیر بحث مضمون میں مذکورہ اصولوں کی دھجیاں نہیں بکھیری گئیں؟
(۱۷۹)	کیا زیر بحث مضمون میں ''زبان وقلم'' کے استعمال میں ''مشروع'' احتیاط کو ملحوظ رکھا گیا؟
(۱۸۰)	کیا زیر بحث مضمون میں ''حدود وقیود'' کا لحاظ رکھ کر اپنا موقف پیش کیا گیا؟
(۱۸۱)	کیا زیر بحث مضمون میں ''نفس مسئلہ'' کی حقیقت سے آگاہ ہونے کے بعد ہی تنقید کی گئی ہے؟
(۱۸۲)	کیا زیر بحث مضمون فریق مخالف کے ''دلائل کی قوت'' معلوم کرنے کے بعد تحریر کیا گیا؟

(۱۸۳)	کیا زیر بحث مضمون دوسرے فریق کا موقف و دلائل سمجھے بغیر ''اناپ شناپ'' ہی نہیں ہانکا گیا؟
(۱۸۴)	کیا زیر بحث مضمون میں اپنے سے عمر میں بڑوں اور والد کے جا بجا حضرات کے لئے غیر مناسب، غیر اسلامی بلکہ غیر انسانی اور بالکل ہی غیر مہذب اسلوب اور طرز تخاطب نہیں اختیار کیا گیا؟
(۱۸۵)	کیا زیر بحث مضمون میں ''لب کشائی'' کرنے سے پہلے ''نفس مسئلہ'' کے پورے ''مالہ وماعلیہ'' پر عبور حاصل کیا گیا؟
(۱۸۶)	کیا زیر بحث مضمون ''عظیم تحقیقی کتاب'' کتاب کے مطالعہ کے بعد ہی روزنامہ اسلام کے ادارتی صفحات کی زینت بنایا گیا؟
(۱۸۷)	''دشمن'' کے بارے میں غلط بیانی کرنے سے منع کرنے والوں نے کیا ''اپنوں'' کے بارے میں کذب بیانی اور افتراء پردازی سے کام نہیں لیا؟

روزنامہ اسلام کے ''جھوٹ+جھوٹ+جھوٹ'' کالم سے متعلق چند گزارشات

حضرت مفتی صاحب

روزنامہ اسلام میں شائع ہونے والے زیر بحث مضمون کے ''متن'' سے یہ بات از خود ہی ثابت ہوگئی ہے کہ اس میں ''ایک عظیم تحقیقی کتاب'' پر تبصرہ کرتے ہوئے قصداً وعمداً ''خلط مبحث، طعن وتعریض، مغالطہ دہی، فریب دہی، کذب بیانی اور افتراء پردازی'' جیسے سنگین ترین ''جرائم'' کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ زیر بحث مضمون کا مفصل جواب تو ایک مستقل کتاب کا متقاضی ہے لیکن یہاں چند امور کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں:

اولاً:۔

زیر بحث پورے کالم میں میری کتاب اور میرا نام لئے بغیر دیگر ''تعریضات'' کے

علاوہ تین مرتبہ طنزاً ''عظیم تحقیقی کتاب'' کا ذکر کیا گیا ہے۔ حالانکہ جناب اوریا مقبول جان صاحب نے اپنے کالم میں مصنف سمیت کتاب کا نام حتیٰ کہ جس ادارے کے زیر اہتمام طبع ہوئی ہے اس کا نام بھی لکھ دیا تھا۔

(۱۸۸)	معلوم نہیں کہ ''روزنامہ اسلام'' نے کتاب کا اصل نام ظاہر کرنا کیوں گوارا نہیں کیا؟
(۱۸۹)	کیا اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ چونکہ کتاب ''امام طبری کون؟ مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز'' میں امام طبری کی منقولہ روایات کو منافی عصمت اور مبنی بر توہین قرار دیا گیا تھا اس لئے امام طبری کے وکلائے صفائی روزنامہ اسلام والوں نے نام مخفی رکھا تا کہ قارئین کہیں فی الواقع امام طبری کو 'افسانہ ساز' ہی نہ سمجھ لیں؟

البتہ اس کا ایک مثبت پہلو یہ ہے کہ جناب اوریا مقبول جان صاحب کا کتاب پر تبصرہ کے لئے منتخب کردہ عنوان ''الہامی'' ہے جسے ان کے مخالفین یا ناقدین نے بھی بالآخر طوعاً و کرہاً قبول کر ہی لیا ہے۔

ثانیاً:۔

کتاب کے ٹائٹل پر کتاب کے نام سے بھی پہلے جلی حروف میں کتاب کا اصل مقصد ظاہر کرنے کے لئے یہ لکھا گیا ہے کہ:

''بسلسلہ دفاع ناموس انبیاء عظامؑ و صحابہ کرامؓ''

جبکہ 832 صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب میں امام طبری کی منقولہ منافی عصمت اور مبنی بر توہین روایات کو روایتاً و درایتاً غلط ثابت کر کے انبیاء عظامؑ اور صحابہ کرامؓ کی مقدس شخصیات کا بھرپور دفاع کیا گیا ہے۔ جس سے ''شخصیات مقدسہ'' کا کوئی بدترین معاند ہی اختلاف کر سکتا ہے۔

نہایت ہی افسوس کے ساتھ یہ لکھنا پڑتا ہے کہ ''روزنامہ اسلام'' کے ذمہ داروں کو ''شخصیات مقدسہ'' کا دفاع بہت ناگوار گزرا۔ چنانچہ ''روزنامہ اسلام'' میں ایک غلط ''صغریٰ، کبریٰ'' ملا کر یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ:

''مگر یہ بات یہیں تک نہیں رکے گی۔ ان تحقیقاتِ جدیدہ کے بانیوں سے ان کے پیروکار یہ سوال ضرور کریں گے کہ جب بخاری و مسلم سمیت کوئی بھی (کتب) حدیث مردود

روایات سے محفوظ نہیں تو سارا ذخیرہ حدیث ہی مشکوک ہوگیا ہے۔اس کی صفائی اور تدوینِ حدیث کا کام ازسرِ نو شروع کریں۔اس طرح اصلاح دین اور دفاع شخصیاتِ مقدسہ کے نام پر پورے دین کی عمارت ہی ڈھادی جائے گی تب ہی کہیں جا کر تحقیقات کا بھوت اترے گا۔" (روزنامہ اسلام 18 اکتوبر 2016)

حضرت مفتی صاحب!

اس "تبصرہ" پر مکرر غور فرمائیں اور بتایئے کہ:

(۱۹۰)	کیا محض "مفروضوں" کی بنیاد پر کوئی مومن اس طرح کا تبصرہ کرسکتا ہے؟
(۱۹۱)	کیا محمد بن اسحٰق (ان کا ذکر آگے آرہا ہے) وامثالہ پر جرح کرنے سے حدیث کا سارا ذخیرہ مشکوک ہوجائے گا؟
(۱۹۲)	کیا کتب حدیث، ضعیف، منکر اور موضوع روایات سے بالکل محفوظ ہیں؟
(۱۹۳)	کیا "علم حدیث" کا کوئی طالب علم یا استاذ بقائمی ہوش وحواس اس طرح کا دعویٰ کرسکتا ہے؟
(۱۹۴)	"ضعیف، منکر اور موضوع" روایات کی نشاندہی کرنے سے سارے ذخیرہ حدیث کو کیونکر مشکوک قرار دیا جاسکتا ہے؟
(۱۹۵)	کیا "منکر اور موضوع" روایات کو تسلیم کرانے کا کوئی نیا طریقہ "ایجاد" ہوا ہے؟

حضرت مفتی صاحب!

آپ روزنامہ اسلام کے چیف ایڈیٹر ہی نہیں بلکہ جامعۃ الرشید جیسے ادارے میں "صدر مفتی و شیخ الحدیث" کے منصب پر بھی فائز ہیں۔

(۱۹۶)	کیا بحیثیت شیخ الحدیث آپ روزنامہ اسلام میں شائع ہونے والی عبارت کے ساتھ "اتفاق" کرسکتے ہیں؟
(۱۹۷)	کیا سنن اربعہ "ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ" "ضعیف و منکر" روایات سے محفوظ ہیں؟

مؤخر الذکر یعنی سنن ابن ماجہ (جو صحاح ستہ میں شامل ہے) کے متعلق حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اگر چہ صحاح ستہ میں شامل ہے لیکن اس میں ضعیف اور منکر احادیث کی تعداد بہت زیادہ ہے، یہاں تک کہ اس میں کم از کم انیس (19) روایات موضوع بھی ہیں...'' (درس ترمذی جلد اول ص 70)

اس موضوع کو کسی دوسرے وقت کے لئے اُٹھا رکھا جاتا ہے، اس حوالے سے محدثین کرام کے ارشادات کثیر تعداد میں پیش کئے جاسکتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب!

(۱۹۸)	کیا سنن ابن ماجہ میں کثیر تعداد میں ضعیف، منکر اور موضوع روایات کی بناء پر اس کی دیگر روایات سے بھی انکار کرنا لازم آتا ہے؟
(۱۹۹)	ستم بالائے ستم یہ کہ ''روزنامہ اسلام'' کے سرپرستوں نے تبصرہ کا آخری حصہ بھی بڑی آسانی سے ہضم کر لیا؟ 18 اکتوبر 2016ء سے تا دم تحریر ''ادارے'' میں کوئی جنبش پیدا نہیں ہوئی۔ معلوم نہیں کہ ان کے ہاں انبیائے عظامؑ وصحابہ کرامؓ جیسی ''شخصیات مقدسہ'' کے دفاع کو اتنا بڑا ''جرم'' کیوں قرار دے دیا گیا؟
(۲۰۰)	کیا روزنامہ اسلام کے سارے ہی ذمہ دار تب سے اب تک اس پر غور نہیں کر سکے؟
(۲۰۱)	اگر نہیں تو پھر اس بات کی وضاحت فرمائیں کہ ''شخصیات مقدسہ'' کے دفاع سے پورے دین کی عمارت منہدم ہوتی ہے یا مزید مستحکم ہوتی ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان تو کچھ لوگوں کے لئے یہ تھا کہ: ''**کلمة حق اریدبها الباطل**'' کسے معلوم تھا کہ ایک وقت یہ بھی آئے گا کہ ''روزنامہ اسلام'' میں اس جملہ کو اس مفہوم میں تبدیل کر دیا جائے گا کہ: ''**کلمة باطل اریدبها الحق**'' بھلا ''باطل'' کلمہ بول کر اس سے حق کیونکر مراد لیا جاسکتا ہے؟

حضرت مفتی صاحب!

''روزنامہ اسلام'' کے زیر تبصرہ ''مضمون'' میں میری کتاب پر جناب اوریا مقبول جان صاحب

کے کالم زیرعنوان ''ایک عظیم تحقیقی کتاب'' پر ردِعمل کا اظہار کیا گیا ہے۔

(۲۰۲)	اس سوال کے جواب کا شدت سے انتظار رہے گا کہ ابن اسحاق وامثالہ جیسے مجروح راویوں کے دفاع کو انبیائے عظام علیہم السلام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان جیسے شخصیات مقدسہ کے دفاع پر کیوں ترجیح دی گئی؟

ثالثاً:۔

''روزنامہ اسلام'' کے زیر بحث مضمون میں ''خلط مبحث اور فریب دہی سے کام لیتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ ''جن تاریخی راویوں کو کالم نگار موصوف (جناب اوریا مقبول جان صاحب) نے نسلی تعصب سے لتھڑے ہوئے کہا ہے'' ان کی اکثریت شریف النسل عرب تھی۔ امام محمد بن سعد (م230ھ) قریشی ہاشمی تھے، خلیفہ بن خیاط (م 240ھ) جو اپنے شاگرد امام بخاری سے پہلے اپنی تاریخ کو رواج دے چکے تھے عرب تھے۔''

حضرت مفتی صاحب!

(۲۰۳) کیا یہ صریح کذب بیانی اور افتراء پردازی نہیں ہے؟ جس کا اظہار روزنامہ اسلام میں بڑے فخریہ انداز میں کیا گیا ہے؟

(۲۰۴) کیا یہ تبصرہ ''اصول توجیہ القول بمالا یرضی بہ القائل'' کا مصداق نہیں ہے؟

زمانہ اس قدر قائل ہوا ہے فیض جھوٹوں کا
جو سچ کہتے ہیں ان کی ایک بھی مانی نہیں جاتی

محترم اوریا مقبول جان صاحب نے تو اپنے کالم ''ایک عظیم تحقیقی کتاب'' میں کسی راوی کو بنام ''نسلی تعصب میں لتھڑا'' ہوا نہیں لکھا۔ زیر بحث مضمون (کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟) میں جن دو مؤرخین محمد بن سعد اور خلیفہ بن خیاط کی طرف ''نسلی تعصب میں لتھڑے ہوئے'' ہونے کی نسبت کی گئی ہے، جناب اوریا مقبول جان صاحب نے اپنے ایک دوسرے کالم میں انہیں نام بنام ثقہ اور سچا قرار دیا ہے۔ چنانچہ موصوف رقم طراز ہیں:

''طبری نے سچے اور ثقہ راویوں کی صرف 209 روایات کو تاریخ کا حصہ بنایا، زبیر بن بکار، محمد

بن سعد، موسیٰ بن عقبہ، خلیفہ بن خیاط، وہب بن منبہ۔(روزنامہ ایکسپریس 4 ستمبر 2015ء تحت ''خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے''

رابعاً:۔

اسی پر بس نہیں بلکہ مزید ''افتراء پردازی'' کرتے ہوئے یہاں تک لکھا گیا کہ:

ان اخباری حضرات میں عروہ بن زبیر بھی تھے۔کیا وہ عجمی النسل تھے؟ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نواسے تھے۔ان کی روایات کا بہت بڑا حصہ سیرت اور صحابہ کی تاریخ پر ہی تو مشتمل ہے۔انہی بزرگوں میں امام ابن شہاب الزہری بھی تھے۔عجمی نہیں قریشی تھے۔ اولین مؤرخین اسلام میں سے ایک ہیں جن سے امام طبری سمیت مؤرخین نے بے دریغ سیرت اور تاریخ کی روایات لی ہیں۔یہی زہری صحیح مسلم کی چار سو سے زائد اور بخاری شریف کی چھ سو سے زائد احادیث کے راوی ہیں۔کیا زہری اور ان سے استفادہ کرنے والے محدثین بھی ''ٹھہرے ہوئے'' تھے؟

حضرت مفتی صاحب!

آپ کی زیر سرپرستی ''روزنامہ اسلام'' میں انتہائی ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلسل ''دروغ'' کو ''فروغ'' دیا جارہا ہے اور آپ نے ابھی بھی ''سکوت'' نہیں توڑا۔

(۲۰۵)	سوال یہ ہے کہ کس نے کب اور کہاں حضرت عروہ بن زبیرؓ اور امام زہری کو ''ٹھہرا ہوا'' کہا؟
(۲۰۶)	کیا یہ کذب بیانی کے ساتھ ساتھ افتراء پردازی نہیں؟

محمد بن اسحٰق

خامساً:۔

''روزنامہ اسلام'' کے زیر بحث مضمون میں یہ لکھا گیا ہے کہ:

''اب محمد بن اسحٰق کو دیکھئے۔محمد بن اسحٰق بن یسار بن خیار۔پورا شجرہ نسب ہی عربی

ہے۔ رہے بھی بچپن سے مدینہ میں۔ تابعی ہیں۔ مکحول، قاسم بن محمد اور سعید بن المسیب کے شاگرد ہیں۔ علی بن مدینی فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا دارومدار چھ افراد پر ہے اور ان چھ کا دارومدار بارہ راویوں پر ہے جن میں سے ایک محمد بن اسحق ہیں۔'' (جان صاحب کا دل چاہے تو کسی کی ایک آدھ کی جرح کا پتھر اٹھا کر علی بن مدینی جیسے جرح و تعدیل کے امام پر بھی دے ماریں)''

اس عبارت میں بھی کمال عیاری اور خلط مبحث سے کام لیا گیا ہے۔

حضرت مفتی صاحب!

آپ روزنامہ اسلام کے ''مدیر اعلیٰ'' اور چیف ہی نہیں بلکہ ایک معروف جامعہ میں ''شیخ الحدیث'' کے جلیل القدر منصب پر بھی فائز ہیں جہاں دوران تدریس کتب اسماء الرجال کی طرف مراجعت کے بغیر تدریس کا حق ادا ہی نہیں ہوسکتا۔

(۲۰۷)	بفرض محال اگر باقی امور کی طرف توجہ کے لئے آپ کے پاس ''وقت'' نہیں ہے تو کم از کم محمد بن اسحاق کے بارے میں تو کتب اسماء الرجال کی طرف مراجعت کر کے اس بات کی وضاحت فرما دیں کہ کیا محمد بن اسحاق کا پورا شجرہ نسب ہی عربی ہے؟
(۲۰۸)	اگر آپ اس کے ساتھ متفق نہیں ہیں تو کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام بیچ اس مسئلہ کے کہ کیا کذب و افتراء پر مبنی مضامین کی اشاعت کے لئے روزنامہ اسلام ہی وقف ہوگیا ہے؟

پہلی غلط بیانی اور فریب دہی ملاحظہ فرمائیں:

''محمد بن اسحق بن یسار بن خیار۔ پورا شجرہ نسب ہی عربی ہے۔''

اس ''نادر تحقیق'' کو منظر عام پر لانے کی بناء پر روزنامہ اسلام کے کارپردازان یقیناً ''گول میڈل'' کے حق دار ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ محمد بن اسحاق کا پورا شجرہ نسب ہرگز عربی نہیں ہے۔ محمد (بن اسحاق) کے دادا ''یسار'' عراقی محاذ سے جنگ کے دوران گرفتار ہو کر مدینہ لائے گئے تھے۔

حضرت مفتی صاحب!

(۲۰۹) کیا اس طرح مدینہ میں رہنے والے پر اصلاً عرب ہونے کا اطلاق صحیح ہے؟

روزنامہ اسلام کے زیر بحث مضمون میں امام ذہبی کا تعارف کراتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

''رجال کے سب سے بڑے امام جن کے کاندھوں پر اس علم کی عمارت کھڑی ہے، حافظ شمس الدین ذہبی ہیں۔۴۵ جلدوں میں ان کی تاریخ الاسلام اٹھا کر دیکھ لیں۔ ہر جلد میں دو حصے کیے گئے ہیں۔ ایک حصے میں تاریخی واقعات سن وار اور باقاعدہ ''نیت باندھ کر'' نقل کئے گئے ہیں۔ محمد بن اسحٰق، زہری، طبری، بلاذری، بیہقی کی روایات نہایت عمدہ ترتیب سے لی گئی ہیں۔... اب اگر کوئی خود کو حافظ ذہبی سے بڑا، ماہر رجال سمجھتا ہے...''

(روزنامہ اسلام ۱۸۔ اکتوبر ۲۰۱۶ء بعنوان: ''کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟'')

حضرت مفتی صاحب!

''رجال کے سب سے بڑے امام جن کے کاندھوں پر اس علم کی عمارت کھڑی ہے حافظ شمس الدین ذہبی'' باقاعدہ ''نیت باندھ'' کر ''رجال'' پر لکھی گئی اپنی کتاب میں محمد بن اسحٰق کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ:

''قیس بن مخرمہ بن مطلب کی طرف نسبت ولاء کی وجہ سے مطلبی کہلاتے ہیں۔ یحییٰ بن معین، امام نسائی اور امام دارقطنی کے نزدیک یہ نا قابل حجت اور غیر قوی ہیں۔

امام مالک کے نزدیک یہ ''دجال من الدجاجلۃ'' یعنی دجالوں میں سے ایک دجال ہے۔ ابن اسحٰق قدری تھے، مرغوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے، صرف مغازی سے متعلق مرجع ہیں۔ البتہ حلال وحرام کے بیان میں حجت نہیں سمجھے جاتے۔ ملاحظہ ہو: تذکرۃ الحفاظ جلد 1 ص 163۔ تحت محمد بن اسحٰق صاحب المغازی۔

ہشام بن عروہ بن زبیر نے ابن اسحٰق کی تکذیب کی ہے۔ امام یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں میں نے اللہ کے لئے ان سے روایت لینا ترک کر دیا ہے۔ (الکامل فی ضعفا الرجال

الجزءالسابع ص256)

امام جرجانی فرماتے ہیں: لوگ اس کی روایات پر فریفتہ ہیں، حالانکہ یہ کئی قسم کی بدعات سے متہم تھا۔(احوال الرجال ص132ترجمہ230)

مولانا شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں کہ: ان کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی نسبت محدثین میں اختلاف ہے۔امام مالک ان کے سخت مخالف ہیں،لیکن محدثین کا فیصلہ یہ ہے کہ مغازی اور سیَر میں ان کی روایتیں استناد کے قابل ہیں... علامہ ذہبیؒ کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن اسحاق یہود و نصاریٰ سے روایت کرتے تھے اور ان کو ثقہ سمجھتے تھے۔151ھ میں وفات پائی۔

امام شوکانی فرماتے ہیں:

"ابن اسحاق لیس بحجة لا سیما اذا عنعن"(نیل الاوطار جلد ا ص ١٨٠)

محمد بن اسحاق حجت نہیں ہیں بالخصوص جب وہ "عن" سے روایت کریں۔

مولانا شمس الحق عظیم آبادی ایک حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

فانه انفرد به محمد بن اسحاق، ولیس هو ممن یحتج به فی الاحکام"

(عون المعبود شرح سنن ابی داؤد جلد ١ ص ٢٣)

اس حدیث کو روایت کرنے میں محمد بن اسحاق منفرد ہیں اور وہ احکام سے متعلق روایات میں قابل حجت نہیں ہیں۔

شیخ علامہ ناصرالدین البانی فرماتے ہیں:

"وما انفرد به ففیه نکارة، فان فی حفظه شیئا" (ارواء الغلیل جلد ٢ ص ٤٤)

جس حدیث کو روایت کرنے میں محمد بن اسحاق متفرد ہوں اس میں نکارت ہوتی ہے اس لئے کہ ان کے حافظہ میں کچھ خرابی ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:"محمد بن اسحاق سیر و مغازی کے مستند ترین مؤرخ ہیں لیکن یہی محمد بن اسحاق جب حدیث میں پہنچتے ہیں تو حضرات

محدثین انہیں خصوصیت سے احکام کی روایت میں نا قابل اعتبار قرار دیتے ہیں'' (ہمارے عائلی مسائل ص 179 مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

محمد بن اسحٰق امام اہلسنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر کی نظر میں

امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ نے محمد بن اسحاق کے بارے میں مفصل کلام کیا ہے۔فرماتے ہیں:۔

محمد بن اسحاق کو تاریخ اور مغازی کا امام سمجھا جاتا ہے لیکن محدثینؒ اور ارباب جرح و تعدیل کا تقریباً پچانوے فیصد گروہ اس بات پر متفق ہے کہ روایت حدیث میں اور خاص طور پر سنن اور احکام میں ان کی روایت کسی طرح بھی حجت نہیں ہوسکتی اور اس لحاظ سے ان کی روایت کا وجود اور عدم بالکل برابر ہے،تصریحات ملاحظہ کریں۔

امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ قوی نہیں ہے (ضعفاء صغیر ص 52)

ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے (کتاب العلل جلد 1 ص 433)

ابن نمیرؒ یہ کہنے کے بعد بھی کہ جب وہ معروف راویوں سے روایت کرے تو حسن الحدیث اور صدوق ہے یہ بھی تصریح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ مجہول رواۃ سے باطل روایات نقل کرتا ہے (بغدادی جلد 1 ص 227) دار قطنیؒ کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے۔(ایضاً جلد 1 ص 232)

سلیمان تیمیؒ کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے،ہشامؒ بن عروہؒ کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے، امام جرح وتعدیل یحیٰی قطانؒ کہتے ہیں کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب ہے (میزان جلد 3 ص 21) [تقریب النواوی میں ہے''واذا قالوا: متروك الحديث او واهيه او كذاب فهو ساقط لا يكتب حديثه'' ص 233، کہ جب محدثین کسی راوی کے بارے میں متروک الحدیث یا واھی الحدیث یا کذاب کہتے ہیں تو وہ ساقط الاعتبار ہوتا ہے اس کی روایت لکھی بھی نہیں جاسکتی۔اور اس کی شرح تدریب الراوی میں لکھا ہے کہ

ولا یعتبر بہ ولا یستشھد۔ص323۔ایسے راوی کی حدیث کو اعتبار و متابعت اور شاہد کے لئے بھی پیش نہیں کیا جا سکتا لیکن افسوس کہ فریق مخالف نہ صرف یہ کہ اس سے استدلال کرتا ہے بلکہ اس کے بل بوتے پر مسلمانوں کی اکثریت کی نماز کو باطل، بیکار اور کالعدم قرار دینے کا ادھار کھائے بیٹھا ہے۔

ترجمان الحدیث ماہ ستمبر 1972ء از ص23 تا 26وغیرہ میں محمد بن اسحاق کی توثیق پر ادھر ادھر کے چند حوالے نقل کر کے خاصا زور صرف کیا ہے لیکن ائمہ جرح و تعدیل کی اس کڑی جرح کا کہ محمد بن اسحاقؒ کذاب ہے کوئی جواب نہیں دے سکے اور نہ اس کا جواب دے سکتے ہیں کہ احکام و سنن میں ان کی روایت حجت نہیں ہے۔باقی جن حضرات نے ان کو صدوق اور حسن الحدیث وغیرہ کہا ہے تو وہ تاریخ اور مغازی وغیرہ سے متعلق ہے نہ کہ بنیادی احکام اور سنن وغیرھا سے۔} وہیب بن خالدؒ اس کو کاذب اور جھوٹا کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد9ص45) امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وہ دجالوں میں ایک دجال تھا (میزان جلد3 ص21وتہذیب التہذیب جلد9ص 41) نیز امام مالکؒ نے اس کو کذاب کہا ہے (بغدادی جلد1 ص232) جریرؒ بن عبدالحمیدؒ کا بیان ہے کہ میرا یہ خیال نہ تھا کہ میں اس زمانہ تک زندہ رہوں گا جس میں لوگ محمد بن اسحاقؒ سے احادیث کی سماعت کریں گے (تہذیب التہذیب جلد2 ص302) ابوزرعہؒ کا بیان ہے کہ بھلا ابن اسحاقؒ کے بارے میں بھی کوئی صحیح نظریہ قائم کیا جا سکتا ہے؟ وہ تو محض ہیچ تھا (توجیہ النظر ص280)

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ محدثین اور حفاظ حدیث ابن اسحاق کے تفردات سے گریز کرتے ہیں (سنن الکبریٰ بحوالہ الجوھر النقی جلد1 ص155) علامہ ماردینیؒ لکھتے ہیں کہ ابن اسحاق میں محدثین کے نزدیک مشہور کلام ہے (الجواہر النقی جلد1 ص155)

عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد امام احمد بن حنبلؒ لم یکن یحتج بہ فی السنن (بغدادی جلد1 ص230وتہذیب التہذیب جلد9ص44) سنن اور احکام میں وہ ان سے احتجاج نہیں کرتے تھے۔ حنبلؒ بن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ امام احمدؒ بن حنبلؒ نے فرمایا:

ابن اسحاق لیس بحجة (بغدادی جلد 1 ص 230 و تہذیب التہذیب جلد 9 ص 44) ابن اسحاق حجت نہیں ہے۔

ایوبؒ بن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ میں نے امام احمدؒ سے دریافت کیا ابن اسحاقؒ جب کسی حدیث کے بیان کرنے میں متفرد ہو تو اس کی حدیث حجت ہوگی؟ قال لا واللہ (بغدادی جلد 1 ص 230) فرمایا بخدا ہرگز نہیں۔

ابن ابی خثیمہؒ کا بیان ہے کہ ابن معینؒ نے اس کو لیس بذالک، ضعیف اور لیس بالقوی کہا، میمونیؒ کا بیان ہے کہ ابن معینؒ نے اس کو ضعیف کہا ہے (بغدادی جلد 1 ص 231 و تہذیب التہذیب جلد 9 ص 44)

علیؒ بن المدینیؒ کا بیان ہے لم یضعفه عندی الا روایته عن اهل الکتاب (تہذیب جلد 9 ص 45) میرے نزدیک ابن اسحاق کو صرف اس بات نے ضعیف کر دیا ہے کہ وہ یہود اور نصاریٰ سے روایتیں لے لے کر بیان کرتا ہے۔

مشہور اور قدیم مؤرخ علامہ ابوالفرج محمد بن اسحاق بن ندیمؒ (المتوفی 385ھ) اپنی کتاب الفہرست میں محمد بن اسحاق کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

مطعون علیه، غیر مرضی الطریقة، الی ان قال: و کان یحمل عن الیهود و النصاری ویسمهم فی کتبه اهل العلم الاول، و اصحاب الحدیث یضعفونه و یتهمونه (الفهرست لابن الندیم ص 142 طبع مصر)

''اس پر طعن کیا گیا ہے اور اس کا طریقہ ناپسندیدہ تھا (پھر آگے فرمایا: کیونکہ) وہ یہود اور نصاریٰ سے روایات لیتا تھا اور اپنی کتابوں میں ان کو پہلے علم والے کہا کرتا تھا اور اہل حدیث اس کو ضعیف کہتے ہیں اور اس کو متہم قرار دیتے ہیں۔''

امام ترمذیؒ لکھتے ہیں کہ بعض محدثینؒ نے ان کے حافظہ کی خرابی کی وجہ سے اس میں کلام کیا ہے (کتاب العلل جلد 2 ص 237) امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ جو راوی صحیح کی شرطوں کے مطابق نہیں ہیں ان میں ایک محمد بن اسحاق بھی ہے (مقدمہ نووی ص 16) علامہ ذہبیؒ

لکھتے ہیں کہ ابن اسحاق کی روایت درجۂ صحت سے گری ہوئی ہے اور حلال وحرام میں اس سے احتجاج درست نہیں ہے (تذکرہ جلد 1 ص 163)

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں ابن اسحاق احکام کی روایات میں حجت نہیں ہے۔ خصوصاً جب کہ متفرد ہو اور جب کوئی ثقہ راوی اس کے خلاف روایت کرتا ہو تو ابن اسحاق کی روایت قابل توجہ ہی نہیں ہوسکتی (درایہ ص 193) حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ امام احمدؒ نے ابن اسحاق کی روایات کو منکر کہا ہے اور اس کو ضعیف بتایا ہے (زادالمعاد جلد 1 ص 143)

علامہ منذریؒ اور حافظ سخاویؒ کہتے ہیں کہ امام احمدؒ نے فرمایا مغازی میں ابن اسحاق کی روایات تو لکھی جاسکتی ہیں لیکن جب حلال وحرام کا مسئلہ ہو تو اس میں ایسے ایسے راوی (یعنی ثقہ اور ثبت) درکار ہیں (الترغیب والترھیب جلد 4 ص 290 وفتح المغیث ص 120)

قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ ابن اسحاق لیس بحجۃ لا سیما اذا عنعن (نیل الاوطار جلد 1 ص 234) ابن اسحاق کی روایت حجت نہیں ہے خصوصاً جب کہ وہ عنعنہ سے روایت کرتا ہو، نواب صدیق حسن خان صاحبؒ ایک حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ "در سندش نیز ہماں محمد بن اسحاق است ومحمد بن اسحاق حجت نیست (دلیل الطالب 239) حضرت مولانا شیخ الہند محمود الحسن (حسن) صاحبؒ (المتوفی 1239ھ) نے (ایضاح الادلہ ص 45) میں ابن اسحاق پر سیر حاصل کلام کیا ہے اور ان تمام رکیک اور ضعیف تأویلوں کے دندان شکن جوابات دیئے ہیں جو اس کو ثقہ قرار دینے کے لئے اختیار کی گئی ہیں طلبہ ضرور اس کا مطالعہ کریں۔ آپ ملاحظہ کرچکے ہیں کہ شاید ہی جرح کا کوئی ادنیٰ سے اعلیٰ تک ایسا لفظ ملے گا جو جمہور محدثینؒ اور ارباب جرح وتعدیل نے محمد بن اسحاق کے بارے میں نہ کہا ہو معہذا محمد بن اسحاق فریق ثانی کے نزدیک ثقہ ہے اور حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ ضعیف ہیں (بدور الاھلہ ص 235) فوا اسفا۔

حافظ ابن حجرؒ نے نہایت ضعیف اور رکیک تأویلیں کرنے کی بے جا سعی کی ہے تاکہ ابن اسحاق کو قابل اعتبار بنانے کی کوشش کامیاب ہوسکے مثلاً یہ کہ سلیمان تیمیؒ ائمہ جرح و

تعدیل میں نہ تھے اورا مام مالکؒ نے اپنے الفاظ سے رجوع کرلیا تھا وغیرہ وغیرہ مگر یہ سب کوشش بیکار اور کالعدم ہے۔اگر بالفرض سلیمان تیمیؒ ائمہ جرح و تعدیل میں نہ تھے تو کیا ہشامؒ بن عروہؒ، امام الجرح والتعدیل یحیٰی القطانؒ، وہیبؒ بن خالدؒ، امام احمد بن حنبلؒ، یحیٰی بن معینؒ، علی بن المدینیؒ، جریر بن عبدالحمیدؒ، امام نسائیؒ، خطیبؒ، ابن نمیرؒ، دار قطنیؒ، ابوزرعہؒ اور علامہ ذہبیؒ وغیر بھی ائمہ جرح و تعدیل میں نہیں ہیں؟ اور کیا ان سب نے ان جرحی الزامات سے رجوع کرلیا ہے؟

باقی امام مالکؒ کا رجوع کرنا بھی محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے خطیبؒ لکھتے ہیں اما کلام مالك فی ابن اسحاق فمشهور غیر خافٍ علی احد من اهل العلم بالحدیث (بغدادی جلد 1 ص 224) امام مالکؒ نے ابن اسحاق میں کلام کیا ہے وہ کسی بھی ایسے شخص سے مخفی نہیں ہے جس کو فن حدیث کا علم حاصل ہے (امام ابن الجوزی الحنبلیؒ (المتوفی 597ھ) اپنی کتاب الموضوعات میں لکھتے ہیں کہ:

اما محمد بن اسحاق فمجروح شهد بكذبه مالك و سليمان التيمی ووهيب بن خالد و هشام بن عروة و يحيىٰ بن سعيد وقال ابن المدينی يحدث عن المجهولين باحاديث باطلة (نصب الرايه جلد2ص250)

''بہرحال محمد بن اسحاق مجروح ہے اس کے جھوٹا ہونے کی امام مالکؒ سلیمان تیمیؒ، وہیب بن خالدؒ، ہشام بن عروہؒ اور یحیٰی بن سعیدؒ القطان نے گواہی دی ہے، اور امام ابن المدینیؒ فرماتے ہیں کہ وہ مجہول راویوں سے باطل حدیثیں بیان کرتا ہے۔''

اس سے ثابت ہوا کہ اس شدید قسم کی مفسر جرح سے رجوع کا ثبوت امام ابن جوزیؒ کے علم میں نہیں ہے اور امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وكان مالك بن انس لا يرضاه و يحيىٰ بن سعيد القطان لا يروی عنه ويحيىٰ بن معين يقول ليس هو بحجة واحمد بن حنبل يقول يكتب عنه هذه الأحاديث أعنی المغازی فاذا جاء الحلال والحرام أردنا قوما هكذا يريد أقوى

منه فاذا کان لا یحتج به فی الحلال و الحرام فأولیٰ أن لا یحتج به فی صفات الله سبحانه و تعالیٰ و انما نقموا علیه فی روایته عن اهل الکتاب ثم عن ضعفاء الناس و تدلیس اسامیهم فاذا روی عن ثقة و بیّن سماعه منه فجماعة من الأئمة لم یروابه بأسا ا ھ (کتاب الاسماء والصفات ص 297)

''امام مالکؒ اس کو(برائے روایت)پسند نہیں کرتے تھے اور یحییٰ بن سعید القطانؒ اس سے روایت نہیں لیتے تھے اور ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ وہ حجت نہیں اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مغازی کی حدیثیں تو لکھی جاسکتی ہیں لیکن حلال وحرام کی روایتوں میں ہم قوی راویوں کو تلاش کریں گے پس جب حلال وحرام میں ابن اسحاق کی رایت حجت نہیں تو صفات اللہ تعالیٰ میں بطریق اولیٰ اس کی روایت حجت نہیں ہوسکتی اور محدثین نے اس پر جو عیب لگایا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اہل کتاب سے روایت کرتا ہے اور ضعیف قسم کے لوگوں سے بھی روایت کرتا ہے اور ان کے ناموں میں تدلیس سے کام لیتا ہے پس جب وہ ثقہ سے روایت کرے اور سماع کی تصریح بھی کرے تو ائمہؒ کی ایک جماعت اس میں مضائقہ نہیں سمجھتی۔''

اس سے معلوم ہوا کہ امام احمدؒ نے ابن اسحاقؒ کو جو حسن الحدیث کہا ہے تو مغازی وغیرہ کی حدیثوں سے متعلق کہا ہے نہ کہ احکام اور حلال وحرام کی حدیثوں کے بارے میں اور علامہ ذہبیؒ نے سفیان بن حسینؒ کے ترجمہ میں نقل کیا ہے کہ لا یحتج به کنحو محمد بن اسحاق یعنی محمد بن اسحاق کی طرح اس سے بھی احتجاج درست نہیں ہے اور کتاب العلو میں اس کو صاحب مناکیر وغرائب بتایا ہے، ائمہ جرح وتعدیل نے ان میں جو کلام کیا ہے وہ فن روایت کے رُو سے ہے اور محض دیانتاً ہے اس کو حالت غصہ پر حمل کرنا جیسا کہ مؤلف خیر الکلام نے ص 195 میں کیا ہے صرف رام کہانی ہے اور ص 199 و 200 میں بحوالہ تحفۃ الاحوذی جلد 1 ص 253 وغیرہ رجوع کے لئے جو قصہ نقل کیا ہے اس سے ان کا صراحتاً رجوع ہرگز ثابت نہیں ہوتا محض کشید ہے۔ ہاں بعد کے محدثینؒ نے اپنے ظن اور تخمینہ سے رجوع پر حمل کیا ہے۔ مگر یہ ان کی اپنی صوابدید ہے۔

مؤلف خیر الکلام کا ص 211 میں امام مالکؒ اور یحییٰ بن سعیدؒ کی جرح کو مفسر قرار دینا اور باقی حضرات کی جرح کو مبہم کہہ کر گلوخلاصی کرنا محض تسکین قلب کا سامان ہے غرضیکہ ان تمام حضرات کی جرح مفسر کڑی اور شدید ہے اور کسی کا تاریخی طور پر صراحت کے ساتھ رجوع ثابت نہیں ہے۔ مؤلف خیر الکلام کا ص 210 میں یہ لکھنا کہ محمد بن اسحاق پر ایک الزام اہل کتاب سے روایت لینا بھی ہے حالانکہ اہل کتاب سے روایات لینا کوئی جرم نہیں تو ان کی بے خبری اور غفلت کی واضح دلیل ہے کہ وہ مطلقاً اہل کتاب کی روایت کو جائز سمجھتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ تو یہ لکھتے ہیں کہ:۔اقول: الروایۃ عن أھل الکتاب تجوز فیما سبیلہ سبیل الاعتبار و حدیث یکون الامن عن الاختلاط فی شرائع الدین ولا تجوز فیما سوٰی ذالک۔ (حجۃ اللہ البالغۃ جلد 1ص 171)

میں کہتا ہوں کہ اہل کتاب سے روایت ایسے معاملات میں جہاں عبرت مقصود ہو اور جہاں دین کے احکام میں اختلاط واقع نہ ہوتا ہو درست ہے، اور اس کے علاوہ ان سے روایت جائز نہیں ہے۔

اور اسی لئے امام ابن المدینیؒ نے اس کو ضعیف کہا ہے کہ وہ اہل کتاب سے روایت کرتا ہے جیسا کہ تہذیب التہذیب کے حوالہ سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے، مؤلف خیر الکلام نے جن بعض ائمہ کی بسلسلہ ابن اسحاق توثیق نقل کی ہے تو وہ مسلّم ہے مگر وہ صرف تاریخ اور مغازی وغیرہ کے بارے میں نہ کہ صفات اللہ، حلال وحرام، احکام اور سنن کے بارے میں اور مغازی میں وہ ثقہ بھی ہیں اور امام بھی اس میں نزاع نہیں ہے اور بلا شک حافظ ابن ہمامؒ اور علامہ عینیؒ وغیرہ نے محمد بن اسحاقؒ کی توثیق کی ہے مگر ائمہ جرح وتعدیل کی کڑی اور سنگین جرح کے مقابلہ میں ان کی توثیق مسلّم نہیں ہے۔

فریق ثانی کے شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلویؒ (المتوفی 1230ھ) لکھتے ہیں کہ: اور ضعیف کہنا غزالیؒ کا اور رویانیؒ کا اور دبوسیؒ کا اور صاحب ہدایہؒ کا اور شیخ ابن الہمامؒ کا اور بعضے مالکیوں کا حدیث کو ضعیف نہیں کر دیتا کیونکہ یہ لوگ مقلدین ہیں ائمہ جرح و تعدیل میں سے نہیں ہیں الیٰ ان قال ۔اب رہا ضعیف کہنا ابن عبدالبرؒ کا اور ابو وارہؒ کا اور علیؒ

بن المدینی کا، سوالبتہ جرح ان کا پایہ اعتبار میں ہے لیکن اگر با بیان سبب اور با دلیل ہو تو معتبر ہے ورنہ بے بیانِ سبب ان کا جرح بھی مقبول نہیں ہونے کا الخ (معیار الحق 242)

اور مولانا محمد عبداللہ صاحب روپڑیؒ لکھتے ہیں کہ جرح تعدیل تاریخ کی قسم سے ہے اور تاریخ اس وقت کے لوگوں کی معتبر ہوتی ہے۔ پچھلے لوگ نقال ہوتے ہیں اس لئے پہلے لوگوں کے خلاف کسی کی جرح تعدیل کا اعتبار نہیں اس کے لئے مقدمۂ ابن الصلاحؒ کا مطالعہ مفید رہے گا۔ ان شاء اللہ۔ (مودودیت اور احادیث نبوی ص9)

رہا محمد بن اسحاق کا مدلس ہونا تو یہ سب کے نزدیک مسلّم ہے چنانچہ علامہ ہیثمیؒ، حافظ ابن حجرؒ، قاضی شوکانیؒ، نواب صدیق حسن خانؒ، مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ اور مبارکپوری صاحبؒ وغیرہ کو اس کا صاف اقرار ہے۔ دیکھئے مجمع الزوائد جلد 1 ص150 و تقریب ص313، نیل الاوطار جلد 4 ص42، دلیل الطالب ص239، تعلیق المغنی جلد 1 ص120، ابکار المنن ص45، وتحفۃ الاحوذی جلد 1 ص291)

اعتراض:۔

مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ محمد بن اسحاق ثقہ ہے اور دلائل یہ ہیں:

(۱) امام بخاری اس کو ثقہ کہتے ہیں۔

(۲) امام شعبہؒ اس کو امیر المحدثین کہتے ہیں۔

(۳) ابن مدینیؒ اور احمد بن حنبلؒ وغیرہ اس کو ثقہ کہتے ہیں

(۴) اگر یہ ثقہ نہیں تو احناف، اذان، قطع سرقہ اور تعجیل افطار میں ابن اسحاق کی روایتوں سے احتجاج کیوں کرتے ہیں (تحقیق الکلام جلد 1 ص61 ملخصہ)

جواب:۔

مبارکپوری صاحبؒ کے یہ جملہ اعذار بار دہونے کے سبب مطلقاً قابل التفات نہیں ہیں، ہر شق کا جواب سنئے (۱) ایسے کذاب اور دجال راوی کے بارے میں امام بخاریؒ وغیرہ کی رائے کیا وقعت رکھتی ہے؟ خصوصاً جب کہ امام بخاریؒ نے ابن اسحاق کا زمانہ نہیں پایا

اور ہشامؒ بن عروہؒ، امام مالکؒ اور یحییٰ القطانؒ وغیرہ اس کا زمانہ پانے والے انتہائی سنگین الزام اس پر عائد کرتے ہیں اور یہ بڑے محتاط اور عارف باسباب الجرح بھی ہیں۔علاوہ بریں واقعی محمد بن اسحاقؒ ثقہ ہے تو حضرت امام بخاریؒ نے باوجود اشد ضرورت کے صحیح بخاری میں اس سے احتجاج کیوں نہیں کیا؟

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

یہ حضرت امام بخاریؒ وغیرہ کی ذاتی رائے ہے۔حق وہی ہے جو جمہور نے کہا ہے۔چنانچہ نواب صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں جمہور اہل اسلام کے نزدیک ایسی حدیث سے جو حسن ہو احتجاج صحیح ہے لیکن امام بخاریؒ حدیث حسن سے احتجاج کے قائل نہیں ہیں۔آگے نواب صاحب لکھتے ہیں والحق ماقال الجمهور (دلیل الطالب ص882) حق بات صرف وہی ہے جو جمہور نے کہی ہے۔قاضی شوکانیؒ نے بھی امام بخاریؒ اور ابن العربیؒ کا یہ مسلک نقل کر کے آگے لکھا ہے والحق ماقاله الجمهور (نیل الاوطار جلد 1 ص 22) کہ حق وہی ہے جو جمہور نے کہا ہے۔

(۲) امام شعبہؒ کی بات اگر محمد بن اسحاق کے بارے میں حجت ہے تو جابر جعفیؒ (جو قرأۃ خلف الامام ہی کی ایک روایت کا راوی ہے مگر ہم نے اس سے احتجاج نہیں کیا) کے بارے میں کیوں حجت نہیں ہے؟امام شعبہؒ ان کو بھی ثقہ کہتے ہیں (کتاب القرأۃ ص108، میزان جلد 1 ص176، تہذیب جلد 2 ص47 و توجیہ النظر 291 وغیرہ) علاوہ بریں مبارک پوری صاحبؒ کے نزدیک امیر المحدثین ہونے سے توثیق کیسے لازم آتی ہے؟ مبارکپوری صاحبؒ تو لکھتے ہیں کہ علامہ تاج الدین سبکیؒ نے ابو طاہر فقیہ کو شیخ، ادیب، عارف، اور امام المحدثین والفقہاء لکھا ہے۔قلت لادلالة فی هذا علی کونه ثقة قابلاً للاحتجاج (تحفة الاحوذی جلد2ص75) لیکن میں کہتا ہوں کہ امام المحدثین والفقہاء ہونے سے یہ کیسے لازم آیا کہ وہ ثقہ اور قابل احتجاج بھی تھے، محقق نیمویؒ نے ابوعبداللہ فجویہ دینوریؒ کو کبار محدثین میں لکھا ہے مبارکپوری صاحبؒ ان پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فان مجرد كونه من كبار المحدثين لا يتلزم كونه ثقة ((انتهىٰ بلفظ تحفة الاحوذى جلد2ص75)

ان کے صرف کبار محدثین میں ہونے سے یہ کیسے لازم آیا کہ وہ ثقہ بھی تھے؟

مبارک پوری صاحبؒ ہی از راہ بزرگی وانصاف فرمائیں کہ جن کے بارے میں جرح کا ایک لفظ بھی موجود نہ ہو اور علامہ تاج الدین سبکیؒ وغیرہ جیسے امام اور ثقہ عالم ان کو امام المحدثین اور کبار المحدثین لکھیں مگر معہذا ان کی ثقاہت ثابت نہ ہو سکے اور محمد بن اسحاقؒ کو ائمہ جرح و تعدیل کذاب اور دجال تک کہتے ہوں تو ان کے (بقول امام شعبہؒ) امیر المحدثین ہونے سے اس کی ثقاہت کیسے ثابت ہو سکتی ہے؟

ٹھوکریں مت کھایئے چلئے سنبھل کر دیکھ کر

چال سب چلتے ہیں لیکن بندہ پرور دیکھ کر

(۳) امام ابن مدینیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کو مطلقاً ابن اسحاق کے موثقین میں شامل کرنا انتہائی غفلت اور طبقات رواۃ سے بے خبری پر مبنی ہے باحوالہ ان کے اقوال نقل کئے جا چکے ہیں کہ یہ بھی ابن اسحاق کو مجروح اور ضعیف قرار دیتے ہیں لہٰذا ان کا ذکر مطلقاً معدلین میں جہالت پر مبنی ہے۔امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اگر جرح وتعدیل کا تعارض ہو اور جارح امر خفی پر مطلع ہو چکا ہو جس کی اطلاع معدل کو نہیں تو جرح تعدیل پر مقدم ہے اور یہی محققین اور جمہور کا مختار ہے (شرح مسلم جلد1ص 21) اور نیز لکھتے ہیں کہ:

فانهم متفقون على أنه لا يحتج بالضعيف فى الاحكام (ایضاً)

محدثین کرامؒ اس پر متفق ہیں کہ ضعیف راوی سے احکام میں احتجاج و استدلال کرنا درست نہیں ہے اور ابن اسحاق پر جرح مفسر اور بابیانِ سبب ہے اور یہ روایت احکام شرعیہ میں سے ایک حکم سے متعلق ہے اور جبھی تو فریق ثانی احناف کی نماز کو بیکار اور باطل اور کالعدم قرار دے کر معاذ اللہ تعالیٰ ان کو فی السقر پہنچانے کا ادھار کھائے بیٹھا ہے اور چیلنج دیتا ہے اندریں حالات ابن اسحاق کی روایت کی کیا وقعت ہے؟

(''احسن الکلام'' طبع اول: 1955، طبع دوم 1965، طبع سوم 1980، طبع ہفتم 2001 ص 501 تا 509)

محمد بن اسحاق کے بارے میں مذکورہ بحث ''احسن الکلام'' طبع ہفتم سے ماخوذ ہے، جو حسب ذیل اکابر علماء دیوبند کی مصدقہ ہے:

(۱) حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب (۲) حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحبؒ (۳) حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ (۴) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی (۵) حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحبؒ (۶) حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ کراچی (۷) حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ (۸) حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ (۹) حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب (۱۰) حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی (۱۱) حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب بہبودیؒ (۱۲) حضرت مولانا سلطان محمود صاحبؒ (۱۳) حضرت مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک (۱۴) حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد نصیرالدین صاحب غورغشتیؒ (۱۵) حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی (۱۶) حضرت مولانا محمد عبدالرشید صاحب نعمانی (۱۷) حضرت مفتی رشید احمد صاحب

(احسن الکلام حصہ اول، فہرست مضامین ص 3)

مناظر اسلام، محقق اہلسنت، فخر حنفیت حضرت علامہ مولانا حافظ محمد حبیب اللہ ڈیروی فاضل نصرت العلوم گجرانوالہ شیخ الحدیث جامعہ قاسم العلوم فقیروالی (تلمیذ رشید امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر) محمد بن اسحاق کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اس سند میں عن ابی اسحاق دراصل محمد بن اسحاق ہے مگر مشہور راوی ہے۔ مگر ابراہیم بن سعد نے اس کو ابن اسحاق کے بجائے عن ابی اسحاق بنا دیا ہے اور ابن اسحاق کو چھپانے کے لئے یہ ایسی کارروائی کرنے کا مریض نظر آتا ہے۔ (توضیح الکلام پر ایک نظر ص 117۔ ناشر: جامعہ اسلامیہ حبیب العلوم (ملتان روڈ) ڈیرہ اسماعیل خان۔ طبع اول جمادی الثانیہ 1423ھ/ستمبر 2002ء صفحات 315)

اوریا مقبول جان اور محمد بن اسحٰق

حضرت مفتی صاحب!

یہ ہیں روزنامہ اسلام کے محبوب راوی اور پیر طریقت ''جن کے دفاع کو'' انبیاء عظام علیہم السلام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دفاع پر نہ صرف یہ کہ ترجیح دی گئی بلکہ روزنامہ اسلام کے ادارتی صفحہ پر فکر آخرت سے بالکل عاری ہو کر یہ ناروا جسارت بھی کر دی گئی کہ:

''ان تحقیقاتِ جدیدہ کے بانیوں سے ان کے پیروکار یہ سوال ضرور کریں گے کہ جب بخاری و مسلم سمیت کوئی بھی (کتب) حدیث مردود روایات سے محفوظ نہیں تو سارا ذخیرہ حدیث ہی مشکوک ہو گیا ہے۔ اس کی صفائی اور ردّ و سینِ حدیث کا کام از سرِ نو شروع کریں۔ اس طرح اصلاح دین اور دفاع شخصیاتِ مقدسہ کے نام پر پورے دین کی عمارت ہی ڈھا دی جائے گی تب ہی کہیں جا کر تحقیقات کا بھوت اترے گا'' (18 اکتوبر 2016)

حضرت مفتی صاحب!

محترم جناب اوریا مقبول جان صاحب نے اپنے کالم میں محمد بن اسحاق پر سرے سے کوئی جرح نقل ہی نہیں کی تھی صرف طبری کے بارہ راویوں کا ذکر کیا تھا جن میں سے پانچ ثقہ ہیں اور باقی سات وہ ہیں جن پر ائمہ جرح و تعدیل نے جھوٹے یا متہم بالکذب ہونے کا الزام لگایا ہے، ان دروغ گو راویوں (یعنی وہ جن پر جھوٹا ہونے کا الزام ہے) میں حسب ذیل راوی شامل ہیں۔ (1) محمد بن سائب کلبی۔ (2) ہشام بن محمد بن سائب کلبی۔ (3) محمد بن عمر واقدی۔ (4) سیف بن عمر تمیمی۔ (5) ابو مخنف لوط بن یحیٰی۔ (6) ہیثم بن عدی۔ (7) محمد بن اسحاق بن یسار۔ ملاحظہ ہو: روزنامہ ایکسپریس 4 ستمبر 2015ء تحت ''خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے''

حضرت مفتی صاحب!

جناب اوریا مقبول جان صاحب نے 4 ستمبر 2015ء کو اپنے کالم ''خوگر حمد سے تھوڑا

سا گلہ بھی سن لے''میں ڈاکٹر خالد طلال (علال) کبیر کے حوالے سے محمد بن اسحاق سمیت جن سات متہم بالکذب راویوں کا ذکر کیا ہے وہ ''معلومات'' یا ''تحقیقات'' جناب اوریا صاحب کے کالم کی اشاعت سے چودہ ماہ پہلے معروف دینی تجریدے''ماہنامہ دارالعلوم دیوبند'' کے اوراق کی زینت بن چکی تھیں۔چنانچہ مفتی ابوالخیر عارف محمود استاذ و رفیق شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ فاروقیہ کراچی اپنے مضمون:''تاریخ اسلامی میں جھوٹے راویوں کا کردار اور تدوین جدید کی ضرورت''

میں ایک ذیلی عنوان''تاریخ طبری کا اجمالی جائزہ'' قائم کر کے لکھتے ہیں کہ:

ان ساری خصوصیات کے باوجود تاریخ طبری میں جگہ جگہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق ایسی بے بنیاد اور جھوٹی روایات مروی ہیں، جن کی کوئی معقول و مناسب توجیہ نہیں کی جا سکتی ہے، جب کہ عدالتِ صحابہ کرامؓ پر موجود قطعی نصوص قرآن و سنت اور اجماعِ امت کے پیش نظر منصف مزاج اہل علم امام طبری اور خاص کر ان کی تاریخ میں مروی اس طرح کی روایات پر کلام کرنے پہ مجبور ہوئے ہیں، تاریخ طبری بڑے بڑے دروغ گو، کذّاب اور متہم بالکذب راویوں کی روایات سے بھری ہوئی ہے، بطور مثال کے تاریخ طبری کی روایات کا ایک جائزہ لینے کے لیے ڈاکٹر خالد علال کبیر صاحب نے تاریخ طبری میں موجود ثقہ و غیر ثقہ راویوں کی روایات کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا ہے؛ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ تاریخ طبری میں اس کے بارہ (12) مرکزی رواۃ کی روایات کا جائزہ لیتے ہیں، جن میں سے سات راوی کذّاب یا متہم بالکذب ہیں اور پانچ ثقہ ہیں۔

دروغ گو اور متہم بالکذب راویوں کی روایات کا اجمالی خاکہ

محمد بن سائب کلبی کی بارہ (12) روایات، ہشام بن محمد کلبی کی پچپن (55) روایات، محمد بن عمر کی چار سو چالیس (440) روایات، سیف بن عمر تمیمی کی سات سو (700) روایات، ابو مخنف لوط بن یحیٰ کی چھ سو بارہ (612) روایات، ہیثم بن عدی کی سولہ (16) روایات محمد بن اسحاق بن سیار (یسار) کی ایک سو چونسٹھ (164) روایات

ہیں،ان سب کی روایات کا مجموعہ جن کو مؤرخ طبری نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے وہ انیس سوننانوے(1999) ہے۔

ثقہ راویوں کی روایات کا اجمالی خاکہ

زبیر بن بکار کی آٹھ(8)روایات،محمد بن سعد کی ایک سو چونسٹھ(164) روایات، موسیٰ بن عقبہ کی سات(7)روایات،خلیفہ بن خیاط کی ایک(1)روایت،وھب بن منبہ کی چھیالیس(46) روایات ہیں۔تاریخ طبری کے ان پانچ ثقہ راویوں کی روایات کا مجموعہ دو سونو(209) ہے۔

تو گویا تاریخ طبری میں دوسونو(209)ثقہ روایات کے مقابلہ میں ان سات دروغ گواور متہم بالکذب راویوں کی انیس سوننانوے(1999) روایات ہیں،ان دونوں کے تناسب سے اندازہ لگا جا سکتا ہے کہ تاریخ طبری جیسی قدیم اور مستند سمجھی جانے والی کتاب کا جب یہ حال ہےتو تاریخ کی باقی کتابوں کا کیا حال ہوگا۔...

محترم قارئین کرام! کیا صرف سند کے ساتھ رطب ویابس،غث وسمین اور ثقہ وغیر معتبر ہر طرح کی روایات کا نقل محض کسی بھی ثقہ مصنف کے لئے معقول عذر بن سکتا ہے؟...

...معاصر عرب اہل علم حضرات میں سے ڈاکٹر خالد علال کبیر صاحب(۲۳) نے اپنی کتاب"مدرسة الكذابين فى رواية التاريخ الاسلامى و تدوينه" میں مورخ طبری کے اس مخصوص طرز عمل کے بارے میں لکھا ہے کہ میرے نزدیک انھوں نے یہ(یعنی تحقیق و تمحیص کے بغیر صرف اسانید کے ساتھ روایات کو نقل کر کے)ایک ناقص کام کیا ہے،اوران تمام روایات کے وہ خود ذمہ دار ہیں جوانہوں نے اپنی تاریخ میں مدون کی ہیں،پس انہوں نے عمداً دروغ گوراویوں سے بہ کثرت روایات نقل کیں اوران پر سکوت اختیار کیا،یہ انتہائی خطرناک معاملہ ہے جو بعد میں آنے والی بہت ساری نسلوں کی گمراہی کا سبب بنا،انھیں (طبری) چاہیے تھا کہ وہ ان دروغ گوراویوں کا بغیر ضرورت کے تذکرہ نہ کرتے،یاان پر نقد کرتے اوران کی روایات کی جانچ پڑتال کرتے،صرف ان کی اسانید کے ذکر پر اکتفا کر

کے سکوت اختیار نہ کرتے۔ نقدِ روایات اس لیے ضروری تھا کہ تاریخ طبری کا مطالعہ کرنے والوں میں غالب اکثریت ان لوگوں کی ہے جن میں اتنی علمی صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ ان روایات پر سند و متن کے اعتبار سے نقد کرسکیں، اگر اس سے استفادہ کرنے والے صرف حدیث، تاریخ و دیگر علوم میں متبحر ہوتے تو یہ طے شدہ بات تھی کہ وہ نقد و تمحیص کا عمل انجام دیتے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف مزید لکھتے ہیں کہ اس معاملہ کو اس سے بھی زیادہ سنگین اس بات نے کردیا کہ طبری کے بعد آنے والے اکثر مورخین نے قرونِ ثلاثہ کے بارے میں ان سے بہ کثرت روایات نقل کی ہیں، جیسا کہ ابن جوزیؒ نے اپنی کتاب ''المنتظم'' میں، ابن الاثیر نے ''الکامل'' میں اور ابن کثیر نے ''البدایہ'' میں بغیر سند کے نقل کیا ہے، اوران حضرات کا اس طرح بغیر سند کے روایات نقل کرنے سے ثقہ اور دروغ گو راویوں کی روایات خلط ملط ہوگئی ہیں، بسا اوقات تاریخ طبری کی طرف مراجعت کے بغیر ان روایات میں تمیز مستحیل ہوجاتی ہے۔

افتراق وانتشار اور گروہی اختلافات کی اساس

غرض کذّاب اور دروغ گو راویوں کی موضوع و من گھڑت اور نصوص شریعت و حاملینِ دینِ متین سے متصادم روایات ہی امتِ مسلمہ میں افتراق و انتشار اور تمام گروہی اختلافات کی اساس و بنیاد ہیں، جن کو صراطِ مستقیم سے منحرف فرقوں نے جب مذہبی قداست کا لبادہ اوڑھا دیا تو اس مکتبۂ فکر کے ماننے والوں نے ان روایات کو دین اور رجال پر طعن کرنے، گمراہ افکار کی نصرت و تائید، مسلّمہ حقائق اور متوارث تاریخ اسلامی میں تشکیک پیدا کرنے کے لیے بطور رسلاح کے استعمال کرنا شروع کردیا۔

(ماہنامہ دارالعلوم ''دیوبند'' شمارہ 6 جلد 98 _شعبان 1435ھ مطابق جون 2014ء)

حضرت مفتی صاحب!

(۲۱۰)	برائے مہربانی اوریا صاحب کے کالم اور مفتی ابوالخیر عارف محمود کے نقل کردہ متن میں فرق واضح فرمادیں؟

(۲۱۱)	اگر کوئی فرق محسوس نہ ہوتو روزنامہ اسلام کے ادارتی صفحہ پر 18 اکتوبر 2016 کوشائع ہونے والے مضمون میں پائی جانے والی جارحیت کے متعلق شرعی فتویٰ سے بھی آگاہ فرمادیں؟

کیونکہ موخرالذکر مضمون اوریا صاحب کے کالم سے 14 ماہ پہلے منظر عام پر آچکا تھا۔

حضرت مفتی صاحب!

راقم یا جناب اوریا مقبول جان صاحب ائمہ رجال کے حوالے سے ان جھوٹے راویوں کا اگر صرف نام لیں یا ان پر ائمہ رجال کی جرح نقل کریں تو ''مجرم'' گردانے جائیں اور مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدرؒ اگر ''فاتحہ خلف الامام'' جیسے فروعی مسئلہ میں اسی ''محمد بن اسحاق'' کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیں یا ان کے تلمیذ رشید مناظر اسلام، محقق اہلسنت، فخر حنفیت حضرت علامہ مولانا حافظ محمد حبیب اللہ صاحب ڈیروی ابن اسحاق کو ''مشہور دجالؒ'' تک کہہ دیں اور جامعہ فاروقیہ کراچی کے استاذ و رفیق شعبہ تصنیف و تالیف مفتی ابوالخیر عارف محمود صاحب تاریخ طبری کے ان راویوں کو جھوٹا قرار دیں جنہیں جناب اوریا صاحب نے جھوٹا قرار دیا تھا اور وہ مضمون دارالعلوم'' دیوبند'' والے اپنے شہرہ آفاق رسالے ''ماہنامہ دارالعلوم دیوبند'' میں شائع کریں تو اس سے نہ ''تاریخ وحدیث'' کا ذخیرہ مشکوک ہوتا ہے، نہ ہی ''دین کی عمارت'' منہدم ہوتی ہے اور نہ ہی ''روزنامہ اسلام'' کے سیکرٹریٹ میں کوئی بھونچال آتا ہے۔

جناب اوریا مقبول جان صاحب کو محمد بن اسحاق کا صرف نام لکھنے کی بناء پر روزنامہ اسلام میں ''غیر اسلامی، غیر انسانی اور غیر مہذبانہ انداز'' میں مخاطب کیا گیا ہے جس کے چند ''نمونے'' پیچھے گزر چکے ہیں مگر روزنامہ اسلام 18 اکتوبر 2016 کو تیسری اور آخری قسط کا آغاز ہی کچھ اس طرح ہوتا ہے کہ:

''موصوف کی تیسری غلط فہمی جو دراصل ایک شدید قسم کی بدگمانی ہے، اور وہی ان کی کج فکری کی اصل جڑ ہے... جان صاحب کا دل چاہے تو کسی کی ایک آدھ کی جرح کا پتھر اٹھا کر

علی بن مدینی جیسے جرح و تعدیل کے امام پر بھی دے ماریں۔"(روزنامہ اسلام 18 اکتوبر 2016)

حضرت مفتی صاحب!

(۲۱۲)	اوپر امام اہلسنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدرؒ کے حوالے سے ابن اسحاق پر جو جرح نقل کی گئی ہے کیا وہ کسی ایک آدھ کی جرح ہے؟

دوسرے ائمہ رجال کی بات تو رہنے دیں خود علی بن المدینی نے اقرار کیا ہے کہ ابن اسحاق کو یہود و نصاریٰ سے روایتیں بیان کرنے کی بناء پر ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

خاطر جمع رکھیں! جناب اوریا مقبول جان صاحب کو کیا ضرورت ہے کہ وہ "کسی کی ایک آدھ جرح کا پتھر اٹھا کر علی بن مدینی جیسے جرح و تعدیل کے امام پر دے ماریں" کیونکہ یہ فریضہ ائمہ رجال اور خود علی بن مدینی بطریق احسن انجام دے چکے ہیں۔ بلکہ امام اہلسنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر اور ان کے شاگرد رشید مناظر اسلام شیخ الحدیث مولانا حبیب اللہ ڈیروی نے ابن اسحاق کے سر پر تو پوری "چٹان" ہی دے ماری ہے۔ پھر ڈیروی صاحب نے تو ابن اسحاق کے لئے "مشہور دلا" لکھ کر "جرح و تعدیل" کے فن میں ایک نئی "طرح" ڈالی ہے جس سے تمام ائمہ رجال محروم ہی رہے کیونکہ اس سے پہلے امام مالک نے ابن اسحاق کے بارے میں دجال من الدجالہ فرمایا تھا۔

سخت تعجب ہے کہ روزنامہ اسلام والے ابن اسحاق کے بارے میں امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر کی جرح (1955ء)، فخر احناف، مناظر اسلام، شیخ الحدیث مولانا حبیب اللہ ڈیروی کی جرح (2002ء) اور مفتی ابوالخیر عارف محمود استاذ و رفیق شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ فاروقیہ کراچی کی جرح (2014ء جو ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں شائع ہوئی ہے) سے برابر محظوظ ہو رہے ہیں اور اس سے ان کی پیشانی پر کوئی شکن نہیں پڑی۔ مگر جونہی جناب اوریا مقبول جان صاحب نے 4 ستمبر 2015ء کو اپنے کالم میں صرف یہ لکھا کہ محمد بن اسحاق طبری کے ان راویوں میں شامل ہیں جن پر جھوٹا ہونے کا الزام

ہے تو پھر روزنامہ اسلام والوں نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ اور لنگر لنگوٹ کس کر میدان میں کود پڑے۔فیاللعجب

(۲۱۳)	کیا روزنامہ اسلام کی اس روش پر ملک غلام علی صاحب کا یہ تبصرہ صادق نہیں آتا؟

''...صحیح بات سے ہٹنا اور غلط بات پر ڈٹنا ان کے لئے بالکل سہل ہے، جسے یہ اپنے حلقے کا آدمی سمجھتے ہیں وہ اگر نہایت کمزور واہی بات کہہ دے تب بھی اسے لپک کر لیں گے اور جو ان کی یونین کا ممبر نہ ہو اس کے معاملے میں ان کی فراخدلی فوراً ان کا ساتھ چھوڑ دے گی...''(خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص 484)

بہر حال یہ بات خوش آئند ہے کہ ائمہ رجال نے حلال و حرام کے مسائل میں بالاتفاق ابن اسحاق کی روایات کو مردود قرار دے کر''پورے دین کی عمارت'' کو گرنے سے بچالیا ہے۔

حضرت مفتی صاحب!

سخت تعجب ہے کہ''احکام،حلال وحرام'' اور دیگر فروعی مسائل میں تو ابن اسحاق کو متفقہ طور پر ''مردود الروایت'' ٹھہرادیا جاتا ہے مگر منافی عصمت انبیاء اور مبنی بر توہین روایات کے نقل کرنے کی وجہ سے اگر اس پر ائمہ رجال کے حوالے سے جرح نقل کی جائے۔

(۲۱۴)	''ادارہ روزنامہ اسلام'' میں معلوم نہیں کہ کیوں''صفِ ماتم'' بچھ جاتی ہے اور انہیں کیوں دین کی عمارت گرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے؟

محمد بن اسحٰق کی منافی عصمت مرویات

حضرت مفتی صاحب!

آپ کے ملاحظہ کے لئے امام طبری کی''تاریخ'' سے نہیں بلکہ ان کی''تفسیر'' سے محمد بن اسحاق سے مروی چند منافی عصمت روایات پیش کی جاتی ہیں:

... عن ابن اسحاق كانت حوّاء تلد لأدم، فتعبّدهم الله، و تسميه:

"عبیداللہ" و "عبداللہ" و نحوذلك، فیصیبهم الموت، فأتاها إبلیس و ادمَ فقال: إنكما لو تسمیانه بغیر الذی تسمیانه لعاش، فولدت له رجلا فسماه "عبدالحارث" ففیه أنزل اللہ تبارك و تعالی: "هوالذی خلقكم من نفس واحدة"، إلی قوله: "جعلاله شركآء فیما اٰتهما" إلی آخرالآیة۔ ((جامع البیان فی تاویل القرآن المجلد السادس ص 144۔تحت رقم 15527)

حضرت حوّا کی جو اولاد ہوتی تھی تو وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے مخصوص کر دیتی تھیں اور ان کے نام "عبیداللہ و عبداللہ" وغیرہ رکھتی تھیں۔ یہ بچے مر جاتے تھے۔ چنانچہ آدمؑ اور حوّاء کے پاس ابلیس آیا اور کہنے لگا کہ: اگر آپ اپنے بچے کا ان ناموں کے علاوہ کوئی دوسرا نام رکھیں گے تو وہ زندہ رہے گا۔ پس حوّاء کا ایک بچہ پیدا ہوا تو ان دونوں نے اس کا نام "عبدالحارث" رکھا۔ اسی کے متعلق یہ آیات (الاعراف 189۔190) نازل ہوئی ہیں۔

حدثنا ابن حمید قال، حدثنا سلمة، عن ابن اسحاق قال: أكبّت علیه، یعنی المرأة، تطمعه مرّة و تخفیه أخری، و تدعوه الیٰ لذة من حاجة الرجال فی جمالها و حسنها و ملكها، وهو شاب مستقبل یجد من شبق الرجال ما یجد الرجل، حتی رقّ لها مما یری من كلفها، و لم یتخوف منها حتی هم بها وهمت به، حتی خلوا فی بعض بیوته...

فاما ما كان من همّ یوسف بالمرأة و همها به، فان أجل العلم قالوا فی ذلك ما أنا ذاكره، وذلك ما...(تفسیر الطبری المجلد السابع ص 181۔ تحت رقم 19024۔ طبع بیروت 1420ھ......1999ء)

ابن حمید، سلمہ، ابن اسحاق سے روایت ہے کہ: وہ عورت یعنی زوجہ عزیز یوسفؑ پر جھک گئی۔ ایک مرتبہ انہیں ترغیب و لالچ دیتی اور دوسری مرتبہ عدم تعمیل کے نتیجے سے انہیں ڈراتی اور انہیں اس عیش و لذت کی طرف دعوت دیتی رہی جو عورت کے حسن و جمال میں مردوں کی ضرورت و احتیاج ہوتی ہے اور یوسفؑ بھی تمام مردانہ صفات کے حامل ایک خوبصورت

جوان تھے یہاں تک کہ اس عورت کی اپنے ساتھ بے تکلفی دیکھ کر اس کے لئے نرم پڑ گئے اور اس سے کوئی خوف محسوس نہیں ہوا یہاں تک کہ یوسفؑ نے اس عورت کا قصد کرلیا اور اس عورت نے بھی یوسفؑ کا قصد کرلیا۔ پھر مکان میں علیحدہ چلے گئے...

. عن ابن اسحاق لـمّـا رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم تولّى قومه عنه، و شق عليه مايرى من مباعدتهم ماجاء هـم به من عندالله، تمنى في نفسه أن يأتيه من الله ما يقارب به و بين قومه، و كان يسرّه، مع حبّه و حرصه عليهم أن يلين له بعض مـا غـلـظ عـلـمـه مـن أمـرهـم، حيـن حدّث بذلك نفسه، و تمنى و أحبه، فأنزل الله: "وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰىO......اَفَرَءَ يْتُمُ الّٰلتَ وَالْعُزّٰىOوَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى"

أـلـقى الشيطان على لسانه، "تلك الغرانيق العلى ......" فلمّا سمعت قريش ذلك فرحوا و سرهـم و أعجبهم ما ذكر به آلهتهم، فأصاخوا له، والمؤمنون مصدقون نبيهم فيـمـا جـاء هـم به عن ربهم ولا يتهمونه على خطاء ولا وهم ولازلل، فلما انتهى إلى السجدة منها و ختم السورة سجدفيها، فسجد المسلمون بسجود نبيهم، تصديقا لما جـاء بـه و اتباعالأمره، وسجد من في المسجد من المشركين، من قريش وغيرهم، لـمـا سـمـعـوا من ذكر الهتهم، فلم يبق في المسجد مؤمن ولا كافر الّا سجد...... و خـرجـت قـريـش و قـد سرهم ما سمعوا من ذكر الهتهم، يقولون: قد ذكرنا محمد الهتنا بأحسن الذكر ...... و أتى جبريل النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا محمد ماذا صـنـعـت؟ لـقـد تلوت على الناس مالم اتك به عن الله، وقلت مالم يقل لك، فحزن رسـول الـلـه صلى الله عليه وسلم عند ذلك، و خاف من الله خوفًا كبيراً، فأنزل الله تبـارك و تـعـالـىٰ عليه: "وَكَانَ بِهٖ رَحِيْماً" يعزيه و يخفض عليه الأمر، و يخبره أنه لـم يـكـن قبـلـه رسـول ولا نبيّ منى كما تمنى، ولا أحب كما أحب، إلّا والشيطان قد ألقى في أمنيته، كما ألقىٰ على لسانه صلى الله عليه وسلم،

نسـخ الـلّـه ما ألقى الشيطان، و أحكم آياته، أى فأنت كبعض الأنبياء والرسل، فـأنـزل الـلّـه: "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّا اِذَا تَمَنّٰىٓ اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ

أُمْنِيَّتِهِ"... فأذهب الله عن نبيه الحزن، منه من الذى كان يخاف، و نسخ ما ألقى الشيطان على لسانه من ذكر الهتهم، أنها الغرانيق العلى وانّ شفاعتهن ترتضى...

فلما جاء ه من الله ما نسخ ما كان الشيطان ألقى على لسان نبيه، قالت قريش: ندم محمد على ما كان من منزلة آلهتكم عندالله، فغير ذلك وجاء بغيره، و كان ذلك الحرفان اللذان ألقى الشيطان على لسان رسوله قد وقعا فى فم كل مشرك، فازدادوا شرّاً إلى ما كانوا عليه۔ ((تفسیر الطبری المجلد التاسع ص ۱۷۴۔۱۷۵ تحت رقم ۲۵۳۲۸)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ان کی قوم نے ان سے اعراض کیا ہے اور صرف اس حکم کی وجہ سے جو اللہ نے آپ کو دیا تھا، آپ کی قوم آپ سے علیحدہ ہوگئی ہے۔ آپ کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا حکم نازل فرماتا جس سے آپ کے اور ان کے درمیان تعلقات پھر سے قائم ہوجاتے۔ آپ اپنی قوم سے محبت اور ان کی فلاح کے خیال سے یہ چاہتے تھے کہ ان کے معاملے میں جو شدت برتی ہے اس میں نرمی کردیں۔ یہ خیال آپ کے دل میں آیا اور آپ نے اس کی آرزو اور تمنا کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ (النجم) اتاری جب آپؐ نے یہ آیت پڑھی: "اَفَرَءَيْتُمُ الّٰتَ..." تو شیطان نے آپ کی اس خواہش کی وجہ سے جو آپ چاہتے تھے کہ اپنی قوم کو خوش کریں آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری کردیئے: "تلك الغرانيق العلى..." یہ الفاظ سن کر قریش بہت خوش ہوئے کہ محمد نے تعریفی الفاظ میں ہمارے معبودوں کا ذکر کیا ہے، انہوں نے خوشی میں نعرہ لگایا۔

مسلمان تو اپنے نبی پر ایمان کامل رکھتے ہی تھے کہ جو کچھ آپ ہمارے رب کی طرف سے کہتے ہیں وہ بالکل سچ ہے اور وہ آپ کو خطا، وہم اور لغزش سے معصوم سمجھتے تھے۔ جب اس سورۃ میں سجدہ کا مقام آیا اور سورت ختم ہوئی، رسول اللہ نے سجدہ کیا اور تمام مسلمانوں نے اپنے نبی کی اتباع، حکم اور وحی کی تصدیق میں آپؐ کے ساتھ سجدہ کیا اور چونکہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اپنے معبودوں کی تعریف سنی تھی، اس لئے مشرکین قریش اور

دوسرے لوگوں نے بھی سجدہ کیا۔اس طرح ساری مسجد میں جس قدر مومن یا کافر تھے سب سجدے میں گر پڑے البتہ ولید بن مغیرہ چونکہ نہایت بوڑھا تھا وہ سجدے میں تو نہ جا سکا مگر اس نے مٹھی بھر کنکریاں اٹھا کر ان پر سر رکھ دیا اور اس طرح اس نے بھی سجدہ کرلیا۔اس کے بعد تمام لوگ مسجد سے چلے گئے، قریش بھی بڑے خوش وہاں سے گئے اور ایک دوسرے سے بیان کرنے لگے کہ محمد نے ہمارے معبودوں کا بڑے اچھے الفاظ میں ذکر کیا ہے اور اپنے قرآن میں یہ بات کہی ہے کہ "یہ دراز گردن مورتیاں ہیں ان کی شفاعت مقبول ہوگی"

اس سجدے کی خبر ان مسلمانوں کو بھی ہوئی جو حبشہ میں ہجرت کر کے جا رہے تھے اور ان سے بھی یہ کہا گیا کہ قریش اسلام لے آئے ہیں اس خبر کو سن کر ان میں سے بعض وطن آنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور کچھ وہیں رہ گئے۔

حضرت جبریل رسول اللہ کے پاس آئے اور کہا: آپ نے یہ کیا، کیا؟ آپ نے وہ الفاظ بطور وحی لوگوں کے سامنے پڑھے جو میں اللہ کی طرف سے آپ کے پاس نہیں لایا تھا اور آپ نے وہ کہہ دیا جو آپ سے نہیں کہا گیا۔یہ سن کر رسول اللہ بہت سخت رنجیدہ اور ملول ہوئے اور آپ کو اللہ کا بڑا خوف ہوا کہ کیا ہوگا؟ مگر اللہ تعالیٰ چونکہ آپ پر نہایت مہربان تھا اس نے آپ کی تسلی و تشفی کے لئے وحی کے ذریعے آپ کو بتایا کہ آپ سے پہلے بھی جس نبی یا رسول نے خود کوئی خواہش کی ہمیشہ شیطان اس میں اس طرح شریک ہوا ہے جس طرح کہ آپ کے ساتھ معاملہ گذرا کہ اس نے اپنی بات آپ کی زبان سے کہلا دی مگر اللہ نے ہمیشہ شیطان کی بات منسوخ کر کے اپنی بات جمائی ہے۔چونکہ آپؐ بھی دوسرے انبیاءؑ کی طرح ہیں اس لئے اس کی فکر مت کرو پھر اللہ نے یہ آیت نازل کی: "وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ..." اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے خوف کو دور کیا اور ان کو اطمینان دیا اور جو بات شیطان نے آپؐ کی زبان سے مشرکین کے معبودوں کے ذکر و تعریف میں کہلا دی... محو کر کے "لات وعزیٰ" کا ذکر کر کے اپنی یہ آیات نازل فرمائیں:

"اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الۡاُنۡثٰى... لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَرۡضٰى" یعنی اب کیوں کر تمہارے معبودوں کی

سفارش اللہ کے ہاں کام دے سکتی ہے جب اللہ تعالیٰ نے اس بات کو منسوخ کر دیا جو شیطان نے آپ کی زبان سے کہلا دی تھی۔ قریش کو اس منسوخی کی خبر ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ اللہ کے ہاں ہمارے معبودوں کی جس قدر و منزلت کا محمد نے پہلے ذکر کیا تھا اس پر وہ اب نادم ہوا ہے اور اسی لئے اسے بدل کر اب اس نے کچھ اور کہا ہے۔ یہ دو جملے تھے جن کو شیطان نے آپ کی زبان سے ادا کرا دیا تھا۔ یہ ہر مشرک کی زبان پر تھے مگر ان کے منسوخ ہونے کے بعد مسلمانوں (صحابہ کرامؓ) پر وہ اب تک جو سختیاں کرتے آئے تھے ان میں کفار نے اور شدت کر دی۔

حضرت مفتی صاحب!

(۲۱۵)	''فرصت'' ملے تو اس بات کی وضاحت ضرور فرمائیں کہ محمد بن اسحاق و امثالہ سے مروی منافی عصمت اور مبنی بر توہین روایات کو مردود قرار دینے اور انبیاء عظام علیہم السلام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان جیسی ''شخصیات مقدسہ'' کے دفاع سے سارا ذخیرہ حدیث کس طرح مشکوک قرار دیا جا سکتا ہے اور ''پورے دین کی عمارت کیوں کر منہدم ہو سکتی ہے؟''

صد افسوس کہ روزنامہ اسلام نے زیر بحث مضمون میں ''طعن و تشنیع، کذب و افتراء اور فریب دہی'' کے میدان میں سیکولر اور غیر مہذبانہ صحافت کے علمبردار اخبارات کو بھی بہت پیچھے چھوڑ دیا۔

ائمہ اسلام اور مورخین

سادساً:

''روزنامہ اسلام'' میں محترم جناب اوریا مقبول جان صاحب کو ''غیر اسلامی، غیر انسانی اور بالکل غیر مہذبانہ انداز میں اس لئے بھی ہدف تنقید بنایا گیا ہے کہ انہوں نے انبیائے عظام علیہم السلام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی توہین و تنقیص پر مبنی روایات نقل کرنے کی وجہ سے تعصب میں اتھڑے ہوئے مؤرخین اور راویوں کو غیر معتبر قرار دیا ہے۔

حضرت مفتی صاحب!

(۲۱۶) کیا کوئی مسلمان اور ذی علم بقائمی ہوش وحواس اس کی تردید کرسکتا ہے کہ زیر بحث روایات منافی عصمت نہیں ہیں؟

(۲۱۷) کیا کوئی مسلمان ایسے راویوں اور بلا جرح ونقد ناقلین کا دفاع کرسکتا ہے؟

(۲۱۸) کیا ہماری "معتبر تاریخ" میں ایسے "افسانے" نہیں پائے جاتے جن سے عصمت انبیاء اور ناموس صحابہ مجروح ہوتی ہے؟

مگر صد افسوس کہ "روزنامہ اسلام" میں یہ کارنامہ بھی سرانجام دے دیا گیا ہے۔

جناب اوریا مقبول جان صاحب سے تو صدیوں پہلے ائمہ اسلام نے ایسے راویوں اور مؤرخوں سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ اس سلسلہ میں ائمہ رجال نے بطریق احسن اپنا کردار ادا کردیا ہے۔

قاضی ابوبکر ابن العربی (543ھ) واشگاف الفاظ میں فرماتے ہیں:

"فاقبلوا الوصية، ولا تلتفتوا الا الى ما صحّ من الأخبار، واجتنبوا أهل التاريخ فإنهم ذكروا عن السلف أخباراً صحيحةً يسيرةً ليتوسلوا بذلك إلى رواية الأباطيل، ومن نظر إلى أفعال الصحابة تبيّن منها بطلان هذه الهتوك التي يختلقها أهل التواريخ فيلسونها في قلوب الضعفاء...

"و قد بينت لكم انكم لا تقبلون على أنفسكم في دينار بل في درهم الا عدلاً بريئاً من التهم، سليما من الشهوة، فكيف تقبلون في أحوال السلف و ماجرىٰ بين الاوائل ممن ليس له مرتبه في الدين، فكيف في العدالة" (**العواصم من القواصم ص ۲۵۹**)

"پس میری وصیت قبول کرو، اور صحیح روایات کے علاوہ کسی کی طرف توجہ مت کرو، اور اہل تاریخ سے بچو اور دور رہو کیونکہ انہوں نے سلف سے چند صحیح روایات اس مقصد کے لئے نقل کی ہیں تا کہ باطل اور موضوع روایات پھیلانے میں وسیلہ اور مدد مل سکے، اور جس کسی نے بھی صحابہ

کرام کے خلاف مؤرخین کے وضع کردہ الزامات پر نظر دوڑائی ہے تو اس پر ان کا بطلان واضح ہوگیا اور جس کسی نے بھی صحابہ کرام کی طرف منسوب نامناسب اعمال و افعال کی طرف نظر دوڑائی ہے اس پر ان واقعات کا بطلان واضح ہوگیا ہے جنہیں مؤرخین نے ضعیف الاعتقاد لوگوں کو گمراہ کرنے کی خاطر گھڑا ہے۔...

میں تم سے برملا کہتا ہوں کہ جب تم اپنے خلاف دینار بلکہ درہم تک کا دعویٰ تسلیم نہیں کرتے جب تک کہ مدعی سچا اور تہمتوں سے بری اور خواہشات نفسانی سے محفوظ نہ ہو۔ تو تم احوال سلف اور مشاجرات صحابہؓ کے بارے میں ایسے آدمی کی بات کیسے مان لیتے ہو جس کا عدالت تو کجا دین میں بھی کوئی مقام نہیں۔"

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) صحابہ کرام بالخصوص حضرت حکم بن ابی العاصؓ پر مؤرخین کے عائد کردہ الزامات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"و أمّا قصّة الحکم فعامة من ذکرها انما ذکرها مرسلة، و قد ذکرها المؤرخون الّذین یکثر الکذب فیما یروونه، وقل أن یسلم لهم نقلهم من الزیادة والنقصان..." (منهاج السنة الجزء الثالث ص ۱۹٦ ـ طبع بیروت)

"جہاں تک حضرت حکمؓ کے قصے کا تعلق ہے تو عام مؤرخین نے اسے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔ اور یہ ناقل مؤرخین اپنی روایات میں بکثرت جھوٹ بولتے ہیں اور ان کی منقولہ روایات کمی بیشی سے کم ہی محفوظ ہوتی ہیں۔"

موصوف ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

"وانما هومن جنس نقلة التواریخ الّتی لا یعتمد علیها أولوا الأبصار" (حوالہ مذکور ص ۲۴۲)

یہ قصہ محض تاریخی منقولات میں سے ہے جس پر ارباب بصیرت اعتماد نہیں کرتے۔

امام ابن کثیر (۷۷۴ھ) اسی طرح کی ایک روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"فکذب و بهتان و افتراء عظیم یلزم منه خطاء کبیر من تخوین الصحابة ... و کل مومن بالله و رسوله یتحقق أن دین الإسلام هو الحق، یعلم بطلان هذا الافتراء لأن الصحابة کانوا

خیر الخلق بعد الأنبیاء و ھم خیر قرون ھذہ الأمۃ التی ھی أشرف الامم بنص القرآن و إجماع السلف والخلف فی الدنیا والآخرۃ وللہ الحمد (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۴۔۲۲۵)

''یہ صریح جھوٹ، بہتان اور افترائے عظیم ہے۔اس سے ایک بہت بڑی خطاء یعنی صحابہ کرام کی خیانت لازم آتی ہے اور اللہ اور رسول اور دین اسلام کی حقانیت پر ہر ایمان لانے والا بخوبی جانتا ہے کہ یہ افترا باطل ہے۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ، حضرات انبیاء کے بعد ساری مخلوق سے افضل ہیں، وہ اس امت کے خیر القرون ہیں جو نص قرآنی اور باجماع سلف وخلف دنیا و آخرت میں تمام امتوں سے اشرف ہیں۔والحمد للہ۔''

علامہ سید محبّ الدین الخطیب (م ۱۳۹۰ھ) ''تاریخی ورثہ'' سے متعلق اپنی تحقیق کا نچوڑ یوں پیش کرتے ہیں کہ:

"وقد وصلت إلینا ھذہ الترکۃ لا علی أنھا ھی تاریخنا بل علی أنھا مادۃ غزیرۃ للدرس والبحث یستخرج منھا تاریخنا۔" (العصواصم من القواصم برحاشیہ ص ۱۷۷)

''تحقیق ہم تک جو یہ ''تاریخی'' ورثہ در کہ پہنچا ہے وہ اس لئے نہیں کہ ہماری تاریخ ہے بلکہ بحث و تدریس کے لئے صحیح و سقیم اور رطب و یابس روایات کا ایک ڈھیر ہے جس سے ہماری تاریخ کا استخراج کیا جا سکتا ہے۔''

جامعہ ازہر کے استاذ ڈاکٹر ابراہیم علی شعوط نے اپنی عظیم کتاب کا نام ہی ایسا تجویز کیا جس سے ''تاریخ'' کے ''اکاذیب واباطیل'' واضح ہوتے ہیں یعنی "أباطیل ___ یجب أن تمحیٰ من التاریخ" وہ واقعات جن کا اسلامی تاریخ سے مٹایا جانا ضروری اور واجب ہے۔میرے پاس اس کتاب کا ساتواں ایڈیشن ہے جسے 1409ھ/1989ء میں ''دارالشروق'' جدہ نے شائع کیا۔ڈاکٹر صاحب نے عہد نبوی سے لے کر خلافت عباسیہ کے دور تک کے جھوٹے اور باطل واقعات کی نشاندہی کی ہے۔موصوف نے ان تاریخی اکاذیب میں سے قصہ زیدؓ و زینبؓ اور قصہ غرانیق کا عقلاً و نقلاً، روایتاً و درایتاً نہایت ہی مفصل و مدلل رد کیا ہے۔ فجزاء اللہ احسن الجزاء۔

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی (م 1974ء) رقم طراز ہیں:

...ان ہی واقعات کے نتائج میں بنی عباس کی حکومت قائم ہوئی۔ یہ سب بنی امیہ کے نہایت سخت دشمن تھے۔ اس لئے بنی امیہ کی مخالفت میں جو صدا امیر معاویہؓ کے عہد میں اٹھی تھی وہ بنی عباس کے پورے دورِ حکومت تک برابر گونجتی رہی بلکہ اس کا غلغلہ اور زیادہ بلند ہوگیا اور بنی عباس کی حکومت وہ تھی جس کا سکہ مشرق سے مغرب تک رواں تھا اس لئے امیر معاویہؓ کے مثالب ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل گئے۔

اسی زمانہ میں تاریخ نویسی کا آغاز ہوا۔ اس لئے بہت سی غلط روایتیں جو عرصہ سے زبانوں پر چڑھی چلی آ رہی تھیں، تاریخوں میں داخل ہوگئیں کیونکہ ایسے ابتدائی دور میں جبکہ تاریخ نویسی کا آغاز ہوا تھا روایات کی اتنی تحقیق وتنقید جس سے افسانہ وحقائق میں پورا پورا امتیاز ہوسکے، مشکل تھی، گو بہت سی بے سروپا روایتیں جن کا لغو ہونا بالکل عیاں تھا تنقید سے مسترد ہوگئیں۔ پھر بھی بہت سے غلط واقعات تاریخ کا جزو بن گئے حتیٰ کہ مؤرخ ابن جریر اپنی محدثانہ تنقید کے باوجود اپنی کتاب کو غلط روایات سے محفوظ نہ رکھ سکے اور آغاز تاریخ اسلام میں جو واقعات پولیٹیکل مقاصد کے لئے تراشے گئے تھے اس میں داخل ہوگئے۔

(سیر الصحابہ حصہ ششم ص ۹۸۔۹۹ مطبوعہ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور)

سخت تعجب ہے کہ یہی بات لکھنے پر جناب اوریا مقبول جان صاحب کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنا دیا گیا۔ (ملاحظہ ہو روزنامہ اسلام 17 اکتوبر 2016ء)

جناب اوریا مقبول جان صاحب تو اس قدر لکھنے پر بھی ''مطعون'' ٹھہرائے گئے کہ:

''حالت یہ ہے کہ عباسی حاکم معتضد باللہ کا رسالہ بغیر کسی چھان پھٹک کے تاریخ کا حصہ بنایا گیا جو خالصتاً بنوامیہ سے بغض وعناد اور قبائلی دشمنی کی بنیاد پر تحریر کیا گیا تھا۔ متہم بالکذب اور جھوٹے راویوں کی روایتیں طبری نے بلاکم وکاست تحریر کردیں...'' (روزنامہ ایکسپریس 4 ستمبر 2015ء زیرعنوان ''خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے'')

حضرت مفتی صاحب!

یہ ملحوظ رہے کہ اس رسالہ میں حضرت معاویہؓ اور حضرت ابوسفیانؓ کی تکفیر کی حد تک توہین کی گئی ہے۔ جناب اوریا مقبول جان صاحب کے مقابلے میں امام طبری کی اس ناروا جسارت پر ترجمان اہل سنت مولانا محمد نافع صاحبؒ جیسے معتدل مفکر نے سخت تنقید کی تو ''ادارہ روزنامہ اسلام'' میں سکوت طاری رہا۔ ملاحظہ فرمائیں:

''غور طلب یہ بات ہے کہ صاحب التاریخ محمد ابن جریر الطبری کے لئے عباسیوں کے اس فراہم کردہ غلیظ مواد کو من وعن نقل کر کے اپنی تصنیف میں شامل کرنے کا کون سا داعیہ تھا؟ اور اس نے کون سی مجبوری کی بناء پر یہ کارِ خیر پورا کیا؟ گویا الطبری نے اس مواد کو اپنی تاریخ میں درج کر کے آنے والے لوگوں کو اس پر آگاہ کیا اور سب وشتم اور لعن طعن کے جو دلائل عباسیوں نے مرتب کروائے تھے ان پر آئندہ نسلوں کو مطلع کرنے کا ثواب کمایا۔ چنانچہ شیعہ اور روافض رسالہ مذکورہ میں مندرجہ مواد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی کتب میں ابوسفیانؓ اور حضرت امیر معاویہؓ پر مطاعن قائم کرتے ہیں اور شدید اعتراضات پیدا کرتے ہیں۔

درحقیقت الطبری نے اہل اسلام میں انتشار پھیلانے اور افتراق ڈالنے کے لئے بڑی عجیب تدبیر اور حکمت عملی اختیار کی، جس سے مخالفین صحابہ کو ایک گونہ رہنمائی حاصل ہوئی اور ان کو عداوت پوری کرنے کے لئے ایک تیار شدہ مواد دستیاب ہو گیا۔

کئی لوگ ان دلائل پر نظر کرنے سے متذبذب ہوں گے، کئی ناظرین صحابہ کرام سے متنفر ہوں گے اور بعض قارئین دل برداشتہ ہو کر اموی صحابہ سے منحرف ہو جائیں گے۔ الطبری کو اس باطل مواد کا اس تفصیل سے ذکر ہی نہیں کرنا چاہئے تھا بلکہ صرف ایک واقعہ تاریخی حیثیت سے اجمالاً ذکر کر دینا کافی تھا جیسا کہ باقی مؤرخین نے واقعہ ھذا کو اجمالاً درج کیا ہے اور دلائل کی تفصیل کی طرف نہیں گئے۔ اور اگر کسی مجبوری کی وجہ سے ذکر کیا تھا تو پھر اس مواد کے بطلان پر کچھ کلام کرنا لازم تھا تا کہ لوگ اس سے غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں لیکن الطبری نے ایسا نہیں کیا۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب التاریخ الطبری کی نیت بخیر نہ تھی بلکہ فاسد تھی اوران صحابہ کرامؓ کے حق میں "الطبری" خود سوءظن کا مریض تھا۔"(فوائد نافعہ جلد اول ص 580۔581)

حضرت مفتی صاحب!

محترم اوریا مقبول جان صاحب نے تاریخ اور حدیث میں فرق بتایا تو ان پر طعن و تشنیع کرتے ہوئے کہا گیا کہ:

"دینی مدارس کا ایک معمولی فاضل بھی جانتا ہے کہ قرآن، حدیث، فقہ، سیرت، رجال، علم تاریخ ان سب علوم پر کام کرنے والی اہل حق کی ایک جماعت ہے جو الحمدللہ شروع سے ایک چلی آرہی ہے... اسی لئے سیرت و تاریخ کے سینکڑوں راوی حضرات کتب حدیث میں بھی جگہ جگہ دکھائی دیں گے، اسی طرح حدیث کے سینکڑوں راوی تاریخ اور سیرت کی کتب میں دکھائی دیں گے۔ یہ بات اپنی جگہ ہے کہ معیار اور مقام کے لحاظ سے تمام راوی یکساں نہیں جیسا کہ ہر علم کے علماء میں فرق مراتب ہوتا ہی ہے۔"(روزنامہ اسلام 18 اکتوبر 2016ء)

حضرت مفتی صاحب!

زیر بحث مسئلہ میں "معیار اور مقام" یا "یکسانیت اور فرق مراتب" کی تو کوئی بات ہی نہیں چل رہی ہے۔ اصل مسئلہ تو "منافی عصمت اور مبنی بر توہین روایات" بیان کرنے والے "راویوں" کا ہے ان میں "یکسانیت اور فرق مراتب" کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۲۱۹)	کیا "صادق و کاذب اور امین و خائن" میں کوئی فرق نہیں ہے؟
(۲۲۰)	کسی راوی کے "کذب" کو بھی رہنے دیں اگر بالفرض منافی عصمت روایات کے تمام راوی ثقہ و صادق ہوں تو کیا پھر بھی انہیں خلاف "نص" ہونے کی بناء پر رد نہیں کیا جائے گا؟

شیخ العرب والعجم حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں:

"صحابہ کرامؓ کی شان میں جو آیات وارد ہیں وہ قطعی ہیں، جو احادیث صحیحہ ان کے

متعلق وارد ہیں ان کی اسانید اس قدر قوی ہیں کہ تاریخ کی روایات ان کے سامنے ہیچ ہیں۔اس لئے اگر کسی تاریخی روایت میں اور احادیث صحیحہ میں تعارض واقع ہوگا تو تاریخ کو غلط کہنا ضروری ہے۔حضرت امیر معاویہؓ کی شان میں خصوصی متعدد روایات موجود ہیں...

اس لئے اگر تاریخ کوئی واقعہ ان روایات کے خلاف پیش کرے گی تو تاریخ کی تغلیط ضروری ہوگی...ہم فرطِ عقیدت اہل بیت میں آخران کے مقامات اوراس زمانے کے احوال سے بالکل غافل ہو جاتے ہیں۔مؤرخین بھی اس مقام میں اپنے فرائض سے کوتاہی کر بیٹھتے ہیں۔"

حضرت موصوف آگے چل کر مزید لکھتے ہیں:

''یہ مؤرخین کی روایتیں تو عموماً بے سروپا ہوتی ہیں، نہ راویوں کا پتہ ہوتا ہے نہ ان کی توثیق وتخریج کی خبر ہوتی ہے، نہ اتصال وانقطاع سے بحث ہوتی ہے اور اگر بعض متقدمین نے سند کا التزام کیا بھی ہے تو عموماً ان میں غث وثمین سے اور ارسال وانقطاع سے کام لیا گیا ہے خواہ ابن اثیر ہوں یا ابن قتیبہ، ابن ابی الحدید ہو یا ابن سعد۔

ان اخبار کو مستفاض ومتواتر قرار دینا بالکل غلط اور بے موقع ہے۔صحابہ کے متعلق ان قطعی اور متواتر نصوص اور دلائل عقلیہ ونقلیہ کی موجودگی میں اگر روایات صحیحہ احادیث کی بھی موجود ہوتیں تو مردود یا مأوّل قرار دی جاتیں چہ جائیکہ روایاتِ تاریخ۔''(مکتوبات مولانا مدنی جلد اول ص242،244،266)

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

''تاریخی واقعات میں ان راویوں کے قابل اعتماد ہونے کے معنی یہ نہیں کہ ان کے بیان کئے ہوئے وہ واقعات بھی بے چون وچرا تسلیم کر لئے جائیں جن کی زد عقائد یا احکام پر پڑتی ہے، کسی بات کے محض ''تاریخی'' ہونے کا فیصلہ صرف اس بات سے نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کسی تاریخ کی کتاب میں لکھی ہوئی ہے بلکہ اگر تاریخی کتابوں میں عقائد واحکام سے متعلق کوئی چیز آئے گی تو اسے جانچنے کے لئے لازماً وہی اصول استعمال کرنے پڑیں گے جو عقائد واحکام کے استنباط کے لئے مقرر ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ بعض راویوں کے بارے میں علماء نے جو یہ کہا ہے کہ ان کی روایتیں احکام کے معاملے میں مردود اور سیر و تواریخ میں مقبول ہیں، اس سے ان کی مراد سیَر و تواریخ کے وہ واقعات ہیں جن سے عقائد و احکام پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کون سا غزوہ کون سے سن میں ہوا؟ اس میں کتنے افراد شریک تھے؟ اس کی قیادت کس نے کی؟ اس میں کس کو فتح اور کس کو شکست ہوئی؟ ظاہر ہے کہ یہ اور اس جیسے دوسرے واقعات ایسے ہیں کہ ان سے عقائد و احکام پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ چنانچہ ان معاملات میں ضعیف راویوں کی روایات کو بھی گوارا کر لیا گیا ہے۔ لیکن مشاجرات صحابہؓ اور صحابہؓ کی عدالت کے وہ مسائل جو خالص عقائد سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کی بنیاد پر اسلام میں کئی کئی فرقے پیدا ہو گئے ہیں، ان میں ان راویوں کی روایات ہرگز قبول نہیں کی جا سکتیں۔ مذکورہ بالا مسائل کا فیصلہ قرآن و سنت اور اجماع کے مضبوط دلائل ہی سے ہو سکتا ہے۔...''

(موصوف لفظ ''گوارا'' کی تشریح کرتے ہوئے نیچے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ) گوارا کرنے کا مفہوم یہاں بھی یہ نہیں ہے کہ ان روایتوں کا مطالعہ کرتے وقت نقد و نظر کے تمام اصولوں پر بالکل ہی تالا ڈال دیا جائے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ صرف ان راویوں کے ضعف کی بنیاد پر ان روایتوں کو رد نہیں کر دیں گے چنانچہ اگر کچھ دوسرے دلائل ان کے خلاف مل جائیں تو ان روایات کو (سیَر و تواریخ میں) بھی تسلیم کرنے پر اصرار نہیں کیا جائے گا''۔ (حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق ص 120)

حضرت موصوف ایک دوسری کتاب میں ''تاریخ اور حدیث'' میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اور پھر اگر بفرضِ محال تاریخ کی تمام روایتیں حدیث کی روایتوں کے خلاف ہوتیں تب بھی ہم تاریخی روایات کو چھوڑ کر احادیث کو ترجیح دیتے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جو درجہ ''بخاری، مسلم اور دوسری کتب حدیث کو حاصل ہے وہ تاریخ کی کسی مستند ترین کتاب کو بھی حاصل نہیں ہو سکتا اس لئے کہ جس قدر چھان پھٹک کر کتب حدیث کی روایتیں جمع کی گئی ہیں

اس قدر اہتمام تاریخ میں نہیں ہوا۔ اس کا ایک معمولی سا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ علامہ واقدی تاریخ اسلام کے نہایت مستند مؤرخ سمجھے جاتے ہیں جو روایت ان کی بیان کردہ ہوتی ہے اسے تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے مگر یہی علامہ واقدی جب حدیث میں پہنچتے ہیں تو محدثین حضرات ان کو "ضعیف" قرار دیتے ہیں اور اس حدیث پر جرح کرتے ہیں جو واقدی سے مروی ہو۔

اسی طرح محمد بن اسحاق 'سیر و مغازی' کے مستند ترین مؤرخ ہیں لیکن یہی محمد بن اسحاق جب حدیث میں پہنچتے ہیں تو حضرات محدثین انہیں خصوصیت سے احکام کی روایت میں نا قابل اعتبار قرار دیتے ہیں۔

یہی حال "ابن لهيعة" کا ہے کہ تاریخ کی مستند ترین کتابیں ان کی روایتوں سے بھری پڑی ہیں مگر یہی "ابن لهيعة' جب کوئی حدیث روایت کرتے ہیں تو محدثین اس پر جرح کرتے ہیں...

غرض یہ ہے کہ بہت سے راوی ایسے ہیں جنہیں تاریخ قابل اعتماد قرار دیتی ہے مگر فن حدیث میں ان کی روایات نہیں لی جاتیں کیونکہ روایات حدیث میں راوی کا قوی حافظہ، دیانت، تقویٰ، عقائد کی درستی ہر چیز دیکھی جاتی ہے مگر تاریخ کا معیار اس قدر سخت نہیں ہے۔ اسی وجہ سے تاریخ کی بہت سی روایتیں ایک پلہ میں رکھ دی جائیں اور حدیث کی صرف ایک روایت دوسرے پلڑے میں تب بھی دوسرا پلڑا ہی جھکا رہے گا۔" (ہمارے عائلی مسائل ص 178۔179۔ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

حضرت مفتی صاحب!

"روزنامہ اسلام" میں کمال "خلط مبحث" سے کام لیا گیا ہے کہ 'سیرت و تاریخ کے سینکڑوں راوی حضرات کتب حدیث میں اور حدیث کے سینکڑوں راوی تاریخ اور سیرت کی کتب میں دکھائی دیں گے۔

(۲۲۱)	بھلا محض ''دکھائی دینے'' اور ان راویوں کے حالات محفوظ ہونے سے ان کا ثقہ ہونا اور ان کی مرویات کا صحیح ہونا کیوں کر لازم آتا ہے؟

محترم جناب اوریا مقبول جان صاحب نے اپنے کالم ''ایک عظیم تحقیقی کتاب'' کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے کہ:

''ایک عمر تاریخ کی راہداریوں میں گھومتے اور اس کی بھول بھلیوں میں سفر کرتے ہوئے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ گذشتہ دو ڈھائی ہزار سال پہلے مرتبہ تاریخ کے صفحات میں سچ ڈھونڈنا انتہائی مشکل اور تھکا دینے والا عمل ہے۔''(روزنامہ ایکسپریس 14 اکتوبر 2016)

حضرت مفتی صاحب!

موصوف نے تو ''دو ڈھائی ہزار سالہ'' طویل تاریخ میں سے سچ ڈھونڈنے کو انتہائی مشکل اور تھکا دینے والا عمل قرار دے دیا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں تو ''روزنامہ اسلام'' میں شائع ہونے والے ''19'' کالموں (تاریخ صحابہ اور راہ اعتدال، علامہ طبری...مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز، احتیاط لازم ہے، ایک خط اور اس کا جواب، کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟) میں سے ''سچ'' تلاش کرنے کے عمل نے ''تھکا'' دیا ہے، جس کی ایک مختصر روداد گذشتہ صفحات میں پیش کی گئی اور زیر بحث آخری قسط سے مزید ''سچ'' تلاش کرنے کا عمل ابھی جاری ہے۔

اسے بھی رہنے دیں 17 نومبر 2015ء کو ''بچوں کا اسلام'' کے ایڈیٹر جناب اشتیاق احمد صاحب کراچی ائرپورٹ کے ڈیپارچر لاونج میں اچانک وفات پا گئے۔ ان کی خدمات کے حوالے سے ان کی وفات کے ٹھیک ایک ہفتہ کے بعد 24 نومبر 2015 کو ممتاز کالم نگار جناب جاوید چوہدری صاحب کا کالم روزنامہ ایکسپریس میں زیر عنوان: ''مولوی صاحب مر چکے ہیں'' شائع ہوا۔ اسی دن ''روزنامہ جسارت'' میں جناب احمد حاطب صدیقی کا مضمون بہ عنوان: ''اشتیاق احمد کے انتقال کی افسوس ناک کہانی'' شائع ہوا اور دو دن بعد

26 نومبر 2015 کو "روزنامہ اسلام" نے بشکریہ "روزنامہ جسارت" شائع کیا۔ ہر دو کالم نگاروں نے یہ کہانی انتہائی ثقہ راوی جناب قاری عبدالرحمٰن صاحب کی زبانی بیان کی۔ ایک ہی ثقہ راوی سے دو ذمہ دار ثقہ حضرات "براہ راست" اور بلاواسطہ کہانی بیان کرتے ہیں ان کی روشنی میں "سچ" تلاش کر کے یہ واضح کر دیا جائے کہ اشتیاق احمد صاحب کی وفات کس طرح اور کس کی غفلت سے واقع ہوئی؟

حضرت مفتی صاحب!

ہفت روزہ خدام الدین کے سابق ایڈیٹر اور ممتاز عالم دین مولانا محمد سعید الرحمٰن علویؒ، محمد ابوالیسر عابدینؒ کی مایہ ناز کتاب "أغـاليـط الـمـؤرخيـن" مطبوعہ مطبع خالد بن ولید (1410ھ/ 1989ء) پر تبصرہ کرتے ہوئے فاضل مصنف کا تعارف کرانے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

فاضل مصنف نے اپنی ابتدائی تحریر میں بتلایا ہے کہ "علم تاریخ ایسا علم ہے جو اہل علم اور جہال ہر دو کو پسند ہے اس لئے کہ اس میں عجیب و غریب امور کا تذکرہ ہوتا ہے اور چٹخارے دار باتیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ حضرات مؤرخین کے سرمایہ علمی میں اغلاط بہت ہوتی ہیں۔ میں نے قدیم اور معاصر مؤرخین کی کتابوں میں اس قسم کی بہت اغلاط دیکھیں۔ (پھر بڑی تفصیل کے ساتھ ان میں سے بعض اغلاط کی نشاندہی کی)

"اغلاط المؤرخین" میں بہت سے موضوعات ایسے ہیں جن کا تعلق صدر اسلام کی تاریخ سے ہے اور مؤرخین نے سب سے زیادہ گھپلے اسی دور میں کئے۔

مولانا علویؒ حضرت تھانویؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ "ہماری بہت سی تاریخی کتابیں صدیوں مخطوطات کی شکل میں پڑی رہیں انہیں بالعموم مستشرقین سامنے لائے وہ مستشرقین جو صلیبی جنگوں کے زخم خوردہ تھے انہوں نے انہیں ایڈٹ کر کے شائع کیا اس لئے ان پر آنکھیں بند کر کے اعتماد نہ کرنا چاہئے۔"

(حضرت علویؒ لکھتے ہیں) مولانا کی بات بڑی اہم ہے ویسے بھی صدر اسلام کی تاریخ ایسی ہے کہ اس کا تعلق پیغمبر اسلام اور ان کی تربیت یافتہ جماعت سے ہے، وہی جماعت جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معیارِ حق وصداقت قرار دیا۔ اس دور کی "شخصیات محض شخصیات نہیں، دینی شخصیات ہیں۔ ان کا احترام ایمان وعقیدے کا حصہ ہے اس لئے ان کے معاملے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

دنیا میں واحد متن قرآن مجید کا ہے جس میں تحریف کا سوال ہی نہیں اور اسے آنکھیں بند کر کے مانا جاتا ہے۔ باقی کوئی متن حتیٰ کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب روایات کی بھی چھان پھٹک کی جاتی ہے۔ حضرات محدثین (اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے) نے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں ردو قبول کے اصول وضع کئے اور اصول حدیث کا پورا فن مدوّن ہوا۔

یارانِ طریقت کی ایک جماعت نے احادیث کے ذخیرے میں بہت کچھ ملاوٹ کر ڈالی جسے چھانٹنے میں محدثین کی زندگیاں کھپ گئیں۔ تو تاریخ کا معاملہ تو بہت دور کا ہے اس لئے کسی بھی دور کی تاریخ کے ردوقبول میں بہت احتیاط سے کام لینا ہوگا اور خاص طور پر صدر اسلام کی تاریخ۔ اس میں بہت احتیاط اس لئے ضروری ہے کہ وہاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہؓ اور ایسی شخصیات کا سوال سامنے آجاتا ہے جن کی دینداری، تقویٰ شعاری، خدا خوفی اور غیرت دینی کے خود رب العزت سب سے بڑے گواہ ہیں۔ ان اعاظم رجال کو تاریخ کی گری پڑی روایات کے حوالہ سے مجروح قرار دیا جائے۔ اس جرأت ومہارت سے سوبار توبہ...

تاریخ کے حوالے سے سید سلیمان ندویؒ یاد آگئے۔ بزم اشرف کے چراغ۔ فرماتے ہیں کہ آج اخبارات اور پریس کا دور ہے ایک واقعہ جہاں ہوا وہاں سے چل کر پریس رپورٹر، ڈیسک پر کام کرنے والے نیوز ایڈیٹر اور چھپنے تک کیا کیا ہو جاتا ہے۔ ایک واقعہ دس اخبارات میں دس انداز سے چھپتا ہے اور پھر یہ اخبارات ردی کی ٹوکری کی نذر ہو جاتے ہیں۔ جو لائبریریوں میں رہ جاتے ہیں وہی سالوں کے بعد مآخذ قرار پاتے ہیں"

سید صاحب کا کہنا ہے کہ آج پریس کے دور میں جب یہ حال ہے، جب پریس نہیں تھا اور معاملات کی غمازی حافظہ وروایت پر چلتی تھی تو کیا حال ہوگا۔اس لئے کسی بات کے ردوقبول میں احتیاط شرط لازم ہے۔سید صاحب کی بات بڑی وزنی ہے ہم اس پر اس اضافہ کی جسارت کریں گے کہ روایت کرنے والوں میں بہت سے ایسے __ اور منظم انداز سے __ داخل ہوگئے جو اسلام، اسلامی روایات اور اسلامی شخصیات سے عناد رکھتے، بیر رکھتے۔انہوں نے منافقت کی رداء اوڑھ کے جو حشر سامانی کی اب اس پر زیادہ گفتگو کی ضرورت نہیں، ہر شخص جان چکا ہے یہاں تو حدیث کو نہیں بخشا گیا اور اتنا کچھ گھڑ لیا گیا کہ توبہ بھلی۔

اس لئے آج جو لوگ جن میں "اغالیط المؤرخین" کے فاضل مؤلف بھی شامل ہیں چلا رہے ہیں تو غلط نہیں چلا رہے۔میرے (علوی صاحبؒ) نزدیک اہل سنت برادری کو اس قسم کے حضرات کا ممنون ہونا چاہئے اور ایسی کتب ورسائل کو عام کرنا چاہئے جن میں حقائق کی نشاندہی کی گئی اور اغلاط کی تصحیح کی گئی۔دنیائے عرب میں الشیخ محبّ الدینؒ فی الحقیقت اس روایت کے بانی ہیں۔(پندرہ روزہ الاحرار لاہور۔16 تا 30 ستمبر 1994ء۔ص 13 تا 15)

اوریا مقبول جان اور فن اسماء الرجال

سابعاً:

محترم جناب اوریا مقبول جان صاحب نے اپنے کالموں میں فن "اسماء لرجال" (جو تاریخ ہی کا ایک شعبہ ہے) کی اہمیت واضح کرتے ہوئے لکھا کہ:

"سب جانتے ہیں کہ دنیا بھر میں مسلمانوں نے حدیث کی احتیاط کے سلسلہ میں اسماء الرجال کا ایک علم ایجاد کیا جو تاریخ کو مستند بناتا ہے۔لیکن چونکہ مسئلہ تذلیل اور امت کی تذلیل ہے اس لئے جھوٹی افسانوی تاریخ کا حوالہ دیا جاتا ہے۔" (روزنامہ ایکسپریس 7 جولائی 2015۔تحت "ہمارے افسانہ ساز مؤرخین")،

مسلمان دنیا میں فخر کے ساتھ سینہ تان کر ایک بات کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے حدیث نویسی

جو مغرب کے ہاں بھی تاریخ ہی کی ایک قسم سمجھی جاتی ہے، اس میں جرح وتعدیل اور اسماء الرجال کا ایک ایسا علم ایجاد کیا، جس نے یہ طریقہ وضع کیا کہ ہر سنی سنائی بات یا روایت اس قابل نہیں ہوتی کہ اسے تحریر کیا جائے جب تک اس کو بیان کرنے والے اپنے کردار میں سچے، ایماندار اور صاحبِ امانت نہ ہوں۔لیکن دنیا کی ہر تاریخ جھوٹے اور کذاب راویوں کی روایتوں سے بھری پڑی ہے۔کسی بھی مسلمان مؤرخ نے کبھی بھی اس معاملے میں احتیاط سے کام نہیں لیا۔(کیونکہ ان کی کتابوں میں بھی کذابوں کی روایات موجود ہیں)''

(روزنامہ ایکسپریس 4 ستمبر 2015ء تحت ''خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے'')۔

''احادیث کے بارے میں انہوں نے کمال احتیاط برتی اور ایک ایک راوی کے کردار، اخلاق اور ایمان وعقیدے کو بھی زیر بحث لائے لیکن تاریخ کا معاملہ اس کے بالکل برعکس رہا۔ شاہی درباروں کے پجاری اور نسلی تعصب سے لتھڑے ہوئے مؤرخین نے اسلام کی تاریخ مرتب کرنا شروع کی۔''(روزنامہ ایکسپریس ۱۴ اکتوبر ۲۰۱۶ء تحت ''ایک عظیم تحقیقی کتاب'')

حضرت مفتی صاحب!

جناب اوریا مقبول جان صاحب کے ان ہی کالموں کا جواب ''روزنامہ اسلام'' کی ''12''(علامہ طبری...مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز، پانچ۔احتیاط لازم ہے، چار۔کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟، تین۔)قسطوں میں دیا گیا ہے اور حسنِ اتفاق سے اوریا مقبول جان صاحب کے تینوں کالموں (ہمارے افسانہ ساز مؤرخین۔خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے۔ایک عظیم تحقیقی کتاب) میں علم اسماء الرجال کو انتہائی فخریہ انداز میں، سینہ تان کر دنیا کی مستند ترین تاریخ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

جناب اوریا مقبول جان صاحب کے اس ''نظریہ'' پر اعتراض کی نہ کوئی گنجائش تھی اور نہ ہی کوئی تُک۔مگر جناب اوریا مقبول جان صاحب کی مذکورہ تصریحات کے باوجود انہیں بالکل ناجائز طور پر ہدف تنقید بنا ڈالا گیا۔چنانچہ روزنامہ اسلام کے ادارتی صفحہ پر ان پر نقد کرتے ہوئے لکھا گیا کہ:

''آخر میں ایک مسلمہ نکتے پر بات ختم کرتا ہوں۔ یہ تو موصوف کالم نگار بھی مانتے ہیں کہ علم الرجال معتبر ہے اور اسی کے ذریعے حدیث کی حفاظت ممکن ہوئی ہے جیسا کہ وہ علمائے رجال کے متعلق فرماتے ہیں:''ایک ایک راوی کے کردار، اخلاق اور ایمان کو زیرِ بحث لائے۔'' سوال یہ ہے کہ یہ علم رجال کیا آسمان سے نازل ہوا تھا۔ نہ یہ وحی ہے، نہ یہ حدیث ہے۔ یہ لوگوں کے اقوال ہیں جو لوگوں کے بارے میں ہیں۔ لوگوں کے حالات کا یہ علم تاریخی مواد ہی تو ہے۔ اگر یہ فلسفہ مان لیا جائے کہ تاریخ غیر معتبر ہے تو فنِ رجال کہاں جائے گا جس میں ایک بہت بڑا حصہ اخباری راویوں کی روایات اور انسانی آراء کا ہے۔

(روزنامہ اسلام 18 اکتوبر 2016ء بعنوان: کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟)

حضرت مفتی صاحب!

محترم اوریا مقبول جان صاحب نے تو اس سوال کی ''پیدائش'' سے پہلے ہی اس کا جواب دے دیا تھا۔ لیکن اب اس سوال سے جو ''سوال'' پیدا ہوتا ہے اس کا جواب حضرت مفتی صاحب آپ سمیت روزنامہ اسلام کے تمام ذمہ داروں پر ''فرض اور قرض'' ہے۔

(۲۲۲)	جو سوال روزنامہ اسلام میں اٹھایا گیا ہے! کیا اس سوال کی جناب اوریا مقبول جان صاحب کی تحریر میں سے کوئی ادنیٰ ترین گنجائش بھی نکل سکتی تھی؟

موصوف نے بھی علم الرجال کے بارے میں کبھی یہ نہیں کہا کہ یہ علم آسمان سے نازل ہوا ہے، یہ وحی ہے اور یہ حدیث ہے، بلکہ یہی کہا ہے کہ مسلمانوں نے اسماء الرجال کا ایک علم ایجاد کیا جو تاریخ کو مستند بناتا ہے اور تاریخ کا ہی ایک حصہ ہے۔ مسلمان دنیا میں فخر کے ساتھ سینہ تان کر ایک بات کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے جرح و تعدیل و اسماء الرجال کا ایک علم ایجاد کیا۔ (روزنامہ ایکسپریس 7 جولائی، 4 ستمبر 2015)

حضرت مفتی صاحب!

(۲۲۳)	جناب اوریا مقبول جان صاحب نے ''علم رجال'' کو ''تاریخ'' قرار دیتے ہوئے ''معتبر''، ''مستند'' اور ''محفوظ'' بھی مانا ہے تو پھر روزنامہ اسلام میں انہیں ہدف کیوں بنایا گیا؟
(۲۲۴)	''علم رجال'' کے معتبر اور محفوظ ہونے سے یہ کیونکر لازم آ گیا کہ باقی ساری تاریخ بھی ''منکرات، موضوعات اور اسرائیلیات'' سے پاک ہو کر معتبر ہو گئی ہے؟

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

بہر حال قرآن کے علوم خمسہ میں سے قصص و تاریخ بھی ایک اہم علم ہے جس کی تحصیل اپنی حد کے اندر واجب اور بہت بڑی طاعت ہے۔ پھر ذخیرہ حدیث اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر غور کیا جائے تو وہ پورا ذخیرہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واعمال کی تاریخ ہے اور حدیث کے راویوں میں جب غلط کار یا جھوٹی حدیثیں بنانے والے لوگ شامل ہو گئے تو پورے ذخیرہ حدیث کے روایت کرنے والے راویوں کی تاریخ اور ان کے صحیح اور اصلی حالات کا معلوم کرنا حدیث کی حفاظت کے لئے ضروری ہو گیا۔ حضرات ائمہ حدیث نے اس کا بڑا اہتمام فرمایا۔ سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ جب راویوں نے جھوٹ سے کام لیا تو ہم نے ان کے مقابلہ میں تاریخ کو سامنے کر دیا۔ تاریخ کا یہ حصہ جس کا تعلق حدیث کے راویوں اور ان کے ثقہ، غیر ثقہ، قوی یا ضعیف ہونے سے ہے ایک حیثیت سے حدیث ہی کا جزء سمجھا گیا ہے اور ائمہ حدیث ہی نے اس حصے کے لکھنے کا اہتمام فرمایا اس کا نام بھی مستقل فن اسماء الرجال رکھا گیا، اس کے لئے ضروری اور واجب ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے...(مقام صحابہؓ ص 17۔18۔ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی)

اس سے معلوم ہوا کہ علم ''اسماء الرجال'' جس پر حدیث کا حجت شرعی ہونا موقوف ہے

اور اس کے ضروری اور واجب ہونے پر جناب اوریا مقبول جان صاحب سمیت تمام مسلمان متفق ہیں۔ یہی نہیں بلکہ قرآن کریم کے علوم خمسہ میں قصص و تاریخ، ایام ماضیہ، اقوام سابقہ کے حالات، کتب حدیث میں بیان کردہ ''کتاب الانبیاء، کتاب الجہاد والسیر، کتاب المغازی، کتاب المناقب کے علاوہ تاریخ سے متعلق دیگر مباحث ''تاریخی و ہجری تقویم'' اور ہر دور کے صحیح و مستند تاریخی حالات سے بھلا کس مسلمان کو انکار ہو سکتا ہے؟

کتب تاریخ میں تو ہر طرح کا ''مال'' دستیاب ہوتا ہے اس میں صحیح و سقیم، ضعیف و قوی، رطب و یابس، سچ اور جھوٹ پر مشتمل مواد کا انبار جمع ہے۔

حضرت مفتی صاحب!

جب ''روزنامہ اسلام'' کے ''تاریخی کالموں'' میں سے سچ تلاش کرنا دشوار ہے تو اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تاریخ کے سمندر سے ''سچ'' تلاش کرنا کس قدر مشکل ہوگا؟	(۲۲۵)

ثامناً:۔

تاریخ تو پھر ''تاریخ'' ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا خالص دینی لٹریچر تفسیر و حدیث بھی ''منافی عصمت مبنی بر توہین، اسرائیلی اور موضوع روایات'' سے پاک نہیں ہے۔ ان ہی کتب میں سے محقق علماء نے ایسی روایات چھانٹ کر ''اسرائیلیات اور موضوعات'' کے عنوانات سے مستقل کتابیں تصنیف کر کے امت کی رہنمائی کی لیکن اس کے باوجود یہ دعویٰ ممکن نہیں ہے کہ دینی لٹریچر سے ضعیف و سقیم اور منکر روایات کو علیحدہ کر دیا گیا ہے۔

وضع حدیث کا فتنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری عہد میں ہی شروع ہو گیا تھا۔ بعد میں سبائیوں، زندیقوں، بے دینوں اور زاہدوں و صوفیوں نے ''احادیث'' گھڑنے میں اپنا کردار خوب ادا کیا۔

امام حماد بن زید فرماتے ہیں:

"وضعت الزنادقة على رسول الله صلى الله عليه وسلم اثنى الف

حدیث" (الضعفاء الکبیر جلد اول ص 14)

''زندیقوں اور بے دینوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بارہ ہزار حدیثیں وضع کی ہیں"

جو طبقہ احادیث گھڑنے سے نہیں شرماتا تھا وہ ''سندیں'' بنانے سے کس طرح تأمل کرسکتا تھا چنانچہ محمد بن سعید شامی کہا کرتا تھا:

"لا بأس اذا كان كلام حسن أن يضع له اسنادا" (کتاب الجرح والتعدیل جلد 7 ص 263، تدریب الراوی جلد 1 ص 284)

''کسی اچھے کلام کے لئے سند وضع کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔''

عابد و زاہد لوگ بھی احادیث گھڑا کرتے تھے۔ امام مسلمؒ فرماتے ہیں:

"لم نر الصالحين في شئي الكذب منهم في الحديث"

ہم نے نیک آدمیوں یعنی درویشوں اور صوفیوں کو اتنا جھوٹا کسی چیز میں نہیں دیکھا جتنا جھوٹا حدیث کی روایت کرنے میں دیکھا۔

امام مسلم اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "يجري الكذب على ألسنتهم من غير تعمد..." مقدمہ صحیح مسلم جلد اول ص 17)

''جھوٹی حدیث ان کی زبان سے نکل جاتی ہے لیکن وہ قصداً جھوٹ نہیں بولتے۔''

امام مسلم (م ۲۶۱ھ) نے تو اس قدر اعتراف فرمالیا کہ نیک آدمی یعنی درویش اور صوفی حدیث روایت کرنے میں سب سے زیادہ جھوٹ بولتے ہیں، جھوٹی حدیث ان کی زبان سے نکل جاتی ہے لیکن وہ قصداً جھوٹ نہیں بولتے۔ بہر حال جھوٹی حدیث، جھوٹی ہی ہوتی ہے خواہ راوی قصداً بیان کرے یا بلا قصد اس کی زبان سے نکل جائے۔ راویوں کی اپنے شیخ کی روایت میں اپنی طرف سے ملاوٹ و اضافہ اس پر مستزاد ہے۔ روایات سازی کے دور میں نہ جائیں بلکہ ماضی قریب کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں جس میں ایک شاگرد رشید نے اپنے استاذ کے ''امالی'' جمع کرتے وقت بہت سی مشکوک باتیں اپنے استاذ کی طرف منسوب کردیں۔

محدث کبیر مولانا بدر عالم صاحب نے اپنے استاذ خاتم المحدثین علامہ محمد انور شاہ کاشمیری کے صحیح بخاری کے ''امالی'' فیض الباری کے نام سے مرتب فرمائے جس میں حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف مشکوک ومشتبہ انتسابات پائے جاتے ہیں جن کی نشاندہی بالکل آغاز ہی میں کردی گئی تھی اوراس بات کا اعتراف شیخ الحدیث مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ نے بھی فرمایا ہے جنہوں نے فیض الباری کی عبارات ومضامین کی اصلاح و پروف ریڈنگ وغیرہ کی زحمتیں آٹھ نو ماہ تک برداشت کر کے اس پر باقاعدہ ایک ''مقدمہ'' بھی تحریر فرمایا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ مصری طباعت میں حضرت بنوریؒ کا جو مقدمہ شائع ہوا تھا اس میں سے جابجا عبارات میں حذف والحاق کر کے لاہور کے ایڈیشن (جو مولانا سید آفتاب عالم کے زیر اہتمام شائع ہوا ہے) میں شامل کردیا گیا۔ اہل ذوق وتحقیق مصری ولاہوری ایڈیشن کے ''مقدمہ'' میں اس حذف والحاق کے نادر نمونے اور مثالیں بچشم خود ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔

فیض الباری کے مقدمہ یا اپنے استاذ کی طرف مشکوک ومشتبہ باتیں منسوب کرنے والے حضرت علامہ کاشمیری کے شاگرد عزیز ومحدث کبیر مولانا بدر عالم ہیں جنہوں نے اپنے استاذ کی وفات (۱۹۳۳ء) کے صرف پانچ سال بعد (۱۹۳۸ء) یہ کارنامہ سرانجام دیا اور اس بات کی گواہی دینے والے بھی دو انتہائی ثقہ، صادق، معتبر اور حضرت کاشمیری کے شاگرد مولانا احمد رضا بجنوریؒ اور علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ ہیں۔

چنانچہ علامہ محمد انور شاہ کاشمیریؒ کے داماد اور شاگرد اور مولانا بدر عالم صاحب کی ہم راز، ہمدم اور رفیق کار مولانا سید احمد رضا بجنوری فرماتے ہیں کہ:

''1938ء میں راقم الحروف نے محترم مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی رفاقت میں حرمین شریفین اور مصر وترکی کا سفر کیا تھا اور مصر میں طویل قیام کر کے فیض الباری اور نصب الرایہ کو طبع کرایا تھا۔ فیض الباری کے شروع میں مولانا بنوریؒ کا مقدمہ بھی تھا جو کئی بار کی طباعتوں میں بدستور شائع ہوتا رہا پھر اس کے ساتھ عزیزی مولوی سید آفتاب عالم سلمۂ کے اہتمام سے بھی پہلی دو جلدیں لاہور سے شائع ہوئیں۔ جن میں حضرت مولانا سید بدر عالم

صاحبؒ کے حواشی واستدراکات کا اضافہ ہے اوران میں مفید علمی وحدیثی افادات دیکھ کر بہت مسرت ہوئی۔جزاھم اللّٰہ خیر الجزاء۔مگراس کےمقدمہ وغیرہ میں حذف والحاق کا جوغیرموزوں اقدام کیا گیا ہےاس سے مجھے نہایت افسوس بھی ہوا۔

مولانابنوری میرے رفیق سفرہوئے اورقاہرہ جا کر یہ طے ہوا کہ مولانا،فیض الباری کے اصول وپروف دیکھیں۔حتی الامکان عبارات وکتابت کی غلطیاں بھی درست کریں اورمیں نصب الرایہ کا کام اس طرح کروں۔9/8ماہ کاطویل عرصہ ہم نے اس کام میں لگایا۔دورانِ طباعت میں مولانا نے مجھے باربارکہا کہ تہذیبِ عبارات اورتصحیح پروف وغیرہ کا کام تو میں کررہا ہوں اورکربھی سکتا ہوں مگرکتاب میں دوسری خامیاں بھی ہیں جن کے لیے بیسیوں کتابوں کی مراجعت درکار ہےوہ اس وقت نہیں ہوسکتی۔اورخاص طورسے حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف بکثرت انتسابات مشکوک ومشتبہ نظرآتے ہیں۔اس پرمیں نے کہا کہ اب تو صرف یہی ہوسکتا ہے کہ آپ مقدمہ میں ان امورکی طرف اشارہ کردیں گے اوروہ بھی اس طرح کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی ذات بھی خطاؤں سے محفوظ ہوسکے اورمولانا(بدرعالم صاحب)کواس طرح بچائیں کہ وہ مراجعت کاوقت نہ پاسکے اوردوسرے فارغین طلبہ کی درسی تقاریربھی ان کے سامنے تھیں،ان سے ایسی اغلاط کی دراندازی ہوئی ہوگی…

توپھر یہ بات کیونکرمناسب تھی کہ مولانا بنوریؒ کی تنقید صحیح کی عبارت کوان کے مضمون میں سے حذف کرکے دوسری عبارات داخل کردی گئیں جن میں ان کے مقصد ومنشاء کے بالکل خلاف یہ دعویٰ کیا گیا کہ مؤلف فیض الباری کواس کام کے لیے خدا کی طرف سے توفیق کامل حاصل ہوئی تھی اوران کے لیے حق تعالیٰ کی طرف سے یہ آسانی بھی مل گئی تھی کہ وہ حضرت شاہ صاحبؒ کےعلوم عالیہ کااحاطہ کرلیں اورانہوں نے اس کام کے لیے سعی بلیغ کی اورامالی شیخ کوضبطِ تام کیا تھا اورانہوں نے اس کام کے لیے مصادرکی مراجعتِ تامہ مرّۃ بعد مرۃ کی تھی اوربلاشک وریب حضرتؒ کےعلوم کی خدمت ان سے زیادہ اتم واکمل

کوئی دوسرا تلمیذِ شیخ کر ہی نہ سکتا تھا۔

مولانا بنوریؒ نے اپنے نقد میں یہ بھی کہا تھا کہ "باوجود سعیٔ مشکور کے مؤلف یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ انہوں نے حضرت کے امالی و مشکلاتِ علوم و تراجم رجال وغیرہ کو بـنـقیـرہ وقـطـمیـرہ جمع کرلیا ہے اور آپ کے فوائد علمیہ و نظریاتِ عمیقہ میں سے کسی کو نظر انداز نہیں ہونے دیا۔"

اس عبارت کو سراسر بدل کر یہ دعویٰ بلسان العلامة البنوری درج کردیا گیا کہ "مؤلف نے امالی شیخ کو بنقیرہ وقطمیرہ جمع کردیا ہے اور حضرت کے تمام ہی مشکلاتِ علوم، تراجم رجال، فوائد مختلفہ و نظریاتِ عمیقہ کا احاطہ کرلیا ہے۔ حتیٰ کہ امالی شیخ میں سے کوئی کلمہ بھی بغیر احصاء وضبط کے نہیں چھوڑا اور خود مؤلف نے جو اپنے مقدمہ میں (اس کے خلاف) لکھا ہے وہ محض ان کی تواضع اور کسرِ نفسی ہے اور کچھ نہیں۔

واضح ہو کہ یہ سب حذف والحاق کی کاروائی ص 31 وص 32 میں موجود ہے اور مولانا کا آخری مضمون سراسر بدل کر ان کا نام بھی آخر سے حذف کردیا گیا ہے۔ فیـا للعجب!

اس کے علاوہ حضرت المؤلف کی طرف سے جو کـلـمة الشـكـر کا ایک صفحہ مصری ایڈیشن میں شائع ہوا تھا وہ بھی حذف کر کے عزیز آفتاب میاں سلمہٗ نے دوسرے مضمون کا کـلـمة الشكر شائع کیا ہے۔ تاکہ یہ امر صفحۂ تاریخ سے محو ہو جائے کہ کس کی تحریک سے یہ تالیف فیض الباری کا کام شروع ہوا تھا، کس ادارہ نے پہلے سرپرستی کی، معاوضہ بھی ادا کیا اور پھر کس ادارہ نے اس کے مصارف طبع برداشت کیے اور کس نے طباعتِ قاہرہ کے زمانہ میں اس کتاب کی اصلاحِ مضامین و عبارات، تصحیح اصول و پروف ریڈنگ وغیرہ کی زحمتیں 9/8 ماہ تک گوارا کی تھیں۔ والی اللہ المشتکیٰ....

آخر میں مختصراً گذارش ہے کہ "فیض الباری" میں اب بھی بہت سی مسامحات و اغلاط ہیں جن میں کچھ کی نشاندہی بھی اصحابِ تصانیف نے کی ہیں یہ بھی عدمِ مراجعتِ اصول

اور عدم واقفیت تراجم رجال کا نتیجہ ہے جب کہ حضرت شاہ صاحبؒ ایسی اغلاط سے مبرّا تھے اور اس کی طرف ان کی نسبت کسی طرح بھی موزوں نہیں ہے۔اس لیے پاکئ داماں کی حکایت طویل کرنے سے بہتر ہے کہ مرجعات اصول اور مطالعہ تراجم رجال کر کے ان خامیوں کا ازالہ کیا جائے اور اس خوش فہمی کا سہارا نہ لیا جائے کہ خود حضرت مؤلف نے جن خامیوں کا اعتراف کرلیا تھا وہ محض تواضع و کسر نفسی تھی۔پھر یہ کہ مولانا بنوریؒ کے مقدمہ میں جو حذف والحاق کیا گیا ہے اس کی معذرت شائع کی جائے...(موصوف نے اپنے مضمون کے آخر میں ''مصری طبع اور محرف طبع'' کے عکس بھی شائع کیے ہیں)(ماہنامہ بینات کراچی ص 13-24۔شوال المکرم 1406ھ/جولائی 1986ء)

اس سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ جھوٹی روایات صرف کذاب راوی ہی بیان نہیں کرتے بلکہ سچے دیندار، زاہد و عابد بھی یہ کام ہر دور میں کرتے رہے ہیں اور آج بھی ہر مسلک کے پیر،مولوی،صوفی، واعظ،مقرر،نعت خواں اور تبلیغی جماعت کے اراکین ''براہ راست''منبرومحراب اور خانقاہوں سے شب و روز عام درجے کا ''ثواب''سمجھ کر نہیں بلکہ ''اکچاس کروڑ'' درجے کا ''ثواب''اعتقاد کرتے ہوئے سرانجام دے رہے ہیں۔یہ وہ ''سچ'' ہے جس کی تلاش میں کوئی دشواری اور مشکل حائل نہیں ہے۔اکابر علماءومشائخ کے علاوہ ''اصاغر''(جو مستقبل میں اکابرواسلاف کے منصب جلیلہ پر فائز ہوجائیں گے)کے مطبوعہ وغیر مطبوعہ خطبات وملفوظات اور ''فضائل اعمال'' سے متعلق کتب میں ضعیف اور منکر کے علاوہ بکثرت موضوع روایات پائی جاتی ہیں۔الا ماشاءاللہ۔

حضرت مفتی صاحب!

محترم جناب اوریا مقبول جان صاحب نے ''مؤرخین'' کے حوالے سے صرف یہ لکھا کہ:
''شاہی درباروں کے عادی اور نسلی تعصب سے لتھڑے ہوئے مؤرخین نے اسلام کی تاریخ مرتب کرنا شروع کی''(روزنامہ ایکسپریس ۱۴ اکتوبر ۲۰۱۵ء تحت ''ایک عظیم تحقیقی کتاب'')
یہ وہ ''کفر'' تھا جو پوری دنیائے اسلام میں سے صرف ''روزنامہ اسلام'' کو ہضم نہ

ہوسکا۔ بالآخر تین قسطوں پر مشتمل ایک مضمون ''کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟'' کے ذریعہ اس ''کفر'' کو طشت ازبام کرنے کے بعد ہی اسے ''چین'' کی نیند نصیب ہوئی۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تاریخ کی باضابطہ تدوین کے دوران شاہی درباروں سے منسلک اکثر ''مؤرخین'' نے نسلی تعصب سے لتھڑے ہوئے راویوں کی ''مرویات'' جمع کرکے صدر اسلام کی تاریخ کو مسخ کرکے پیش کیا۔ بلکہ عباسی خلفاء نے از خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور خلفائے بنی امیہ کے مثالب تیار کرائے۔اس کی تفصیل ایک مستقل کتاب کی متقاضی ہے۔

حضرت مفتی صاحب!

جناب اوریا مقبول جان صاحب نے تو صرف ''تاریخ'' کے حوالے سے یہ بات کی ہے کہ ''شاہی درباروں کے عادی اور نسلی تعصب سے لتھڑے ہوئے مؤرخین نے اسلام کی تاریخ مرتب کرنا شروع کی''

(۲۲۶)	کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اس وقت کے درباری ''حضرات'' حدیث وضع کرنے سے بھی نہیں شرمائے تھے؟
(۲۲۷)	تو پھر ''تاریخ'' کی حیثیت کا ''حدیث'' سے کیا موازنہ ہوسکتا ہے؟
(۲۲۸)	کیا حدیث وضع کرنا کسی عام دنیا دار مؤرخ کا کام ہوسکتا ہے؟
(۲۲۹)	کیا حضرت علامہ ''ابوزید سروجی'' جیسے کردار ہر دور میں نہیں پائے جاتے رہے؟
(۲۳۰)	کیا آج بھی ہمارا معاشرہ اور ہمارے دینی ادارے کلی طور پر ''ابوزید سروجی'' کے کردار سے پاک ہیں؟

علماء کرام نے ''فتنۂ وضع حدیث'' کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی بیان کیا ہے کہ:

''وضع حدیث کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ لوگ اپنے ہی جیسے دوسرے انسان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہتے تھے۔وہ امراء اور سلاطین کے درباروں میں

جاتے تھے اور ان کو خوش کرنے کے لئے جھوٹی روایات بیان کرتے تھے۔ مفاد پرست، لالچی اور درباری لوگ ہمیشہ بادشاہوں کے تقرب کو سعادت سمجھتے رہے اور اس مقصد کے لئے اس حد تک ذلت پر اتر آتے کہ اپنے دین و ایمان کا سودا کرنے سے نہیں چوکتے اور وضع حدیث کے ذریعے امراء و سلاطین سے نذرانۂ ''کذب'' کے امیدوار رہتے تھے۔ یہ امراء و سلاطین کبھی تو ایسے لوگوں کو تنبیہ کرتے اور کبھی مجرمانہ چشم پوشی سے کام لیتے تھے۔

غیاث بن ابراہیم ان چند مجرموں میں سے ایک تھا جو یہ گھناؤنا پیشہ اختیار کئے ہوئے تھا۔ ایک دفعہ غیاث عباسی خلیفہ مہدی کے دربار میں حاضر ہوا تو اس وقت مہدی کبوتر سے کھیل رہا تھا، اس نے خلیفہ سے کہا اے امیر المؤمنین! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لا سبق الا في فعل، أوخف أو حاضر، أو جناح"(نزهة النظر في شرح نخبة الفكر ص ١٥)

''مسابقت صرف نیزہ بازی میں یا اونٹ میں یا گھوڑے میں یا پرندہ میں ہے۔''

حدیث میں ''جناح'' کا تذکرہ نہیں ہے مگر چونکہ مہدی کبوتر سے کھیل رہا تھا اس لئے غیاث نے ''جناح'' کا اضافہ کر دیا۔

احمد بن یعقوب، عبدالملک کے پاس کھانے کے موقع پر حاضر تھا جہاں لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو خربوزہ لایا گیا۔ اس پر احمد نے کہا: اے امیر المؤمنین! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بطيخ قبل الطعام يغسل البطن غسلا و يذهب الداء اصلا"

کھانے سے پہلے خربوزہ کھانا پیٹ کو صاف کر دیتا ہے اور بیماری کو بالکل ختم کر دیتا ہے۔

اس پر عبدالملک نے اسے ایک لاکھ درہم دینے کا حکم دیا۔ (میزان الاعتدال جلد اول ص ۷۸)

اسی طرح ایک اور کذاب مقاتل بن سلیمان بلخی (جن کے تفسیری اقوال تفسیر طبری کی وساطت سے کتب تفسیر میں بکثرت پائے جاتے ہیں) نے مہدی سے آ کر کہا کہ اگر آپ پسند کریں تو میں حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کے سلسلہ میں حدیث وضع کروں مہدی نے کہا! اس کی ضرورت نہیں۔ (تدریب الراوی جلد 1 ص 286)

درباری روایات کا ایک نمونہ یہ ہے:

"اذا کان سنة خمس و ثلاثین و مأة فهی لك ولولدك السفاح والمنصوروالمهدی"

(السنة و مکانتها فی التشریع الاسلامی ص ٩٦، میزان الاعتدال جلد 1 ص ٤٦)

''جب ایک سو پینتیس (135) واں سال ہو تو وہ تمہارا ہوگا (عباسؓ) اور تمہاری اولاد سفاح اور منصور اور مہدی کا ہوگا۔''

بعض لوگوں نے تو حدیث وضع کر کے پیٹ پالنے کو اپنا پیشہ ہی بنالیا تھا وہ صرف امراء اور سلاطین ہی کے لئے حدیث وضع نہیں کرتے تھے جو کوئی بھی ان کو رقم دیتا تو وہ حدیث وضع کر دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت شعبہ، ابی الحزم یزید بن سفیان البصری کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ بصرہ کی مسجد میں پڑا رہتا تھا۔ اگر کوئی شخص اسے ایک درہم دیتا تو وہ اس کے لئے پچاس حدیثیں وضع کر دیتا۔ (الاباطیل والمناکیر جلد 1 ص 59)

امام زہریؒ فرماتے ہیں:

"یخرج الحدیث من عندنا شبرا فیرجع الینا من العراق ذراعاً"

(السنة و مکانتها فی التشریع الاسلامی ص 93)

''ہمارے یہاں سے حدیث ایک بالشت کی نکلتی ہے اور جب عراق سے لوٹتی ہے تو ایک گز کی ہو جاتی ہے۔''

اسی لئے امام مالک نے عراق کو ''دار الضرب'' یعنی حدیث ڈھالنے کی فیکٹری کہا تھا جہاں سکّوں کی طرح حدیث بڑی تعداد میں ڈھالی جاتی ہے۔

اس تفصیل سے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ تاریخ ہی نہیں بلکہ خالص دینی لٹریچر تفسیر، حدیث میں بھی منافی عصمت، مبنی بر توہین، اسرائیلی اور موضوع روایات پائی جاتی ہیں جنہیں جانچنے کے لئے محدثین کرام نے باقاعدہ اصولِ روایت و درایت وضع کئے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

بعد میں آنے والے وہ حضرات محدثین جنہوں نے حدیث کی ابواب و فصول کی

صورت میں تدوین وتصنیف کا کام کیا ان سب حضرات نے اپنی لکھی ہوئی اور یاد کی ہوئی لاکھوں حدیثوں میں سے ایسی کڑی تنقید وتحقیق کے ساتھ صرف چند ہزار حدیثوں کو اپنی اپنی کتابوں میں جگہ دی۔ تدریب الراوی ص 12 میں علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ:

امام بخاریؒ نے فرمایا کہ ایک لاکھ حدیث صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح حفظ یاد ہیں انہیں سے صحیح بخاری کا انتخاب کیا ہے چنانچہ صحیح بخاری میں کل غیر مکرر احادیث چار ہزار ہیں۔ امام مسلمؒ نے فرمایا کہ میں نے تین لاکھ احادیث میں سے انتخاب کرکے اپنی کتاب صحیح لکھی ہے اس میں بھی صرف چار ہزار احادیث مکرر ہیں۔

ابو داؤد فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی 5 لاکھ احادیث لکھی ہیں، جن میں سے انتخاب کرکے سنن مرتب کی ہے جس میں چار ہزار احادیث ہیں۔

امام احمد نے فرمایا کہ میں نے مسند احمد کی احادیث کو سات لاکھ پچاس ہزار احادیث میں سے انتخاب کیا ہے...

دوسری کتب تاریخ کی تصنیف کرنے والے اگر تاریخی روایات کو اس معیار پر جانچتے جس پر روایات حدیث کو جانچا تو لا ہے اور اتنی ہی کڑی تنقید وتحقیق کے ساتھ کوئی تاریخی روایات درج کتاب کرتے تو ذخیرہ حدیث میں اگر چار لاکھ، تین لاکھ میں سے چار ہزار کا انتخاب ہوا تھا تو تاریخی روایات میں وہ چار سو بھی نہ رہتیں، اس طرح ننانوے فیصد تاریخی روایات نسیاً منسیاً ہو جاتی اور بہت سے ''دینی'' ودنیوی فوائد جو ان روایات سے متعلق تھے وہ مفقود ہو جاتے۔ (مقام صحابہؓ ص نمبر 27-28 مطبوعہ ادارۃ المعارف دارالعلوم کراچی)

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ تاریخ میں تمام روایات صحیح متصور ہوں گی۔ کیونکہ جو راوی احکام سے متعلق روایات میں جھوٹ بول سکتا ہے تو وہ عام تاریخی روایات کے معاملے میں کئی گنا زیادہ جھوٹ بول سکتا ہے لہٰذا ان کے لئے بھی جانچ کا پیمانہ وہی ہے جو حدیث کے لئے مقرر کیا گیا ہے بالخصوص عصمت ومشاجرات کا تعلق عقائد سے ہونے کی وجہ سے یہاں بھی کڑی شرائط لاگو ہوں گی اور مؤرخین کی روایات رد کر دی جائیں گی۔

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تاریخ کی غیر احکامی روایات کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ:

''گوارا کرنے کا مفہوم یہاں بھی یہ نہیں ہے کہ ان روایات کا مطالعہ کرتے وقت نقد و نظر کے تمام اصولوں پر بالکل ہی تا لا ڈال دیا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ صرف ان راویوں کے ضعف کی بنیاد پر ان روایتوں کو رد نہیں کردیں گے چنانچہ اگر کچھ دوسرے دلائل ان کے خلاف مل جائیں تو ان روایات کو (سیرت و تاریخ میں) بھی تسلیم کرنے پر اصرار نہیں کیا جائے گا۔'' (حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق ص 120)

حضرت مفتی صاحب!

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے نزدیک تاریخی روایات کو حدیث کے معیار پر جانچنے سے ۹۹ فیصد روایات سے ہاتھ دھونا پڑتا۔ جناب مودودی صاحب کے نزدیک ۹۰ فیصد جبکہ اوریا مقبول جان صاحب کے نزدیک ''آدھی سے زیادہ تاریخ جھوٹ کا پلندہ ثابت ہوگی''۔

سخت حیرت ہے کہ جنہوں نے سب سے کم تناسب (یعنی 50 فیصد) بتایا وہ تو ''مطعون'' ٹھہرادیئے گئے۔ مگر جنہوں نے 90% یا 99 فیصد کا احتمال ظاہر کیا تو انہیں سرے سے ہی نظر انداز کردیا گیا ہے!

بہر حال جھوٹ، جھوٹ ہے خواہ ''مذاق'' میں بولا جائے، خواہ بچوں سے، خواہ خالی جھولی اٹھا کر جانور کو بلایا جائے، خواہ احکامی روایات میں جھوٹ ہو یا تاریخی روایات میں۔ ایسا ہرگز نہیں کہ ایک چیز احکامی روایت میں تو جھوٹ ہو اور وہی جھوٹ پر مبنی روایت جوں ہی تاریخ میں پہنچے تو ''سچ'' میں تبدیل ہوجائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ: ۔ كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ '' (صحیح مسلم ۔ باب النہی عن الحدیث بکل ما سمع ۔ جلد ۱ ۔ ص ۸)

''کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لئے بس اتنی بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کرتا پھرے (اور اس کی تحقیق نہ کرے)''

اس حدیث میں صرف ''جھوٹ'' بولنے والے کو جھوٹا نہیں کہا گیا بلکہ بلا تحقیق کسی بات کو آگے بیان کرنے والے کو بھی جھوٹا قرار دیا گیا ہے حالانکہ اس بات میں سچ کا احتمال بھی ہو سکتا ہے۔

سخت تعجب ہے کہ منافی عصمت اور مبنی بر توہین روایات کے کذاب راویوں پر تنقید کرنے کی وجہ سے ''روزنامہ اسلام'' میں یہ ''فتویٰ'' داغ دیا گیا کہ:

''تاریخ کی کمزوریوں کو آج ''عظیم تحقیقی کتاب'' والے موصوف نے پرکھا ہے تو وہ کس منہ سے سنت کو محفوظ سمجھنے کا دعویٰ کرتا ہے۔''

حضرت مفتی صاحب!

(۲۳۱)	''روزنامہ اسلام'' والوں نے کیوں یہ تصور کر لیا کہ منافی عصمت اور مبنی بر توہین روایات کی توثیق کرنے، انہیں تحفظ دینے یا ان کے بارے میں سکوت اختیار کرنے سے ہی ''سنت'' کو محفوظ سمجھنے کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے؟

جبکہ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ایسی روایات کا انکار کر دینے سے ہی ''سنت'' کو صحیح سمجھنے کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسی موقف پر قائم رکھے اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔ امین ثم امین یا الٰہ العالمین

حضرت مفتی صاحب!

جہاں تک ''روزنامہ اسلام'' کی اس بات کا تعلق ہے کہ ''ایسی ذہنیت والے کے لئے بس دعائے ہدایت ہی کی جا سکتی ہے''۔ (روزنامہ اسلام 18 اکتوبر 2016)

ہم اس ''دعائے ہدایت'' کو دعائے ''ضلالت'' سمجھتے ہیں۔ اگر لکھنے والے کی قسمت میں اصل ہدایت نہیں ہے تو پھر یہ ''ضلالت'' خود انہیں اور ان کے سرپرستوں کو ہی ''مبارک'' ہو۔

لیکن اس کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح ''ہدایت'' کے چار درجات (اثابت، ہدایت، استقامت، ربط القلب) ہیں بالکل اسی طرح ''ضلالت'' کے بھی چار درجات (ریب، ضلالت، جدال، ختم علی القلب یعنی مہر جباریت) ہیں۔ اس کی روشنی میں وہ خود اپنے بارے میں

بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ہم بقائمی ہوش وحواس پورے شرح صدر کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ انبیاء عظام اور صحابہ کرامؓ کے بارے میں جن روایات کا حوالہ میری کتاب "امام طبری کون؟ مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز" یا زیر نظر "کھلے خط" میں آیا ہے وہ سراسر منافی عصمت اور مبنی بر توہین ہیں۔لہٰذا ہم ان سے برأت کا اعلان کرنا اپنا اخلاقی، دینی وایمانی فریضہ سمجھتے ہیں۔

"وَلَنَآ اَعۡمَالُنَا وَلَكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ وَنَحۡنُ لَهٗ مُخۡلِصُوۡنَ"(سورۃ البقرۃ 139)

حدیث کلاب حوأب اور "عظیم تحقیقی کتاب"

تاسعاً:۔

حضرت مفتی صاحب!

روزنامہ اسلام میں "صریح" جھوٹ بولتے ہوئے اور فکر آخرت سے عاری ہو کر مجھ پر ایک یہ بہتان بھی باندھا گیا ہے کہ:

"امام احمد کوان (یعنی قیس بن ابی حازم) پر اتنا اعتماد ہے کہ اپنی مسند میں ان سے بعض روایات وہی لی ہیں جو امام طبری نے ماءِ حوأب کے حوالے سے نقل کی ہیں، جن کا نقل کرنا "عظیم تحقیقی کتاب" کی روشنی میں سخت گناہ بلکہ گمراہی قرار پایا ہے۔" (روزنامہ اسلام 18 اکتوبر 2016ء۔تحت "کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟"

832 صفحات پر مشتمل "عظیم تحقیقی کتاب" میں سرے سے "ماء حوأب" کی روایت کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔

(۲۳۲)	"ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیۓ؟
(۲۳۳)	معلوم نہیں کہ اس سے یہ نتیجہ کس طرح اخذ کر لیا گیا کہ اس کا نقل کرنا "عظیم تحقیقی کتاب" کی روشنی میں سخت گناہ بلکہ گمراہی قرار پایا ہے؟"

(۲۳۴)	اس جھوٹ اور بہتان کا جواب بھی آپ سمیت روزنامہ اسلام کے تمام "ذمہ داروں" پر "فرض اور قرض" ہے۔ کیا اس "جھوٹ اور بہتان" کی اُس "دین اسلام" میں کوئی گنجائش ہے جس کا ذکر روزنامہ اسلام کی "لوح" پر بایں الفاظ کیا گیا ہے کہ: "بلاشبہ دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے"؟
(۲۳۵)	اگر نہیں اور یقیناً نہیں ہے تو پھر اس سلسلے میں ایک اخبار کے چیف ایڈیٹر اور ایک جامعہ کے شیخ الحدیث و مفتی ہونے کی حیثیت سے آپ پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟

حضرت مفتی صاحب!

یہ بات اگر چہ اپنی جگہ صد فی صد صحیح ہے کہ "ماءِ حوأب" کا "عظیم تحقیقی کتاب" میں کوئی ذکر نہیں ہے تاہم قاضی ابوبکر ابن العربی (م543ھ) کے نزدیک "ماءِ حوأب" کی روایت کو صحیح سمجھنا (جیسا کہ روزنامہ اسلام کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے) ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اہانت کی وجہ سے یقیناً "سخت گناہ بلکہ گمراہی" ہے۔ اور میں بھی ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دفاع میں قاضی ابوبکر ابن العربی کے مذکورہ قول کی تائید و تصدیق کرتا ہوں۔

(۲۳۶)	معلوم نہیں کہ روزنامہ اسلام کے "ذمہ داروں" کو ہر اس "روایت" سے کیوں اتنا پیار اور لگاؤ ہے جس سے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ردائے عصمت تار تار ہوتی ہو؟ (قصہ زیدؓ و زینبؓ اور غرانیق) یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توہین و تنقیص اور تفسیق تکفیر ہوتی ہو؟ یا ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا پر "حوأب" کے مقام پر "کتے" بھونکائے گئے ہوں؟

حضرت مفتی صاحب!

کتب حدیث کی روشنی میں حدیث "کلاب حوأب" کا متن ملاحظہ فرمائیں:

1:۔ حدثنا ابواسامة قال حدثنا اسماعیل عن قیس قال لمّا بلغت عائشة بعض میاہ بنی عامر لیلا نبحت الکلاب علیها فقالت: ایّ ماء هذا؟ قالوا: ماء الحوأب، فوقفت فقالت: ما أظنّنی الّا مراجعة، فقال لها طلحة والزبیر، مهلًا رحمك الله، بل تقدمین فیراك المسلمون فیصلح الله ذات بینهم قالت: ما اظنّنی الّا راجعة انی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لنا ذات یوم: کیف باحدا کنّ تنبح علیها کلاب الحوأب۔

(مصنف ابن ابی شیبه کتاب الجمل جلد 15، ص260، مطبوعه ادارة القرآن والعلوم السلامیه کراچی)

2:۔ حدثنا عبدالله حدثنی ابی ثنا یحیٰ عن اسماعیل ثنا قیس قال لمّا اقبلت عائشة بلغت میاہ بنی عامر لیلاً نبحت الکلاب قالت ایّ ماء هذا؟ قالوا ماء الحوأب۔ قالت: ما اظنّنی الّا انّی راجعة فقال بعض من کان معها بل تقدمین فیراك المسلمون فیصلح الله عزوجل ذات بینهم قالت ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لها ذات یوم کیف باحداکن تنبح علیها کلاب الحوأب۔ (مسند احمد بن حنبل ص 52ج 6)

مسند کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

3:۔حدثنا عبدالله حدثنی أبی ثنا محمد بن جعفر قال ثنا شعبة عن اسمٰعیل بن ابی خالد عن قیس بن أبی حازم ان عائشة قالت لمّا اتت علی الحوأب سمعت نباح الکلاب فقالت ما أظنّنی الّا راجعة ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال لنا ایّتکن تنبح علیها کلاب الحوأب فقال لها الزبیر، ترجعین عسی اللّٰه عزوجل ان یصلح بك بین الناس، (حواله مذکورص 97)

4:۔ حدثنا ابوعبداللّٰہ محمد بن یعقوب الحافظ ثنا محمد بن عبدالوهاب العبدی ثنا یعلی بن عبید ثنا اسماعیل بن ابی خالد عن قیس بن ابی حازم قال لما بلغت عائشة بعض دیار بنی عامر نبحت علیها الکلاب فقالت: ای ماء هذا؟ قالوا: الحوأب قالت: ما اظنّنی الا راجعة فقال الزبیر لا بل تقدمی و یراك الناس و یصلح اللّٰه ذات بینهم قالت: ما اظنّنی الّا راجعة سمعت رسول اللّٰه صلی اللہ علیه وسلم یقول کیف باحد اکن اذا نبحتها کلاب الحوأب، (المستدرك علی الصحیحین جلد 3ص120)

امام حاکم باب "لن یفلح قوم ولوا أمرهم امرأة" کے تحت یہ روایت بھی لائے ہیں:

5:۔ عن أم سلمة قالت ذکر النبی صلی اللہ علیه وسلم خروج بعض امهات المؤمنین فضحکت عائشة فقال: انظری یا حمیراء أن لا تکونی أنت ثم التفت الی علیّ فقال ان ولیت من امرها شیئًا فارفق بها، (المستدرك علی الصحیحین الجزء الرابع ص 85طبع بیروت)

6:۔علامہ ابن عبدربہ الاندلسی (م328ھ) روایت کرتے ہیں کہ:

وقد کان النبی صلی اللہ علیه وسلم قال لها یا حمیراء کأنی بك ینبحك کلاب الحوأب تقاتلین علیًا وانت له ظالمة و الحوأب قریة فی طرق المدینة الی البصرة و بعض الناس یسمّونها الحُوَّب بضم الحاء و تثقیل الواو وقد زعموا أنّ الحوأب ماء فی طریق البصرة قال فی ذٰلك بعض الشیعة:

انّی أدین بحبّ ال محمد	و بنی الوصی شهود هم والغیب
وانا بریئ من الزبیر و طلحة	ومن التی نبحت کلاب الحوأب

(العقدالفرید الجزء الرابع ص309تحت: قولهم فی اصحب الجمل)

7:۔ وقد مرّوا فی مسیرهم لیلا بماء یقال لها الحوأب فنبحتهم کلاب عنده فلما سمعت ذٰلك عائشة قالت: ما اسم هذا المکان؟ قالوا، الحوأب،

فضربت باحدی یدیها علی الاُخریٰ وقالت انّا للّٰه وانّا الیه راجعون، ما اظنّنی الّا راجعة قالوا: ولم؟ قالت سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول لنسائه: لیت شعری اُیتکن التی تنبحها کلاب الحوأب ثم ضربت عضد بعیرها فأناخته وقالت ردّونی ردّونی اُنا والله صاحبة ماء الحوأب۔

وقد اوردنا هذا الحدیث بطرقه والفاظه فی دلائل النبوۃ کما سبق فاناخ الناس حولها یوما ولیلة وقال لها عبدالله بن الزبیر، انّ الذی اخبرك ان هذا ماء الحوأب قد کذب،

اس کے بعد نیچے حاشیہ میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ:

جاء ابن الزبیر بخمسین رجلاً شهدوا عند عائشة هذا الماء لیس بماء الحوأب فکانت هذه اوّل شهادة زور شهد بها فی الاسلام، (البدایة والنهایة ص 258 جلد 7، طبع بیروت)

8:۔ عن عائشة أنّ النبی صلی الله علیه وسلم قال لأزواجهٖ أیتکن التی تنبحها کلاب الحوأب، فلما مرّت عائشة ببعض میاه بنی عامر لیلاً نبحت الکلاب علیها فسألت عنه فقیل لها هذا ماء الحوأب فوقفت وقالت ما اظنّنی الّا راجعة انی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ذات یوم کیف احداکن تنبح علیها کلاب الحوأب قیل لها یا ام المؤمنین انما تصلحین بین الناس، (کنزالعمّال فی سنن الاقوال والافعال ص 334 ج 11)

9:۔ عن طاؤس انّ رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لنسائهٖ ایتکن التی تنبحها کلاب کذا و کذا؟ ایاك یا حمیراء (حواله مذکور)

10:۔ عن عروة قال قلت لعائشة من کان احب الناس الی رسول الله صلی الله علیه وسلم قالت: علی بن ابی طالب، قال ای شئی کان سبب خروجك علیه، قالت لم تزوّج ابوك امّك؟ قلت ذٰلك من قدرالله قالت و کان ذٰلك من قدرالله۔(حواله مذکور)

حدیث ''کلاب حوأب'' کا مفہوم یہ ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بہ نیت قصاص عثمانؓ مکہ مکرمہ سے بصرہ کے لئے روانہ ہوئیں تو رات کو بنی عامر کے چشمے پر پہنچیں تو کتے بھونکنے لگے۔ام المؤمنینؓ نے دریافت فرمایا:یہ کون سی جگہ ہے؟بتایا گیا۔یہ حوأب ہے۔فرمایا:اب تو میں اپنے آپ کو واپس ہونے والی سمجھتی ہوں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ہم سے فرمایا تھا کہ تم میں سے کس پر''حوأب'' کے کتے بھونکیں گے؟آپ کے ہمراہیوں (طلحہؓ و زبیرؓ) نے کہا کہ نہیں۔آپ کو آگے چلنا چاہئے شاید آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں میں صلح کرا دے۔

یہ ہے وہ حدیث جس کی بناء پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اقدام کی تغلیط کی جاتی ہے۔اس کے ذریعے آپ پر قرآن (وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ) اور حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کا الزام لگایا جاتا ہے اور اسی کے ذریعے حضرت طلحہؓ،حضرت زبیرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ پر نہ صرف خود قصداً جھوٹی گواہی دینے بلکہ قریبی بستی سے دیگر جھوٹے گواہ فراہم کرنے کا بھی بہتان باندھا جاتا ہے۔

مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب اور حدیث کلاب حوأب

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب ''حدیث کلاب حوأب'' کا خلاصہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ:

''جب آپؓ بصرہ جا رہی تھیں تو راستے میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا گیا،رات کے وقت وہاں کتے بھونکنے لگے،حضرت عائشہؓ نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون سی جگہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ مقام ''حوأب'' ہے۔''حوأب'' کا نام سنتے ہیں حضرت عائشہؓ چونک اٹھیں، انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد یاد آ گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے خطاب کرتے ہوئے ایک دن فرمایا تھا:

''کیف باحداکن تنبح علیھا کلاب الحوأب''

''تم میں سے ایک کا اس وقت کیا حال ہوگا جب اس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے''

حضرت عائشہؓ نے حوأب کا نام سن کر آگے بڑھنے سے انکار کر دیا، اور اپنے ساتھیوں سے اصرار کیا کہ مجھے واپس لوٹا دو اور ایک دن ایک رات وہیں ٹھہری رہیں، لیکن بعض حضرات نے کہا کہ آپ چلیں، آپ کی وجہ سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح ہو جائے گی۔ اور بعض روایات میں ہے کہ کسی نے آپ کے سامنے تردید بھی کی کہ یہ جگہ حوأب نہیں ہے۔ اور اس طرح جو مقدر میں تھا وہ پیش آیا، اور حضرت عائشہؓ نے سفر دوبارہ شروع فرما دیا...

ان تمام واقعات سے واضح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نہ کبھی حکومت کی سربراہی کی خواہش یا دعویٰ کیا، نہ کسی نے یہ تجویز پیش کہ ان کو سربراہ بنایا جائے، نہ ان کا مقصد کسی باقاعدہ جنگ کی قیادت تھی، وہ صرف ایک قرآنی حکم کے نفاذ اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت کے لئے نکلی تھیں، لیکن دشمنوں کی سازش نے ان کے اس سفر کو بالآخر ایک جنگ کی شکل دے دی، لیکن چونکہ ان کا مشن فی الجملہ ایک محدود سیاسی حیثیت کا حامل تھا، اس لئے صحابہ کرامؓ نے بھی اس کو پسند نہیں کیا، اور وہ خود بھی انتہائی نادم ہوئیں، یہاں تک کہ اس ندامت کی بناء پر روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تدفین کو بھی پسند نہیں فرمایا۔

اب خود انصاف سے فیصلہ کر لیا جائے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے اپنے جس اقدام کو بالآخر خود غلط سمجھا، اس پر روتی رہیں، اور اس پر ندامت کی وجہ سے تدفین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہونے سے بھی شرمائیں، اس عمل سے کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے؟ اور استدلال بھی سربراہی کے جواز پر جس کا تصور بھی حضرت عائشہؓ کے حاشیہ خیال میں نہیں گزرا۔ (عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت ص36، 44۔ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی)

مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کا یہ مضمون پڑھنے کے بعد ہر انصاف پسند قاری یہی فیصلہ کرے گا کہ اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی توہین وتنقیص کے علاوہ ان کے اقدام کی تغلیط اور اہل تشیع کے موقف کی تائید وتصدیق ہوتی ہے۔ موصوف کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ صدارتی فرمان جاری کریں کہ:

"انہوں نے خواتین کے مسلمہ دائرہ کار سے قدم باہر نکالا تھا، انہوں نے اجتماعی

معاملات میں دخل دیا تھا، ان کا مشن ایک محدود سیاسی حیثیت کا حامل تھا، ان کا اقدام غلط تھا، یا انہوں نے اپنے اقدام کو خود غلط سمجھا، انہوں نے جنگ جمل میں شرکت کے باعث روضۂ رسول میں دفن ہونے سے انکار کر دیا تھا''

دشمان صحابہؓ و اہلبیتؓ اور حدیث کلاب حوأب

حضرت مفتی صاحب!

دشمنان صحابہ و اہلبیت اس ''حدیث'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''جناب عائشہ کا خاندانِ نبوت کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے گھر سے نکلنا اور پھر راستہ میں بی بی پر ''حوأب'' کے کتوں کا بھونکنا، اس چیز کے بارے میں تاریخ اسلام میں ایک دُہائی ہے۔ کتابوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بی بی عائشہ نے گھر سے نکل کر جو ''حوأب'' کے کتے بھونکائے ہیں یہ فعل حرام ہے اور یہی چیز بی بی عائشہ کے غلطی ہونے پر ٹھوس دلیل ہے...

بی بی جی کو قرآن پاک نے گھر سے نکلنے سے روکا تھا، نبی پاکؐ نے بھی روکا تھا، نیز ام سلمہؓ اور حضرت علیؓ نے بھی روکا تھا لیکن بی بی نے کوئی پرواہ نہ کی۔ یہ ان کی پہلی غلطی تھی۔ پھر صرف واپسی کا ارادہ کافی نہیں ہے کیونکہ وہ واپس ہوئی تو نہیں، ان کے لئے واپس ہونا ضروری تھا لہٰذا ان کا واپس نہ ہونا، دوسری غلطی تھی۔ یہ عذر کہ ساتھی نہیں مانتے تھے بالکل غلط ہے۔ قتل کے کیس میں اگر کسی کے ساتھی نہ مانیں تو بھی ان کے لئے رکنا واجب ہے۔ بی بی جی کے لئے ضروری تھا کہ وہ ساتھیوں کی پرواہ نہ کرتی اور واپس چلی آتی۔ جن لوگوں نے جھوٹے گواہ بھگتائے تھے وہ کون ہیں؟ وہ بی بی کے دو بہنوئی ہیں طلحہ و زبیر اور ایک بھانجا عبداللہ بن زبیر۔

جناب عائشہ کے بعد ان لوگوں کے ہاتھوں میں قافلہ کی باگ ڈور تھی پس ایسے غیر ذمہ دار لوگوں کے ساتھ بی بی کا سفر کرنا یہ ان کی تیسری غلطی ہے۔ قوم معاویہ قیامت تک عذر پیش کرتی رہے تو بھی اپنی اس ماں کے دامن سے جنگ جمل والا بدنما داغ کسی صابن یا سرف سے دھو نہیں سکتی۔'' (بغاوت بنی امیہ اور معاویہ ص 420-421)

حضرت مفتی صاحب!

آپ نے دیکھا کہ 36ھ میں ذریت ابن سبا نے حضرت ام المؤمنین پر "حوأب" کے مقام پر کتے بھونکوائے تھے آج چودہ صدیاں بعد بھی ان کی عجمی ذریت برابر "کلاب" کو بھونکوا رہی ہے۔ حیرت در حیرت تو روزنامہ اسلام کے "ذمہ داروں" پر ہے کہ آپ کے کانوں میں یکا یک، بلا موقع و محل اور بغیر کسی ادنیٰ تحریک کے 1400 سال کے بعد ہزاروں میل کے فاصلے پر سے "حوأب" کے کتوں کے بھونکنے کی صدا کیوں گونج گئی اور 18 اکتوبر 2016 سے اب تک آپ ٹس سے مس تک نہ ہوئے اور اس صدا سے برابر محظوظ ہو رہے ہیں۔ یہ ہے اس روحانی ماں (جس کے ناموس پر ہماری کروڑوں نسبی مائیں قربان ہو جائیں) کا احترام؟

روزنامہ اسلام میں قارئین کو دھوکے اور مغالطے میں مبتلا رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ننانوے فی صد نہیں بلکہ نوسو ننانوے فی ہزار قارئین "حوأب" کے اصل واقعے سے آگاہ ہی نہیں ہیں تو وہ "ماء حوأب" کے ذکر سے کیا نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں؟ البتہ وہ زیر تبصرہ عبارت سے بخوبی اور بہ آسانی یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ "عظیم تحقیقی کتاب" میں "ماء حوأب" کے حوالے سے امام طبری کی منقولہ روایات کو جو "سخت گناہ بلکہ گمراہی" قرار دیا گیا ہے وہ غلط ہے اور امام طبری کی روایات بالکل صحیح ہیں۔

امام طبری اور حدیث کلاب حوأب

حضرت مفتی صاحب!

"ماء حوأب" کے حوالے سے مختصر اًنفس واقعہ تو میں بتا چکا ہوں اب یہ بتانا چاہتا ہوں کہ امام طبری نے اس سلسلے میں جو مفصل روایت پیش کی ہے وہ حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کی صریح توہین پر مبنی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے اونٹ کی خریداری:

اسماعیل بن موسی الفزاری نے علی بن عابس الازرق، ابوالخطاب الہجری، صفوان بن قبیصہ الاحمسی کے حوالے سے عرفی کا یہ بیان ذکر کیا ہے کہ میں اونٹ پر سوار جارہا تھا کہ میرے سامنے ایک سوار آیا اور مجھ سے سوال کیا کہ اے اونٹ والے کیا تو اپنا اونٹ بیچتا ہے؟

عرفی: ہاں!

سوار: اس کی کیا قیمت ہے؟

عرفی: ایک ہزار درہم۔

سوار: کیا تو پاگل ہے۔ کہیں اونٹ بھی ایک ہزار میں بکتا ہے۔

عرفی: ہاں میرا یہ اونٹ ہے۔

سوار: اس میں ایسی کیا خوبی ہے؟

عرفی: میں نے اس پر سوار ہو کر جب بھی کسی کا پیچھا کیا تو میں نے اسے پکڑ لیا لیکن مجھے کوئی نہیں پکڑ سکا۔ اور جب بھی میں اس پر سوار ہو کر بھاگا تو پیچھا کرنے والا مجھے نہ پا سکا۔

سوار: تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہم یہ اونٹ کس کے لئے خریدنا چاہتے ہیں۔ اگر تمہیں یہ معلوم ہو جائے تو تم کبھی اتنی قیمت طلب نہ کرو۔

عرفی: آخر آپ کس کے لئے یہ اونٹ خریدنا چاہتے ہیں؟

سوار: تیری ماں کے لئے۔

عرفی: میں اپنی ماں کو تو اپنے گھر بیٹھے چھوڑ آیا ہوں۔ اس کا سفر کا کوئی ارادہ نہ تھا۔

سوار: ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے۔

عرفی: تو آپ یہ اونٹ لے جائیے اور اب اس کی کوئی قیمت نہیں۔

سوار: میں بلا قیمت نہیں لیتا۔ تم میرے ساتھ قیام گاہ تک چلو میں تمہیں ایک مہریہ اونٹنی بھی دوں گا اور کچھ درہم بھی دوں گا۔

عرفی کا بیان ہے کہ میں اس سوار کے ساتھ گیا ان لوگوں نے مجھے ایک مہری اونٹنی دی اور چار سو یا چھ سو درہم دیئے۔

اس کے بعد سوار نے مجھ سے سوال کیا اے عرفی بھائی کیا تم راستہ سے واقف ہو؟

عرفی: ہاں! میں ان لوگوں میں سے ہوں جو دوسروں کو تلاش کر لیتے ہیں۔

سوار: تم تم ہمارے ساتھ چلو۔

عرفی کا بیان ہے کہ میں ان کے ساتھ ہولیا۔راہ میں جس وادی اور چشمہ سے ہمارا گزر ہوتا تو یہ لوگ مجھ سے اس مقام کا نام دریافت کرتے۔

حوأب کا چشمہ:

''چلتے چلتے ہم حوأب کے چشمے پر پہنچے تو وہاں کے کتے ہمیں دیکھ کر بھونکنے لگے لوگوں نے مجھ سے دریافت کیا یہ کون سا چشمہ ہے۔

عرفی: یہ چشمہ حوأب کے نام سے مشہور ہے۔

عرفی کہتا ہے کہ میرا یہ جواب سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زور سے چیخیں اور اپنے اونٹ کے بازو پر چابک مار کر اسے ہنکایا۔پھر فرمایا: خدا کی قسم حوأب کے کتوں والی میں ہی ہوں۔اے لوگو! مجھے واپس لے چلو۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات تین بار فرمائی اور اپنا اونٹ ہنکایا لوگوں نے بھی اپنے اونٹ تیز کئے اور وہ واپس لوٹیں حتیٰ کہ جب اگلا روز ہوا اور وہ وقت آیا جس وقت ان لوگوں کی واپسی شروع ہوئی تھی تو عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما گھبرائے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے اور چیخ کر بولے۔

بچاؤ بچاؤ خدا کی قسم یہ علی رضی اللہ عنہ کا لشکر تمہارے سروں پر پہنچ گیا ہے۔عرفی کہتا ہے کہ ان لوگوں نے وہاں سے کوچ کیا اور مجھے برا بھلا کہنے لگے۔میں ان کے پاس سے واپس چلا آیا۔تھوڑی دور چلا تھا، کہ حضرت علیؓ اور ان کا لشکر مل گیا۔ان کے ساتھ تین سو کے قریب آدمی تھے۔حضرت علیؓ نے مجھے آواز دی کہ اے سوار ادھر آؤ۔میں ان کے پاس گیا

تو انہوں نے سوال فرمایا۔یہ لشکر کہاں ہے؟

عرنی: فلاں فلاں مقام پر مقیم ہے۔اور یہ اس کی (حضرت عائشہؓ) اونٹنی ہے۔میں نے ان لوگوں کے ہاتھ اپنا اونٹ فروخت کیا تھا۔

حضرت علیؓ: کیا تم نے بھی ان کے ساتھ سفر کیا ہے؟

عرنی: ہاں میں نے ان کے ساتھ سفر کیا ہے۔لیکن جب ہم حوأب کے چشمہ پر پہنچے تو اس عورت پر وہاں کے کتے بھونکنے لگے جس پر اس عورت نے ایسی ایسی بات کہی تھی۔لیکن جب میں نے ان لوگوں میں باہم اختلاف دیکھا تو میں واپس آ گیا۔اور یہ لوگ کوچ کر گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ: کیا تم ذی قار کا راستہ جانتے ہو؟

عرنی: ہاں

حضرت علی رضی اللہ عنہ: تو تم ہمارے ساتھ چلو۔

عرنی کا بیان ہے کہ میں ان کے ساتھ چلا۔حتیٰ کہ ہم ذی قار پہنچ گئے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دو آدمی بلوائے اور ان دونوں کو ایک دوسرے سے ملا کر بٹھا دیا۔اس کے بعد ایک اور شخص طلب کیا گیا اور اسے ان دونوں پر بٹھا دیا گیا پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس اوپر والے شخص پر چڑھ کر بیٹھ گئے اور ایک جانب اپنے پاؤں لٹکا لیے اور اللہ کی حمد وثنا اور درود وسلام کے بعد فرمایا۔تم لوگوں نے دیکھ لیا کہ اس قوم اور اس عورت نے کیا کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اشارہ سن کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور رونے لگے۔

حضرت علیؓ: یہ تم لڑکیوں کی طرح کیوں رو رہے ہو؟

حضرت حسنؓ: ہاں! میں نے آپ کو ایک بات کا مشورہ (اصل ترجمہ حکم) دیا تھا۔لیکن آپ نے میری مخالفت (اصل ترجمہ نافرمانی) کی تو تم بھی نہایت مصیبت کے ساتھ قتل کئے جاؤ گے اور تمہارا کوئی حامی ومددگار نہ ہوگا (اصل ترجمہ "تو" اور "تیرا" ہے)

حضرت علیؓ: تو نے مجھے جو حکم دیا تھا وہ لوگوں سے بیان کردے۔

حضرت حسنؓ: جب لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا تھا تو میں نے آپ کو حکم دیا تھا کہ آپ بیعت کے لئے اس وقت تک اپنا ہاتھ نہ پھیلایئے جب تک عرب کے تمام علاقوں کے لوگ آپ کو خلافت پر مجبور نہ کریں اور وہ آپ کے علاوہ کسی کو خلیفہ نہ بنائیں گے لیکن تم نے میرا یہ حکم نہ مانا۔

جس وقت اس عورت نے اور ان لوگوں نے سر اٹھایا میں نے تم سے کہا تھا کہ تم مدینہ سے نہ جاؤ اور اپنے ان شیعوں کے پاس جو آپ کی بات قبول کرتے ہیں اپنے پیغام بر بھیج دو۔

حضرت علیؓ: اس نے سچ کہا ہے۔ لیکن خدا کی قسم! میں بجو کی طرح کمزور بننا نہیں چاہا۔ واقعہ یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو میں اپنے سے زیادہ کسی کو خلافت کا حق دار نہ سمجھتا تھا۔ لیکن لوگوں نے ابو بکر رضی اللہ کی بیعت کر لی تو جیسے لوگوں نے بیعت کی تھی تو میں نے بھی ابو بکرؓ کی بیعت کر لی۔ پھر ابو بکرؓ ہلاک ہو گئے اس وقت بھی میں اپنے سے زیادہ کسی کو حقدار نہ سمجھتا تھا۔ لیکن لوگوں نے عمرؓ کی بیعت کر لی۔ پھر عمرؓ بھی ہلاک ہو گئے اور انہوں نے چھ آدمیوں میں سے ایک ممبر مجھے منتخب کیا لیکن اس وقت بھی لوگوں نے عثمانؓ کی بیعت کر لی جس کی وجہ سے میں نے بھی بیعت کر لی۔ پھر لوگوں نے عثمانؓ کے ساتھ بغاوت کی اور اسے قتل کر دیا اور میرے پاس خوشی سے بیعت کے لئے آئے میں نے کسی پر زبردستی نہیں کی تو اب جو شخص بھی میری اور ان لوگوں کی مخالفت کرے گا۔ جو میرے متبع ہیں تو میں اس سے جنگ کروں گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ (تاریخ طبری جلد سوم: حصہ دوم ص ۵۷ تا ۵۹۔ خلافت راشدہ حصہ سوم تحت ۳۶ھ مترجمہ مولانا حبیب الرحمٰن صدیقی فاضل دیوبند نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی)

حضرت مفتی صاحب!

اس طویل کہانی کو پڑھنے کے بعد اس کے جھوٹے اور وضعی ہونے میں کسی شک وشبے

کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی مگر جس کے دل و دماغ پر غلاف چڑھے ہوئے ہوں یا وہ جو سبائیوں کا وظیفہ خوار یا نمک خوار ہوا ہے تو اس ''مکذوبہ موضوعہ'' کہانی کے ''سچا'' ہونے میں ذرہ برابر کوئی شبہ نہیں ہوگا۔شکر ہے کہ روزنامہ اسلام والے ''ماءحوأب'' کے حوالے سے امام طبری کی منقولہ روایت کی تائید و تصدیق اور توثیق کر کے سخت گناہ بلکہ گمراہی سے بچ گئے ہیں!

امام طبری نے یہ کہانی ''اسماعیل بن موسیٰ الفزاری،علی بن عابس الازرق،ابوالخطاب الہجری،صفوان بن قبیصہ الاحمسی'' کے حوالے سے نقل کی ہے۔

اس داستان کے تمام راوی ائمہ رجال کے نزدیک انتہائی ''مجروح اور ضعیف،مجہول، لیس بشئی اور غال فی التشیع'' جیسی جرح کے مستحق قرار پائے ہیں۔

میں نے اپنی تصنیف ''ایک عظیم تحقیقی کتاب'' میں اس داستان کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں کیا ہے البتہ اپنی دوسری متعلقہ کتابوں میں اس کہانی کے ہر ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کر کے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بھرپور دفاع کیا ہے اور الحمدللہ! آج بھی 20 سال (1997 تا 2016) کے بعد بھی اس موقف پر سختی سے قائم ہوں۔

مجھے ''حدیث کلاب حوأب'' پر قلم اٹھانے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی تھی کہ 1988ء کے عام انتخابات کے نتیجے میں بے نظیر بھٹو صاحبہ ''وزارت عظمیٰ'' کے منصب پر فائز ہوگئیں تو اس وقت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب ''عورت کی سربراہی'' کی ''شرعی حیثیت'' واضح کرتے ہوئے بالکل غیر ضروری طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے ''فتوے'' میں زیر بحث لے آئے حالانکہ انہیں اپنے فتوے کو ''بے نظیر بھٹو اور عورت'' کے دائرے تک ہی محدود رکھنا چاہئے تھا۔یہ فتویٰ کتابی صورت میں شائع ہونے سے پہلے 1988ء میں ماہنامہ البلاغ،ماہنامہ اقراء ڈائجسٹ،اور روزنامہ جنگ کے صفحات کی زینت بھی بن چکا تھا۔

مولانا محمد اشرف صاحب عثمانی اس فتویٰ کی اہمیت بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اسے ملک کے تمام علمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔طالبانِ علم کو اپنے حوالہ جات کے لئے بکثرت اس مضمون کی ضرورت رہتی اور اس شمارہ البلاغ کے نسخے اب

دستیاب نہ تھے اس لئے اس مضمون کو علیحدہ رسالہ کی شکل میں شائع کرنے کی حاجت محسوس ہوئی ... امید ہے کہ مضمون کی یہ اشاعت جدید مفید ثابت ہوگی'' (''عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت'' ص نمبر 4 بتحت پیش لفظ۔طبع جدید ستمبر 1994)

مجھے مذکورہ ''رسالہ'' میں بیان کردہ ''عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت'' کے ساتھ تو مکمل اتفاق تھا لیکن اس ''رسالہ'' میں زیرعنوان ''حضرت عائشہؓ اور جنگ جمل'' ازصفحہ نمبر 35 تا 44 کے بعض مندرجات کے ساتھ شدید اختلاف تھا جن میں حضرت عائشہؓ کے بسلسلہ مطالبہ قصاص عثمان ذوالنورینؓ، خروج الی البصرہ، اقدام کی بالکل غیرضروری طور پر بے موقع و بے محل نہایت ہی ''مدلل'' انداز میں تغلیط بیان کی گئی تھی۔ چنانچہ میں نے اس ''فتویٰ'' کے مختلف فیہ مندرجات کے رد میں 152 صفحات پر مشتمل ایک کتاب ''حدیث حوأب کا مصداق کون؟'' کے نام سے 1997 میں طبع کرائی۔

''حدیث حوأب کا مصداق کون؟'' پر ماہنامہ نقیب ختم نبوت کا تبصرہ

پروفیسر ذوالکفل بخاری مرحوم شہید (مدفون جنت المعلیٰ مکہ مکرمہ) اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

تفسیر، حدیث فقہ، تاریخ، ادب، فلسفہ اور تصوف کے عظیم الشان اسلامی سرمائے کو، زرکم عیار میں بدلنے کے لئے اس میں (مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم ومغفور کے الفاظ میں) جتنے بھی فتنے چور دروازے سے داخل کئے گئے، وہ سب رافضیوں اور سبائیوں کی دسیسہ کاریوں کے سبب سے تھے اور ان کا مقصد ہر ایک چشمہ صافی کو جوہڑ بنانا تھا۔ شرار بولہبی کی اس ستیزہ کاری سے چراغ مصطفوی کو شاید کبھی بھی فراغ ممکن نہ ہو۔ لیکن دین و دانش، علم وفہم اور تحقیق وتفکر کے مقابل، تلبیس وتدلیس اور تحریف وتخریب کی مساعی ہمیشہ جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہی ثابت ہوئی ہے۔

تلبیس وتدلیس اور تحریف وتخریب کی بات آہی گئی ہے تو کیوں نہ اسے ایک دو

مثالوں سے واضح ہی کر دیں۔علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی معرکہ آراء کتاب "سیرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) میں لکھتے ہیں:

..."امام حسنؓ نے 49ھ میں امیر معاویہؓ کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ مدفون ہیں۔ایک گوشہ میں ایک قبر کی جگہ اور باقی تھی۔امام حسنؓ نے بھائی سے وصیت کی تھی کہ میری لاش اسی خالی جگہ میں دفن کی جائے اور اگر اس میں (کوئی) مزاحم ہو تو جنگ وجدال کی ضرورت نہیں۔امام حسینؓ نے جب وصیت کی تعمیل کرنی چاہی تو مروان بن حکم نے مخالفت کی، کہ جب یہاں عثمانؓ کو باغیوں نے دفن نہ ہونے دیا تو کسی اور کو بھی اجازت نہیں ہو سکتی۔ادھر امام حسینؓ کے ساتھ بنو ہاشم اور ادھر مروان کی معیت میں بنو امیہ ہتھیاروں سے آراستہ ہو کر باہر نکلے۔قریب تھا کہ ایک خونریز جنگ شروع ہو کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے آکر بیچ بچاؤ کیا۔مروان سے کہا کہ نواسہ اگر اپنے نانا کے پہلو میں دفن ہوتا ہے تو تم کو اس میں دخل دینے کا کیا حق ہے۔امام حسینؓ کی خدمت میں عرض کی کہ امام مرحوم کی یہ بھی وصیت تھی کہ اگر مزاحمت ہو تو جنگ وجدال سے پرہیز کیا جائے۔الغرض جنازہ جنت البقیع میں لایا گیا اور یہیں حضرت فاطمہ زہراؓ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔(ص 151-150)

اسی کتاب میں آگے چل کر سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عائشہ (سلام اللہ و رضوانہ علیہا) کی وفات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"...مرض الموت میں وصیت کی کہ اس حجرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجھے دفن نہ کیجئو۔میں نے ایک جرم کیا ہے۔مجھے دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ جنت البقیع میں دفن کرنا اور رات ہی کو دفن کر دی جاؤں۔صبح کا انتظار نہ کیا جائے۔کسی نے عرض کی کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ وغیرہ کے ساتھ دفن ہوتیں تو بہتر تھا۔فرمایا اگر ایسا ہو تو پچھلا عمل جاتا رہے اور نیا شروع کروں۔ 58ھ تھا اور رمضان کی سترہ (17) تاریخ مطابق 13 جون 678ء تھی، کہ نماز وتر کے بعد شب کے وقت وفات

پائی۔ ماتم کا شور سن کر انصار اپنے گھروں سے نکل آئے۔ جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ لوگوں کا بیان ہے کہ رات کے وقت اتنا مجمع کبھی نہیں دیکھا گیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ عورتوں کا اژدھام دیکھ کر روز عید کا دھوکا ہوتا تھا۔ حضرت ام سلمہؓ نوحہ اور ماتم سن کر بولیں، عائشہ کے لئے جنت واجب ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیاری بیوی تھیں۔ یہ حاکم کی روایت ہے"

...مسروق تابعی بیان کرتے ہیں کہ اگر ایک بات کا مجھ کو خیال نہ ہوتا تو ام المومنین کے لئے میں ماتم کا حلقہ قائم کرتا۔(ص 154-155)

سیدنا حضرت حسنؓ اور سیدہ حضرت عائشہؓ کی وفات کا حال آپ نے سید صاحب کی زبانی پڑھ لیا۔ اب ایک حدیث نبوی بھی پڑھ لیجئے..."ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؐ کے ساتھ، حجرہ مبارک میں دفن ہونے کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا...

"وانی لی بذالك؟ من موضع ما فیه الا موضع قبری و قبر ابی بکر و عمر و عیسیٰ بن مریم"

"بھلا میرے پاس کسی کو اس جگہ دفن ہونے کی اجازت دینے کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے، کہ جہاں صرف میرے مزار اور ابوبکر و عمر اور عیسیٰ بن مریم کی قبروں کے لئے جگہ مخصوص ہو چکی ہے"(کنز العمال ج 7،ص 228)

اب فرمائیے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں تدفین کی وصیت کرنا، سیدنا مروانؒ کا مزاحم ہونا، بنی ہاشم اور بنی امیہ کے مسلح تصادم کے خطرہ کا پیدا ہو جانا، حضرت ابو ہریرہؓ کا حضرت مروانؒ کو فہمائش کرنا اور بالآخر حضرت حسنؓ کا بے بسی کے عالم میں جنت البقیع میں دفن کیا جانا...ایک افسانہ ہے کہ نہیں، جو بجا طور پر تلبیس و تدلیس اور تحریف و تخریب کا شاہکار ہے۔

سید صاحب کے بقول حضرت عائشہؓ نے فرمایا..."میں نے ایک جرم کیا ہے۔ مجھے

حجرۂ مبارکہ میں دفن نہ کرنا''۔

آپ ہی کہیے حدیث کا اعتبار کیا جائے یا سید صاحب کے راوی کا؟ غور سے دیکھئے۔ یہ راوی پہلے تو ام المومنین پر نہایت دیدہ دلیری سے نا کردہ جرم کی تہمت لگاتا اور بہتان باندھتا ہے اور پھر بہت سوگوار فضا پیدا کر کے، ان کی وفات پر ''نوحہ'' اور ''ماتم'' کا عمل بھی ثابت کرتا ہے۔ پھر اسی عمل سے ایک تابعی بزرگ کو متہم کرتا ہے۔

جی فرمایئے! کچھ آیا خیال شریف میں؟ ماتم تو ہمیں کرنا چاہئے، لیکن کس کا؟

اب اور سنئے مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ (جانشین مفتی اعظم پاکستان، مہتمم دارالعلوم کراچی) اپنی کتاب ''عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت'' (مطبوعہ 1994ء) میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں لکھتے ہیں...

''شروع میں آپ کی خواہش تھی کہ آپ کو خود اپنے گھر میں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن کیا جائے لیکن بعد میں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک بدعت کا ارتکاب کیا ہے۔ اب مجھے دوسری ازواج مطہرات کے ساتھ دفن کرنا...

اس ندامت کی بناء پر روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تدفین کو بھی پسند نہیں فرمایا''

(ص43،44)۔

سوال یہ ہے کہ وہ ''جرم'' اور وہ ''بدعت'' ہے کیا؟ وہ ہے جنگ جمل میں شرکت اور قصاص عثمانؓ کا مطالبہ! یقیناً قاتلین عثمان، ان کے اعوان و انصار، اور ان کی روحانی و معنوی اولاد یہ ''جرم'' کبھی معاف نہ کرے گی۔ لیکن علماء اور فضلاء کو کیا ہو گیا ہے؟

ع... کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا!

اس ''جرم'' کی سنگینی میں اضافہ کرنے اور اس میں واقعیت کا رنگ بھرنے کے لئے ایک قصہ یہ گھڑا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا تھا ''تم میں سے ایک کی کیا حالت ہوگی جب کہ اس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے'' چنانچہ قصاص عثمانؓ کے مطالبے کے لئے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ سے بصرہ روانہ ہوئیں تو راستے میں

''حوأب'' کے مقام پر کتے بھونکے۔ام المومنین کو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم یاد تھی، اس لئے رونے لگیں اور عمر بھر اس عمل پر نادم رہیں۔یہی قصہ مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نے اپنی کتاب میں دہرادیا ہے۔انا للہ وانا الیہ راجعون!

محترم پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی نے اسی حوأب کے قصے کی حقیقت واضح کرنے کے لئے یہ کتاب (حدیث حوأب کا مصداق کون؟) لکھی ہے۔ان کی جرح شاندار، ان کے دلائل زوردار، ان کی محنت قابل دید اور ان کا اسلوب قابل داد ہے۔صاف سادہ، رواں دواں، شستہ و رُفتہ اور شائستہ و پختہ زبان و بیان...جس میں کوئی اینچ پیچ، کوئی الجھاؤ نہیں۔ حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں سبائیوں اور رافضیوں کی دسیسہ کاریوں کا جو منظر، ہاشمی صاحب دکھاتے ہیں وہ بہت ہوشربا اور بہت پریشان کن ہے۔لیکن اس سے بھی بڑھ کر اضطراب انگیز اور قابل افسوس وہ بے خبری اور بے توجہی ہے جو علماء، فقہا، محدثین، مؤرخین اور متکلمین کہلانے والے متاخرین اور معاصرین کو لاحق ہے۔

ہاشمی صاحب نے سیدنا عمرو بن العاص، سیدنا خالد بن ولید اور سیدنا مروان بن الحکم رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں بعض اکابر علماء اور چند اجل فضلاء کی ایسی ایسی گستاخیوں کی نشاندہی کی ہے جن کا ارتکاب یقیناً شرمناک اور جن کا انجام لازماً ہولناک ہے۔

ہاشمی صاحب خوش قسمت ہیں کہ اللہ پاک ان سے دین کی یہ عظیم الشان اور جلیل القدر خدمت لے رہے ہیں، یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔بلکہ ہاشمی صاحب کی تو سب کتابیں پڑھی جانی چاہئیں۔

کاش اہل سنت والجماعت کہلانے والے حاملان دین متین اور حامیان شرع مبین اس طرف متوجہ ہوں۔کاش ''حجۃ الاسلام'' کے سب ماننے والے حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کو چنگیز اور ہلاکو جیسی ملوکیت کہنے سے توبہ کرلیں۔کاش ''شیخ الکل فی الکل'' کے سب ماننے والے ان کے اس فتوے کے خفی جلی اثرات سے پناہ مانگیں کہ ''ایک ہی عبارت میں معاویہؓ اور حضرت علیؓ کا نام آئے تو معاویہؓ کے نام کے ساتھ

حضرت نہ لکھا جائے" کاش "اعلیٰ حضرت" کے ماننے والے انہی کے فرمان وفتویٰ پر حضرت معاویہؓ کو خلیفہ راشد مان لیں۔کاش! ایسا ہو جائے۔ورنہ حواب کے کتے بھونکتے رہیں گے۔ایک حواب کیا،عجم کے سب کتے بھونکتے رہیں گے۔...(ماہنامہ نقیب ختم نبوت جنوری1998ء)

عظیم سکالر مناظر اسلام ڈاکٹر منظور احمد مینگل کے تاثرات

پروفیسر مفتی آصف محمود صاحب فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی، متخصص جامعۃ الرشید کراچی و مہتمم جامعہ ابوبکرؓ سلطان پور حویلیاں، میرے نام ایک خط میں مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل صاحب کے تاثرات (بابت کتاب: "حدیث حواب کا مصداق کون؟" بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

از کراچی

3 ربیع الثانی 1425ھ

محترم ومکرم جناب حضرت قاضی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

میں بدھ کے دن یہاں (کراچی) پہنچا اور اسی دن جامعہ فاروقیہ میں چہار ماہی امتحان کے بعد دس دن کی چھٹیاں ہوئی تھیں۔میں نے موقع غنیمت سمجھا کہ چھٹیوں میں حضرت مولانا منظور صاحب سے کتابوں کے مطالعہ کی درخواست کرنا آسان ہوگی لہٰذا جمعرات کے دن میں وہ تینوں کتابیں لے کر حضرت کی خدمت میں گیا۔کافی طویل بات چیت ہوئی۔آپ کا سرسری تعارف کرانے کے بعد تفصیلی تعارف کے لئے میں نے کتابیں پیش کردیں، حضرت نے بہت بہت شکریہ ادا کیا اور مطالعہ کا وعدہ کردیا۔

مجھے حضرت نے ایک کام ذمہ لگایا جو اگلے دن جمعہ کی نماز تک ختم ہوا۔میں وہ کام کرتا رہا اور حضرت نے کتاب کا مطالعہ شروع کردیا۔جمعہ کے دن دس بجے تک انہوں نے

''حدیث حوأب کا مصداق کون؟'' کا مکمل مطالعہ کرلیا۔لہٰذا اس کے بعد پھر تبصرہ کی ایک نشست ہوئی جس نے میرے تمام خدشات وخطرات کوفرو کر کے دل کو باغ باغ کر دیا۔

حضرت نے توقع سے بڑھ کر کتاب کو پسند کیا اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد آپ کے لئے دعائیہ جملے کہتے رہے۔انہوں نے کہا کہ:''العرف الشذی''میں مجھے یہ حوالہ ملا کہ تمام صحابہؓ سے دین کا ایک حصہ مروی ہے اور سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے دین کے دو حصے مروی ہیں۔ گویا حضرت عائشہؓ دو ڈھائی لاکھ صحابہ کی ہم پلہ ہیں لہٰذا ان کی صحیح صحیح وکالت کرنے میں حضرت قاضی صاحب ضرور اللہ کے ہاں سرخرو ہوں گے۔باقی کوئی شخصیت کتنی ہی قد آور کیوں نہ ہو ام المومنین کی جوتی کی خاک کے ذرے کے برابر بھی نہیں ہوسکتی۔انہوں نے کہا کہ ایک اصول میرے ذہن میں ہے کہ صحابہ کی ثقاہت وعدالت تواتر سے ثابت ہے لہٰذا اس کے خلاف اگر کوئی خبر واحد آئے گی تو وہ اگرچہ صحیح ہی کیوں نہ ہو اس کا اعتبار نہیں ہوگا اور دوسرا یہ کہ راویوں پر کلام اگرچہ قاضی صاحب نے کیا ہے لیکن ایک جہت وہ بھی چھوڑ گئے ہیں کہ روایت معلول ہے اور انقطاع بھی ثابت ہوسکتا ہے۔(میں نے انہیں بتایا کہ ''علمی محاکمہ''میں اس پر بھی بحث کی گئی ہے)

انہوں نے کہا کہ اس واضح اور حق موقف کی طرف اگر حضرت مفتی صاحب رجوع نہیں کرتے تو یہ ان کی بڑی...ہے...

امام حاکم کے بارے میں انہوں نے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے دور قدیم و دور جدید کے تمام محقق علماء اسے شیعہ ہی کہتے ہیں۔انہوں نے کہا کہ حضرت شیخ سلیم اللہ دامت برکاتہم العالیہ نے جو اس کتاب (عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت) کی تصدیق کی ہے وہ محض اعتماد کی بنیاد پر کی ہے باقی حضرت شیخ اور مفتی رشید احمد صاحب وغیرہ صحابہؓ کے بارے میں حد درجہ غیور اور محتاط ہیں۔میں نے انہیں کہا کہ حضرت قاضی صاحب کا کہنا ہے کہ میں چونکہ ذاتی طور پر حضرت شیخ سلیم اللہ خان صاحب سے اس حوالے سے واقف ہوں اس لئے میں نے ان پر کوئی تبصرہ بھی نہیں کیا۔البتہ حضرت لدھیانوی شہید کے بارے میں فرما

رہے تھے کہ حضرت لدھیانوی کے قلم میں جو برکت تھی اس سے ہمیں انکار نہیں اور یہاں بھی میں ان کی طرف سے کوئی توجیہہ کرتا لیکن ان کی اپنی تحریر نے آکر سب کچھ واضح کر دیا۔

میں نے انہیں کہا کہ حضرت کیا ایسے نہیں ہے کہ حضرت لدھیانوی شہید اور قاضی مظہر حسین صاحب نے اکابر دیوبند کو حرفِ آخر کہہ کر اور ان کے اقوال کی توجیہہ کے لئے صحابہؓ تک کا خیال نہیں کیا؟ تو فرمانے لگے بالکل یہی بات ہے۔

والسلام

خیر اندیش آصف محمود کراچی

(3 ربیع الثانی 1425ھ)

حدیث کلاب حوأب کا تاریخی، تحقیقی اور علمی محاکمہ کی وجہ تالیف

حضرت مفتی صاحب!

بہر حال ''حدیث حوأب کا مصداق کون؟'' کی طباعت کے بعد میں نے یہ کتاب مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کے ملاحظہ کے لئے بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک ارسال کی۔ حضرت موصوف نے اس کے جواب کے لئے اپنے شاگرد اور روحانی فرزند مفتی شاہ تفضّل علی آف کراچی کی ''خدمات'' حاصل کیں تو انہوں نے اپنے استاذ کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے محنت ''شاقہ'' کے بعد 214 صفحات پر مشتمل ایک کتاب ''حدیث کلاب حوأب پر قیل و قال کا علمی محاسبہ'' کے نام سے شائع کرادی، جس پر مبصر ماہنامہ البلاغ نے انتہائی تعصب اور واضح جانب داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ تبصرہ کیا کہ:

''اسلامی مملکت میں عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت سے متعلق ایک مفصل مضمون کافی عرصہ قبل حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم صدر دارالعلوم کراچی کے قلم سے ''البلاغ'' میں طبع ہوا تھا۔ اس مضمون پر کئی اکابر علماء کے دستخط بھی ثبت تھے۔ یہ مضمون بعد میں ایک رسالہ کی شکل میں بھی طبع ہوا۔ اس رسالہ پر پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی صاحب نے ''حدیث حوأب کا مصداق کون؟'' کے نام سے ایک تنقیدی کتاب تحریر کی جس میں

حضرت مفتی صاحب مدظلہم ،حضرت مولانا یوسف لدھیانوی صاحب مرحوم اور بعض قدیم اکابر علماء کا مضحکہ بھی اڑایا گیا تھا۔

زیر تبصرہ کتاب ہاشمی صاحب کی اسی تنقیدی کتاب کا مفصل جواب ہے جس میں موصوف کی علمی، تحقیقی غلطیوں کی نشاندہی کرکے حقیقت حال واضح کی گئی ہے۔امید ہے کہ اس موضوع کے شائقین کے لئے جناب مولانا شاہ محمد تفضل علی صاحب کی یہ کتاب مفید ثابت ہوگی۔" (ماہنامہ البلاغ کراچی ص59۔شوال 1421ھ جنوری 2001ء)

حضرت مفتی صاحب!

یہ تبصرہ پڑھنے کے بعد میں نے یہ کتاب اپنے ذرائع سے حاصل کی لیکن اس کا عنوان ''سخہائے اوّلین'' ہی پڑھنے کے بعد یہ خوش فہمی دور ہوگئی کہ اس کتاب میں میری ''علمی اور تحقیقی غلطیوں'' کی نشاندہی کہیں مل سکتی ہے۔اس کے برعکس حیرت انگیز طور پر یہ کتاب بھی روزنامہ اسلام کے مضمون ''کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟'' ہی کی طرح ''طنز و تعریض، طعن و تشنیع، خلط مباحث، خود تراشیدہ مفاہیم، الزامات، اتہامات، تضادات، ہذیانات، خرافات اور مغالطات'' سے بھرپور تھی۔

اگر ماہنامہ ''البلاغ'' میں اس کتاب پر تبصرہ شائع نہ ہوتا تو اس ''طرح کی'' کتاب کا ہرگز جواب نہ دیا جاتا لیکن قارئین کی غلط فہمی دور کرنے کی خاطر مجھے اس کا مفصل و مدلل جواب تحریر کرنا پڑا۔608 صفحات پر مشتمل یہ کتاب نومبر 2002ء میں ''حدیث کلاب حوأب کا تاریخی، تحقیقی اور علمی محاکمہ'' کے نام سے منصۂ شہود پر آئی۔ملک کے مختلف دینی جرائد و رسائل میں اس کتاب پر تائیدی تبصرے شائع ہوئے جن میں سے دو تبصرے آپ کی بھی نذر کررہا ہوں تاکہ آپ کو یہ اندازہ ہوسکے کہ ''روزنامہ اسلام'' کے کالم ''کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟'' میں حدیث ماء حوأب کی جو ''تحسین'' کی گئی ہے اس سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی کس قدر اہانت ثابت ہوتی ہے۔

''حدیث کلاب حوأب کا تاریخی، تحقیقی اور علمی محاکمہ'' پر

ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان کا تبصرہ

''کچھ عرصہ پہلے پاکستان کی ایک معروف علمی شخصیت محترم محمد رفیع عثمانی صاحب کے قلم سے ''عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت'' کے عنوان سے ایک مضمون علمی مجلّہ ''البلاغ'' میں چھپا اور بعد میں اس مضمون کو ایک پمفلٹ کی شکل دے دی گئی جس میں عورت کی سربراہی کے عدم جواز پر ایک حدیث ''کلاب حوأب'' (جس میں ام المومنین سیدہ عائشہؓ کا حضرت علیؓ کے مقابلہ میں نکلنے کا عجیب انداز سے ذکر ہے) کا سہارا لیا گیا۔ جس کے ضمن میں کچھ ایسے الفاظ نوک قلم پر آ گئے جو بجائے خود نا قابلِ بیان تھے جبکہ جس حدیث کا سہارا لیا گیا وہ بھی منصب صحابیت کے خلاف تھی۔ منصب صحابیت کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی لکھتے ہیں:

''صحابہؓ کے متعلق ان قطعی اور متواتر نصوص اور دلائل عقلیہ ونقلیہ کی موجودگی میں اگر روایات صحیح حدیث کی بھی موجود ہوتیں تو مردود و ماؑول قرار دی جاتیں۔ نہ معلوم کیوں حضرت مفتی صاحب سے اس مسئلہ میں سہو ہو گیا کہ وہ اپنے مضمون میں ایسی حدیث لائے جو اس قصہ کے ساتھ کسی طور پر صحیح نہیں بیٹھتی اور پھر یہ بھی کہ وہ اپنے راویوں کے اعتبار سے بھی نہایت پریشان کن ہے۔

جس پر ایک ہمدرد عالم جناب قاضی محمد طاہر علی الہاشمی صاحب نے گرفت کی اور حضرت کو ان کے تسامح کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی مگر حضرت کے ساتھی شاہ محمد تفضّل علی، جو ان کے تربیت یافتہ ہیں نے اس کے جواب میں ایک کتاب تحریر کر دی۔

پہلے کیا غلطی تھی کہ اب اس غلطی کو اور بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا۔ جو کچھ جوابی طور پر لکھا گیا، معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ اہل سنت کی ترجمانی ہے یا روافض کی؟ یقیناً اس کا جواب دینا

اور اہل سنت کے موقف کو واضح کرنا ضروری تھا۔ جس پر محترم مولانا قاضی محمد طاہر علی الہاشمی صاحب نے پھر قلم اٹھایا اور اسی حدیث کلاب حوأب پر سیر حاصل مواد جمع کیا کہ اس روایت کی کیا حیثیت ہے؟ اگر اس کی کوئی حیثیت ہے تو اس کا اصل مصداق کون ہے؟ اور بے شمار جگہوں پر شاہ تفضّل علی کی غلطیوں کی نشاندہی کی اور سیدہ عائشہؓ کی عظمت کا تحفظ کیا۔ غلطی بہر حال غلطی ہوتی ہے اور اس کی اصلاح بھی اشد ضروری ہے۔ اصلاح کے راستے میں شخصی تشخص کو حائل کر کے اسے روا رکھنا کسی بھی صورت درست نہیں۔ ام المومنین کی شخصیت کا تقدس نص قطعی ہے اور اس مقدس نسبت کے مقابلے میں کسی کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔ کتاب لائق مطالعہ ہے۔" (ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان ص 57۔ ستمبر 2003۔ تبصرہ از مولانا محمد مغیرہ خطیب جامع مسجد الاحرار چناب نگر ضلع سرگودھا)

ممتاز اسکالر شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی کا تبصرہ

حضرت مفتی صاحب!

ممتاز دینی سکالر، شیخ الحدیث جامعہ ابو ہریرہؓ، نوشہرہ اور مدیر اعلیٰ ماہنامہ القاسم "حدیث کلاب حوأب کا تاریخی، تحقیقی اور علمی محاکمہ" پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"ایک نہایت تحقیقی کتاب پیش نظر ہے، ایک علمی محاکمہ ہے، ایک علمی بحث ہے جس میں تاریخی دلائل چل رہے ہیں اور بحث آج سے نہیں صدیوں سے چل رہی ہے۔ مسئلہ صرف روایات کے صحیح یا ضعیف ہونے کا ہے۔ ورنہ سیدہ عائشہ صدیقہ کائناتؓ کا مقام قرآن نے متعین کر دیا۔ جس میں تبدیلی، تحریف ناممکن ہے۔ راسخین فی العلم، محققین، محدثین کرام، جرح و تعدیل کے امام ہی کسی روایت کو صحیح یا ضعیف کہہ سکتے ہیں۔

اور یہ بحث محمود ہے بشرطیکہ بحث ہو اور جہاں جدال ہو وہاں بحث ممکن نہیں رہتی۔ زیر نظر کتاب بحث پر مبنی ہے، جدال پر نہیں۔ اس کو پڑھنے کے بعد مؤلف کے علمی مقام کا بھی صحیح اندازہ ہوتا ہے اور یہ علمی مقام بھی "غیر مشہور" ہونے کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ جو "مشہور" ہو گیا وہ

معروف ہوگیا اور جو معروف ہوگیا اس سے کسی کتاب کا جواب تو کیا کسی بات کا جواب بھی مشکل ہو جاتا ہے اور یہ مؤلف کتاب ھذا کی خوش قسمتی ہے کہ وہ زیادہ مشہور نہیں ہیں جس کی وجہ سے سارا وقت روایات کی جرح وتعدیل میں اور کتاب لکھنے میں صرف ہوتا ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو مشہور ہو گئے ہیں انہوں نے کوئی کتاب نہیں لکھی، کتابیں لکھیں ہیں تو مشہور ہوئے ہیں اور یہ طبقہ مصنفین کا ہے اور جو مدرسہ کے مفتی ہیں تاریخ کے بجائے فقہ میں راسخ ہوئے، ان کو فتاویٰ دینے سے فرصت ملے تو کسی کتاب کا جواب الجواب لکھیں۔اور جو محدث ہیں وہ ترسیلِ علم حدیث میں اس قدر مگن ہیں کہ اب فرصت ملے بھی تو اپنی ایک نئی تصنیف کیوں نہ میدان علم وادب میں لے آئیں۔چاروناچار وہ یہی کریں گے کہ اپنے کسی شاگرد کو یہ جواب کا کام سونپ دیں گے اور شاگرد ظاہر ہے استاد کے موقف کی ہی طرف داری کرے گا۔

زیر نظر کتاب ایسے ہی شاگرد کی کتاب کا ''جواب الجواب'' ہے اور نہایت تفصیل سے ہے۔پڑھنے کی چیز ہے۔جس کلام سے سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے مقام کا تحفظ ہوتا ہو، اسے پڑھنا ہی چاہئے۔یہ کتاب صاحبِ مستدرک امام حاکم کا جو علمی محاکمہ امام ذہبی، امام ابن حجر نے کیا ہے اس کو بھی مبرہن کرتی ہے اور حدیث ''کلاب حوأب'' کا بھی تاریخی جائزہ لیتی ہے اور حدیث ''کلاب حوأب'' کا اصل مصداق ام زمل سلمٰی کو قرار دیتی ہے۔فرصت میں اس کتاب کا مطالعہ قاری کو تاریخی روایات کی جرح وتعدیل کے فن سے آشنا کرے گا اور ساتھ ہی ساتھ حقیقت تک رسائی ہوگی۔''(ماہنامہ القاسم۔اشاعتِ خاص تعارف وتبصرہ کتب نمبر یعنی حقانی تبصرے۔جنوری/فروری 2007ء، ص 39-40)

محقق اہلسنت حضرت مولانا عبدالغفور سیالکوٹی کا تبصرہ

حضرت مفتی صاحب!

سابق استاذ جامعہ فریدیہ اسلام آباد اور سابق شیخ الحدیث، محقق اہل سنت مولانا ابو

ریحان عبدالغفور سیالکوٹی صاحبؒ "حدیث کلاب حوأب کا تاریخی، تحقیقی اور علمی محاکمہ" پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"...اگر کوئی شخص صحابہ کرامؓ کے منازعات و مشاجرات کو صحیح بنانے اور بتانے کی بجائے ان کو غلط بنانے اور بتانے لگ جائے یا ان کا کوئی صحیح محمل بیان کرنے اور مناسب تاویل تلاش کرنے کی بجائے ان کی بھرپور تغلیط وتردید پر کمربستہ ہوجائے پھر اپنی اس تردید وتغلیط کی تائید میں مخدوش ومشکوک روایات تک سے بھی بلاتکلف استدلال کرتا چلا جائے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنی اس کارروائی کے بالکل صحیح ہونے پر مُصر بھی ہو تو ایسا شخص علم وعمل اور ذاتی وجاہت وضخامت کے اعتبار سے کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو اس کا یہ طرزِ عمل عقائد وقواعدِ اہلسنت کی رو سے بالکل غلط قرار پائے گا۔

اصول اور ضابطے کے طور پر ماننے کی حد تک تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق ان دونوں اصولوں کو سارے ہی اہلسنت مانتے ہیں لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو بڑے ہی افسوس اور دکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض بڑے بڑے اہل سنت تک بھی ان اصولوں کو یکسر ہی نظر انداز کرتے ہوئے صحابہؓ کے منازعات و مشاجرات پر اس طرح بے باکانہ گفتگو کرجاتے ہیں کہ اس سلسلہ میں ان کی اور غیروں کی گفتگو میں فرق کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔

اس کی ایک تازہ مثال گرامی قدر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ العالی صدر جامعہ دارالعلوم کراچی کا وہ مضمون ہے جو انہوں نے "عورت کی سربراہی" کے رد میں لکھا ہے۔ دورِ حاضر کے بعض اہل زلیغ واہل ہوا نے "عورت کی سربراہی" کو اسلام میں جائز ثابت کرنے کے لئے واقعہ جمل میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی امارت لشکر سے استدلال کیا تھا، حضرت مفتی صاحب موصوف نے ان کے اس استدلال کا بروقت نوٹس لیتے ہوئے اس کا مفصل رد لکھا جس کو دوسرے علماء اہلسنت کی طرف سے سراہا بھی گیا اس میں انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مشاجراتی واجتہادی موقف کا اہل سنت کے مذکورہ اصول کی پیروی میں کوئی مناسب محمل بیان کرنے اور اس کی کوئی عمدہ

توجیہ وتاویل کرنے کی بجائے مذکورہ اصولوں کے بالکل علی الرغم اس کی بھرپور تردید و تغلیط پر پورا زور صرف کر دیا جہاں صحیح حدیثی روایات بھی ماؤل یا مردود ٹھہرائی تھیں وہاں غیر صحیح تفسیری اور تاریخی روایات تک سے ام المومنین کی تغلیط وتردید کرڈالی۔ان کے رد کا حاصل یہ تھا کہ ''از روئے شرع حضرت عائشہؓ کا اصحاب جمل کی قیادت کرنا ہی چونکہ سرے سے غلط تھا اس لئے اس سے عورت کی سربراہی کے جواز کے لئے استدلال نہیں ہوسکتا''۔

پھر حضرت صدیقہؓ کے اس اقدام وموقف کو غلط ثابت کرنے کے لئے حدیث کلاب حوأب،ان کے اظہار ندامت اور قرار فی البیوت والی آیت کی تلاوت کے وقت زاروقطار رونے پر مشتمل روایات نیز بعض صحابہؓ بعض ازواج مطہراتؓ کے ان خطوط سے جن میں انہوں نے حضرت صدیقہؓ کو ان کے اس اقدام پر فہمائش کی تھی اور اس سے روکا تھا بڑے زوروشور سے استدلال کیا تھا۔

اہل زیغ کے اس استدلال کا اصولی وقانونی اور نہایت ہی معتدل ومسکت جواب حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس زوردار تغلیط وتردید کے بغیر بھی بہت عمدہ دیا جاسکتا تھا چنانچہ بعض حضرات نے ایسے جوابات دیئے بھی تھے لیکن حضرت مفتی صاحب موصوف نے ان کی بھرپور تردید وتغلیط والا جواب ہی پسند فرمایا۔

اس پر برادر مکرم ومحب محترم جناب مولانا پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی صاحب دامت برکاتہم نے اپنی کتاب ----- ''حدیث حوأب کا مصداق کون؟'' ---- میں اس کا ویسا ہی بھرپور تعاقب کیا تھا اور ان کے دلائل واستدلالات پر روایت و درایت کے اعتبار سے مفصل ومدلل اور دھواں دھار گفتگو کر کے ثابت کیا تھا کہ حضرت مفتی صاحب کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے موقف کو غلط ثابت کرنا بجائے خود غلط ہے اور انہوں نے جو دلائل دیئے اور ان سے جو استدلالات کئے ہیں وہ ان کا یہ مقصد پورا کرنے سے بالکل قاصر ہیں۔

جناب پروفیسر صاحب نے اپنی کتاب حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی خدمت میں بھیجی اور ان سے جواب کی درخواست بھی کی تو انہوں نے یہ کام اپنے ایک شاگرد

---جناب مولانا مفتی شاہ محمد تفضّل علی صاحب ------ کے سپرد کیا موصوف نے "حدیث کلاب حوأب پر قیل و قال کا علمی محاسبہ" کے نام سے جناب پروفیسر صاحب کی کتاب کا جواب لکھا جس میں انہوں نے حضرت عائشہؓ کی تردید و تغلیط اور ان کے مقابلہ میں اپنے استاذ محترم کی تائید و تصویب کرتے ہوئے بڑے طنطنہ و طمطراق سے یہ ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے کہ حضرۃ الاستاذ جناب مفتی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے بالکل بجا اور صحیح لکھا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو کچھ کیا تھا وہی بالکل غلط تھا اور جناب پروفیسر ہاشمی صاحب نے جناب مفتی عثمانی صاحب کے دلائل و استدلالات پر روایتاً و درایتاً اور عقلاً و نقلاً جو مدلل گفتگو کی تھی اس سب کو انہوں نے غلط اور مبنی بر جہالت و خیانت بتایا۔

زیر نظر کتاب "حدیث کلاب حوأب کا تاریخی، تحقیقی اور علمی محاکمہ" جناب مفتی محمد تفضّل علی شاہ صاحب کی اسی کتاب کا جواب الجواب ہے جس میں پروفیسر ہاشمی صاحب نے پہلے سے کہیں زیادہ تفصیل کے ساتھ بڑے مضبوط و ناقابل تردید دلائل سے ثابت کیا ہے کہ مفتی صاحب موصوف نے حضرت عائشہؓ کے مقابلے میں اپنے استاذ محترم کی حمایت و وکالت میں جو کچھ لکھا ہے بجائے خود ہی بالکل غلط اور وہی مبنی بر بے جا حمایت و تعصب اور جہالت و خیانت ہے۔

نہ حدیث کلاب حوأب قابلِ استناد ہے اور نہ ہی حضرت عائشہ صدیقہؓ یقینی طور پر اس کا مصداق ہیں نیز نہ تو وہ خطوط ہی روایتاً و درایتاً صحیح و ثابت ہیں جو بنام حضرت عائشہؓ بعض صحابہؓ اور بعض ازواج مطہراتؓ کی طرف سے منسوب کئے گئے ہیں اور نہ شرم و ندامت کی وجہ سے روضۂ رسولؐ میں دفن نہ ہونے کی روایت ہی عقلاً و نقلاً صحیح و ثابت ہے۔

اسی طرح نہ تو قرار فی البیوت والے قرآنی حکم کے حوالہ سے ان کے اقدام و موقف کو غلط قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ اس آیت کی تلاوت کے وقت ان کے زار و قطار رونے والی روایت کے حوالہ سے ہی ان کی تردید و تغلیط کی جاسکتی ہے۔

قارئین ہمارے اس خیال کی ان شاء اللہ بھرپور تائید کریں گے کہ جناب پروفیسر ہاشمی

صاحب اپنے اس موقف کو ثابت کرنے میں حد درجہ کامیاب رہے ہیں زیادہ سے زیادہ کسی قاری کو زیر نظر کتاب میں ''لب ولہجہ'' کی سختی محسوس ہوسکتی ہے تو اس کی وضاحت جناب پروفیسر صاحب خود ہی زیر عنوان ''عرض مؤلف'' کر چکے ہیں کہ وہ جناب ترجمان صاحب کے خود اپنے لب ولہجہ کی سختی اور انداز گفتگو کا ہی ردعمل ہے بلکہ اکثر مقامات پر خود ان ہی کے الفاظ ان کی خدمت میں لوٹائے گئے ہیں۔

زبان کے اس ثقل سے قطع نظر اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ ہاشمی صاحب نے مفتی اعظم صاحب کے ترجمان کی تحقیقی وعلمی غلطیوں کی نشان دہی کر کے موضوع کی تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے بلکہ اس لحاظ سے وہ نہایت ہی خوش قسمت رہے ہیں کہ ان کو حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دفاع اور ان کے موقف کی تائید وتصویب کی سعادت نصیب ہوئی ہے جبکہ ان کے معترضین جناب مفتی محمد تفضّل علی شاہ صاحب کی قسمت میں اماں عائشہؓ کی تردید وتغلیط اور ان کے مقابلہ میں اپنے استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کی تائید وتصویب آئی ہے۔ نصیب اپنا اپنا قسمت اپنی اپنی۔ فھنیئا لھما کل امری باکل زادہ۔'' جناب پروفیسر ہاشمی صاحب صدیقہ طاہرہؓ کی حمایت ووکالت کی من جانب اللہ توفیق پر جتنا بھی اللہ کا شکر ادا کریں بجا ہے۔

(حدیث کلاب حوأب کا تاریخی، تحقیقی اور علمی محاکمہ۔ ص نمبر 11 تا 15)

حضرت مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی صاحب اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ:

''میں چونکہ مفتی تفضّل علی صاحب کی کتاب سے خود متاثر ہوگیا تھا اس لئے میں نے آپ کی کتاب بڑے شوق اور جستجو نیز تلاش حق اور تمیز حق و باطل کی نیت اور نظریے سے پڑھی اور مکمل پڑھی اور شاہ صاحب کے اعتراضات کو سامنے رکھ کر پڑھی۔ سوالحمدللہ! مجھے ہر طرح سے تسلی ہوگئی اور آپ کو دادِ تحسین دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، آپ کی عمر میں برکت دے۔ آمین ثم آمین۔''

10 جمادی الاخریٰ 1423ھ/20 اگست 2002ء

ادیب شہیر مولانا قاری حمید الرحمٰن کا تبصرہ

مولانا قاری حمید الرحمٰن صاحب خطیب جامع مسجد عمر فاروقؓ منگرال ماڈل ٹاؤن راولپنڈی کتاب ''حدیث کلاب حوأب کا تاریخی، تحقیقی اور علمی محاکمہ'' پر اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''ہمارے لاشعور میں مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کا زہد و ورع، مفتی کفایت اللہ صاحب کی فقاہت اور مفتی امین الحسنی صاحب کا اخلاص وللّٰہیت رچے بسے ہیں، یہ اپنی روایات کے امین ہیں اور ماضی مرحومہ کے پاسبان جو نہ ابن الوقت بنے اور نہ ہی ہوا و ہوس کے اسیر۔ جسے حق جانا، حق سمجھا اور حق یقین کیا اسے بیانگ دہل کہا، اس کا برملا اظہار کیا اور کھلے بندوں اسے زندگی کا مقصد بنایا نہ یہ مفتی اعظم تھے، نہ مفتی اعلیٰ اور نہ ہی مفتی بالا۔ یہ صرف مفتی تھے قرآن وسنت کی روح کو جاننے والے اور اسی کی روشنی میں عوام کے مسائل حل کرنے والے، ان میں سے کسی نے اپنی روحانی ماں پر کتے نہیں بھونکوائے تھے۔ جلبِ منفعت یا کسی کا دل رکھنے کے لئے دور کی کوڑیاں نہیں لائے تھے اور قرآن وسنت کے منافی فتوے دے کر جگ ہنسائی کا نشان نہیں بنے تھے وہ عظمت رفتہ کا وقار تھے اور عہد گذشتہ کے نقیب۔

جب سے ''مراتب'' کی تقسیم ہوئی ہے اور ''درجات'' کی حد بندی، تب سے نظریاتی سرحدیں غیر محفوظ ہوگئی ہیں اور دین بازیچۂ اطفال بن گیا ہے، عالم دین مفقود اور عالم لوہاروں کا ڈار آگیا ہے بچۂ مفتی سے لیکر بالا و صدر مفتی تک اپنی اوچھی فتوے بازی کی بدولت معاشرہ میں ہدف تضحیک بن کر رہ گئے ہیں مگر وہ:

ہم طالب شہرت ہیں ننگ سے کیا عار
بدنام گر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا؟

کی سرتال میں سرمست والست ہیں۔

مفتی شاہ تفضّل علی صاحب کی زیر تبصرہ کتاب ''حدیث کلاب حوأب پر قیل وقال کا

علمی محاسبہ'' بظاہر حضرت قاضی صاحب زید مجدہ کی کتاب ''حدیث حوأب کا مصداق کون؟'' کا جواب ہے مگر حقیقت میں اس کی حیثیت ''سوال از آسماں جواب از ریسماں'' سے زیادہ کی نہیں ہے۔ جبکہ حضرت قاضی صاحب نے اپنی کتاب میں از ابتداء تا انتہا وقار اور متانت کو مجروح نہیں ہونے دیا اور جس تحقیقی انداز میں دقتِ نظری اور اپنی فطری صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر حقائق کا انکشاف کیا ہے وہ نہ صرف تاریخی اعتبار سے ایک اہم دستاویز ہے بلکہ اصابتِ رائے کا ایک عظیم شاہکار بھی ہے۔ آں موصوف نے جہاں مذہبی پاپائیت کی بخیہ دری کی ہے وہاں زبان و بیان کے بانکپن اور اسلوب و انداز کے متانت آگیں دامن کو بھی نہیں جانے دیا جس سے اردو زبان پر قدرت و گرفت کے ساتھ ساتھ ان کی نجیب الطرفینی و شرافت بھی ہویدا ہوتی ہے۔

میں انگشت بدنداں ہوں کہ ایک کوہ وکھو کی کھائیوں کے باسی نے کس حوصلہ و قوت ارادی، کس اولوالعزمی و بالغ النظری اور کس ہمت و جواں مردی سے اس معرکۂ کارزار کو سر کیا ہے اور سر بگریباں ہوں کہ کیونکر اس وادی پرخار میں گامزن ہو کر اس نے اپنے دامن کو تار تار ہونے سے بچالیا ہے۔

خنجر پہ کوئی داغ نہ دامن پہ کوئی چھینٹ

میں اسی فکر میں غلطاں ہو کر شدھ بدھ کھویا چاہتا ہوں کہ ہاتفِ غیبی کی صدا آتی ہے کہ جو تحقیق و تجسّس کی راہوں میں پابرکاب ہوتے ہیں اور طلب و خواست گاری کو مقصد حیات بنا لیتے ہیں وہ اکیلے و تنہا نہیں ہوتے بلکہ اللہ الواحد کی معیت و ہمراہی انہیں حاصل ہوتی ہے قدم قدم و گام گام پر مدد و نصرت انہیں در آغوش رکھتی ہے اور رحمت و رأفت اپنے جلو میں لئے چلتی ہے اور پھر اگر اس تحقیق و تجسس کا دائرۂ عمل صدیقہ و محسنۂ کائنات علیہا التحیات والتسلیمات کی ذات بابرکات ہو اور محقق کا مطمحِ نظر آں مخدومہ کی ردائے عصمت و عفت پر لگائے گئے ہفوات کی تردید کرنا ہو تو لاریب اس کی حمایت و کارسازی دوچند ہو کر جستجو و خواست گاری کو سہ آتشہ بنادیتی ہے۔ رنگ رنگ میں طلب کے رنگ بھر دیتی ہے اور سرتاپا

ہر بال و بن میں ادھیڑ بن کی جوت جگا دیتی ہے۔

سورۂ نور ہمیں یہ آگاہی بخشتی ہے کہ بنت ابی بکرؓ پر انگشت نمائی کرنے والا ایسا سگ بد اطوار ہے جو اولین مجسمہ شیطنت کی سنت تازہ کرتا ہے، مسلمانوں کے دلوں کو مجروح اور اپنے خبث باطنی کا اظہار کرتا ہے جبکہ اس کی سبائیت کو عصائیت کی کاری ضرب لگانے والا اللہ کی مرضی و منشاء پر عمل کرتا ہے اور اس کے بتائے ہوئے طریقہ کا احیاء کرتا ہے۔ ایک ابن ابی کی روایات کا امین ہے اور دوسرا اللہ القوی کا خلیفہ متین ہے اس کی شان بے نیازی پر قربان جایئے وہ چاہے تو دین کے بڑے بڑے بر جوں کو راندۂ درگاہ کر دے اور دھتکار کر رفض و سبائیت کا حدی خواں بنا دے، اور ایک دانش گاہ کے دانش ور کو اپنی نیابت سے نواز دے اور ام الامت کی وکالت کا فریضہ تفویض فرما دے۔

تم ششدر و حیران ہو کہ ایسا کام جسے ایک ادارہ و انجمن کے بنا سر انجام دینا کارے دارد ہے اور ایک اکیڈمی و جماعت کے بغیر پایۂ تکمیل تک پہنچانا ناممکن ہے اسے ایک کوہستانی فرد واحد نے کیونکر ممکن کر دیا؟ مگر یہ کیوں نہیں سوچتے کہ جس کام کی طرح خود ذات باری تعالیٰ نے ڈالی اس پر جو بھی گرہ لگائے گا اس کی خصوصی عنایتوں اور مہربانیوں کو اپنے ہم سنگ و ہم رکاب پائے گا۔ رحمت حق اس کے کلک کو رواں کرے گی، دل و دماغ کے دریچے وا کرے گی اور اس کی سوچ و فکر کے دھاروں کی غماز ہوگی کیونکہ وہ اللہ کے کام کو آگے بڑھانے والا اور اس کے نقش اولین میں قانونیت کا کردار ادا کرنے والا ہے۔

آج وہ لوگ جن کی اسناد حسبی و نسبی، جن کی ارتباط فقہی و نظری اور جن کی انضباط متصوفی و محدثی ماضی قریب کے کسی اولوالعزم شخص سے نکتۂ اتصال رکھتی ہو تو وہ جامے میں پھولے نہیں سماتے، عجب و رعونت کے پندار اور فخر و مباہات کے چولے میں بیٹھے بیٹھے جاتے ہیں اور اس انداز سے چلتے اور قدم اٹھاتے ہیں کہ جیسے ارض اللہ کو پامال کر ڈالیں گے اور آسمان کی رفعتوں کو سرنگوں کر دیں گے تو جس خوش طالع کی سند نازاپنے پالنہار سے منضبط ہو جائے اور وہ اللہ کے بعد یگانوں اور بیگانوں کی جارحانہ و ناقدانہ نشانہ بازیوں سے ام الامت کی ردائے

عصمت وعفت کے وکیل ومحافظ ٹھہریں ان کی سعادت مندی کے کیا کہنے؟

اگر وہ ''ارض حوأب'' کے وضعی وفرضی کلاب کی آڑ میں ام المومنین کی ذات ستودہ صفات پر بھونکنے والے کسی ''سگ سبائی'' کو آئینۂ حقیقت دکھاتے ہیں تو بلاشبہ وہ امت مرحومہ کی طرف سے قرض چکانے اور اپنا مذہبی فرض ادا کرتے ہیں۔ اپنے خالق و مالک کے مقرب بندے اور اپنی جلیل القدر ماں کے عظیم سپوت ٹھہرتے ہیں ہم جہاں ام الامت کے اس عظیم فرزند کی خوش قسمتی پر رشک کناں ہیں تو وہاں اپنی نا اہلی وتیرہ بختی پر ماتم کناں بھی۔

یہ ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی صاحب نے زیر نظر کتاب تحریر کرکے پوری امت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا ہے انہیں اس راہ میں کٹھن سے کٹھن مراحل سے بھی گزرنا پڑا ہے، بڑی بڑی صعوبتیں جھیلنا پڑیں اور طعن وتشنیع کے نشتروں سے اپنے دامن کو بھی تار تار کرنا پڑا ہے مگر وہ اپنی دھن کے پکے نکلے اور انہوں نے محسنۂ کائنات ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طیبہ مطہرہ رضی اللہ عنہا کا جس طرح سے دفاع کیا، ان پر بھونکنے والے سبائی کتوں کی بھونکاہٹ کا جس انداز سے سدباب کیا اور ''کلاب حوأب'' بھونکانے والے بزرجمہروں کا جیسے تعاقب کیا ہے لاریب یہ ان ہی کا حوصلہ تھا اور قدرت قادر قدیر نے ان کے لئے ہی یہ کام مقدر کر رکھا تھا۔

ہر کہ ومہ کے لئے یہ دارورسن کہاں؟

آخر میں دعا ہے کہ باری تعالٰی زیر نظر کتاب کو قبول ومقبول فرمائے اور اسے زیادہ سے زیادہ لوگوں کی اصلاح کا ذریعہ بنائے۔ آمین یارب العالمین

مفتی اعظم آزاد کشمیر مولانا قاضی محمد رویس خان ایوبی صاحب کے تاثرات:

برادر عزیز، عالم نبیل، محقق ومدقق، علامہ محمد طاہر علی الہاشمی حفظہ اللہ تعالٰی عن نوائب الزمان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۲۶ جون کو آپ کی ملاقات ایک انوکھا تجربہ تھا۔میں نے حویلیاں میں مرکزی جامع مسجد کو اصحاب رسول کے اسمائے گرامی سے سجا ہوا پایا، اور مجھے حیرت اور فخر محسوس ہوا جب میں نے ایک سادہ شخصیت کو دیکھا جس میں کوئی استکبار یا علمی فخر نہ تھا، گویا کہ وہ ایک عام پاکستانی ہے، کوئی علماء اور سیاست حاضرہ کے قائدین کا جبہ نہ تھا اور نہ ہی فقہاء، صلحاء اور مرشدین کا عمامہ تھا، لیکن جب اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث پر بات کا آغاز کیا تو مجھ پر ظاہر ہوا کہ وہ اسلامی علوم کا ہمہ جہتی انسائیکلوپیڈیا ہے، خصوصاً اسمائے رجال اور صحابہ کرامؓ اور ازواج مطہراتؓ کی تنقیص پر مبنی روایات کی تحقیق کے میدان میں۔یقیناً یہ اللہ تعالی کی عظیم نعمت ہے، اور صرف اسی کو عطاء ہوتی ہے جس کا اللہ عزوجل کے ساتھ مضبوط تعلق ہو۔

میں آپ کے قیمتی ہدیے پر انتہائی شکر گزار ہوں جو آپ کی تصنیف شدہ کتابوں کی صورت میں تھا۔

میں نے آپ کی کتاب ''سقوط جامعہ سیدہ حفصہ'' کا مطالعہ کیا۔یہ کتاب علماء کے لئے ایک دستاویز ہے، ادباء کے لئے مرجع، اور اہل تقوی باشیین کے لئے منبع ہے۔آپ نے ایسا کارنامہ سرانجام دیا ہے جو آکسفورڈ، جامعہ ازہر، جامعہ ریاض اور جامعہ ام القری جیسی عالمی یونیورسٹیوں کے باشیین کے لئے بھی ممکن نہیں ہوتا، حالانکہ ان کے پاس بے انتہاء وسائل، کثیر اموال اور بے دریغ مواقع ہوتے ہیں۔

اس کتاب کی عظمت شان کی معراج وہ تصاویر ہیں جو آخری صفحات پر دی گئی ہیں، ظلم وعدوان کی تصویریں، اور ان قائد علماء کی تصاویر جو رقص وسرود کی محفل میں محو تفریح ہیں، ان علماء کی مداہنت پر تعجب ہے، یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے دین کو دنیا کے بدلے بیچ ڈالا، کیا ہی خسارے اور ذلت کا مقام ہے۔

<u>حج مبرور:</u> اپنے موضوع پر عظیم کتاب ہے، اللہ تعالی آپ کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے۔

سرگزشت ہاشمی: شیخ ہاشمی کی حیات، آپ نے فرزندگی کا حق ادا کر دیا اور اپنے والد کی میراث کی حفاظت کی۔

علمی محاکمہ: ایک طاقتور طمانچہ، ان جہابذہ کے چہروں پر جو روافض اور ان کی روایات پر اعتماد کرتے ہیں، اور صحابہ کرامؓ سے متعلق نصوص قرآنیہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ بے شک قرآن کریم نے صحابہ کرامؓ کے ایمان کو معیار قرار دیا ہے اور ان کو مغفرت کا پروانہ عطا فرمایا ہے۔ اور ان کو جنت کی بشارت دی ہے۔ آپ نے اس پیغام پر عمل کر دکھایا ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا: میری طرف سے آگے پہنچاؤ، اگر چہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو، کئی پہنچائے جانے والے سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کی طرف سے آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ کلاب حواب کی تحقیق میں علمی گہرائی و عمیق نگاہی نمایاں ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا و آخرت میں کامیابی عطا فرمائے اور آپ کو قیامت کے دن اپنے عرش کا سایہ عطا فرمائے اور آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

آپ کا باوفا بھائی
قاضی محمد رویس خان ایوبی
رئیس مجلس الافتاء حکومت آزاد کشمیر
رئیس الافتاء میرپور آزاد کشمیر

روزنامہ اسلام کا شرعی و اخلاقی حدود سے تجاوز

حضرت مفتی صاحب!

سخت حیرت ہے کہ روزنامہ اسلام میں کس قدر ''دیدہ دلیری'' کا مظاہرہ کرتے ہوئے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے خالص اجتہادی اقدام کو غلط ثابت کرنے والی

روایت کا دفاع کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ:

''امام احمد کو ان پر اتنا اعتماد ہے کہ اپنی مسند میں ان سے بعض روایات وہی لی ہیں جو امام طبری نے ماءحوأب کے حوالے سے نقل کی ہیں جن کا نقل کرنا ''عظیم تحقیقی کتاب'' کی روشنی میں سخت گناہ بلکہ گمراہی قرار پایا ہے۔..''(روزنامہ اسلام 18 اکتوبر 2016)

حضرت مفتی صاحب!

(۲۳۷)	حدیث کلاب حوأب کے حوالے سے آپ کا ''ذاتی'' نکتہ نظر جو بھی ہو یہ آپ کا حق ہے لیکن کیا آپ کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ مسلمانان پاکستان کے ترجمان اخبار میں ''مختلف فیہ'' مسائل پر یکطرفہ بحث چھیڑیں؟
(۲۳۸)	کیا حدیث کلاب حوأب سے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اجتہادی ومشاجراتی اقدام کی تغلیط ثابت نہیں ہوتی؟
(۲۳۹)	کیا اس سے ام المومنین کے بارے میں سبائیوں کے نظریہ کو تقویت نہیں ملتی؟
(۲۴۰)	کیا آپ روزنامہ اسلام میں شائع ہونے والی اس عبارت کا مفہوم واضح کرنا پسند فرمائیں گے کہ:(ماءحوأب کی روایات) جن کا نقل کرنا ''عظیم تحقیقی کتاب'' کی روشنی میں سخت گناہ بلکہ گمراہی قرار پایا ہے؟
(۲۴۱)	کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ ''کلاب حوأب'' سے متعلق روایات کو صحیح سمجھنا ''سخت گناہ بلکہ گمراہی نہیں ہے''؟
(۲۴۲)	کیا روزنامہ اسلام میں شائع ہونے والی زیر بحث عبارت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ''کلاب حوأب'' سے متعلق روایات کو صحیح سمجھنا ''ثواب اور عین ہدایت'' ہے؟
(۲۴۳)	جب ''عظیم تحقیقی کتاب'' میں کلاب حوأب کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں تھا تو پھر اسے کس مقصد اور کس طبقہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر روزنامہ اسلام میں زیر بحث لایا گیا؟

(۲۴۴)	کیا یہاں کلاب حوأب کا ذکر چھیڑ کر روزنامہ اسلام کے خلاف عائد کردہ فرد جرم (قصہ زیدؓ و زینبؓ، قصہ غرانیق کی یک گونہ تائید و تصدیق کے علاوہ) میں تغلیط اقدام ام المومنین عائشہؓ کی شق کا اضافہ نہیں ہو گیا؟

گذشتہ تفصیل سے "حدیث کلاب حوأب" کی "حیثیت" اچھی طرح واضح ہو گئی ہے جسے روزنامہ اسلام نے کچھ اس انداز کے ساتھ نقل کیا کہ جس سے قارئین کے گمراہی اور غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا شدید اندیشہ تھا۔ حالانکہ اس "منکر" روایت کو کسی بھی درجے میں صحیح سمجھنے کی روزنامہ اسلام کے "سرپرستوں" کو اگر کوئی مجبوری لاحق تھی بھی تو "تاریخ اسلام" سے ہی اس کا مصداق تلاش کیا جا سکتا تھا اور میں نے اپنی کتاب کا نام ہی اسی مناسبت سے "حدیث حوأب کا مصداق کون؟" اور اس میں اس روایت کو "صحیح" سمجھنے کی صورت میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بجائے ام زمل سلمٰی کو اس کا مصداق قرار دیا تھا۔

"حدیث کلاب حوأب" کے حوالے سے "نفسِ مسئلہ" اگرچہ واضح ہو چکا ہے تاہم یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو "حدیث حوأب" کا مصداق قرار دینے کو قاضی ابوبکر ابن العربی (م ۵۴۳ھ) نے "بہت بڑا گناہ قرار دیا ہے" چنانچہ موصوف فرماتے ہیں کہ:

"اور تم نے جو "حوأب" کے پانی کے متعلق شہادت دی ہے تو تم اس میں بہت بڑے گناہ کے مرتکب ہوئے ہو۔ تمہاری بیان کردہ شہادت کی کوئی اصل نہیں ہے اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسی بات کہی تھی اور نہ ہی ایسی کوئی گفتگو ہوئی تھی اور نہ ہی کسی آدمی نے شہادت دی تھی اور تمہاری یہ جھوٹی شہادت بھی لکھ لی گئی ہے اور تم سے اس کا سوال کیا جائے گا۔" (العواصم من القواصم اردو ص 267)

قیس بن ابی حازم کو منکر الحدیث قرار دینے کا الزام

عاشراً:۔

حضرت مفتی صاحب!

روزنامہ اسلام کے ''اکاذیب'' کا نقطۂ عروج یہ ہے کہ:

''...جن مؤرخین اور سیرت نگاروں کو جھوٹا قرار دینے کے لئے ''عظیم تحقیقی کتاب'' والے بزرگ نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے، ان میں سے کئی وہ ہیں جن پر نہ صرف سیرت او ردور صحابہ کی اکثر تاریخی روایات بلکہ احادیث کے ایک بڑے حصے کا دارومدار ہے۔ ان میں ایک بڑی تعداد تابعین کرام اور ایسے محدثین کی ہے جن سے فقط امام طبری ہی نے نہیں، بلکہ امام بخاری، امام مسلم، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام طحاوی جیسے جبالِ علم نے بھی روایات لی ہیں۔

ان میں سے ایک قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ ہی کو لے لیں جن سے تاریخی روایات بکثرت منقول ہیں۔ یہ بھی نسلاً عرب ہیں۔ ساری زندگی صحابہ کی خدمت کی۔ یہ واحد تابعی ہیں جنھوں نے عشرۂ مبشرہ میں سے نو کی شاگردی کی ہے۔ ''عظیم تحقیقی کتاب'' میں تو انہیں منکر الحدیث قرار دیا گیا ہے۔ مگر انہی قیس بن ابی حازم سے صحیح مسلم میں ۱۴، ابو داؤد میں ۳، ترمذی میں ۱۸، نسائی میں ۲، ابن ماجہ میں ۴ احدیثیں لی گئی ہیں۔ امام بخاری نے تو کمال ہی کر دیا کہ ان سے ۲۱ روایات لی ہیں۔ ائمہ اربعہ نے بھی ان کی روایات کو قبول کیا ہے۔ مؤطا مالک میں ان کی ایک، کتاب الآثار (امام ابو یوسف) میں ایک، مسند امام شافعی میں چار، او رمسند احمد میں ۷۱ روایات نقل کی گئی ہیں۔ امام احمد کو ان پر اتنا اعتماد ہے کہ اپنی مسند میں ان سے بعض روایات وہی لی ہیں جو امام طبری نے ماء حوآب کے حوالے سے نقل کی ہیں جن کا

نقل کرنا "عظیم تحقیقی کتاب" کی روشنی میں سخت گناہ بلکہ گمراہی قرار پایا ہے۔ اب ایسی "تحقیقات" کرنے اور انہیں ماننے والوں کے دین و ایمان کا تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ بخاری شریف کی ۲۱، مسلم کی ۱۴، مسند احمد کی ۱۷ اور مسند امام شافعی کی ان چار احادیث کو یکسر مردود قرار دیں اور ان محدثین اور ائمہ مجتہدین کو بھی انہی مؤرخین کی صف میں لا کر خائن شمار کریں یا بہت رعایت مطلوب ہو تو فنِ حدیث اور فنِ رجال سے ناواقف سمجھیں۔ یہ تو ہوا صرف ایک قیس بن ابی حازم کو لے کر موصوف اور موصوف کے ممدوح کی تحقیقات کا ثمرہ۔"

(روزنامہ اسلام 18 اکتوبر 2016ء)

"كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۚ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا (سورۃ الکھف 5)

"کتنی بڑی ہے وہ بات جو نکلتی ہے ان کے مونہوں سے وہ نہیں کہتے مگر (سراسر) جھوٹ"

حضرت مفتی صاحب!

روزنامہ اسلام میں شائع ہونے والا یہ "کالم" حقیقت سے کوسوں دور اور تعصب میں لتھڑا ہوا ہے اور یہ ایک مسلمہ صداقت ہے کہ متعصب نظر حقیقت شناس نہیں ہوا کرتی۔

(۲۴۵)	کیا آپ کو اس "کذب و افتراء" پر مبنی کالم کی اشاعت کے بعد تمام قارئین سے تحریری اور اعلانیہ معذرت نہیں کرنا چاہئے تھی؟
(۲۴۶)	کیا اس کالم کی اشاعت سے روزنامہ اسلام کے ہزاروں قارئین کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچی؟
(۲۴۷)	کیا مذکورہ کالم قارئین کی گمراہی کا سبب نہیں بنا؟
(۲۴۸)	کیا اس کالم کی اشاعت سے روزنامہ اسلام کے ذمہ دار "خلط مبحث، طعن و تشنیع، بہتان طرازی، افتراء پردازی، اور کذب بیانی" کے مرتکب نہیں ہوئے؟

(۲۴۹)	کیا آپ روزنامہ اسلام میں شائع ہونے والے اس "جملے" کا مطلب واضح کرنا پسند فرمائیں گے کہ: "یہ تو ہوا صرف ایک قیس بن ابی حازم کو لے کر موصوف اور موصوف کے ممدوح کی تحقیقات کا ثمرہ۔" (روزنامہ اسلام 18 اکتوبر 2016)
(۲۵۰)	آپ سے گزارش ہے کہ آپ ملک بھر میں پھیلی ہوئی اپنی پوری ٹیم کے تعاون سے اس "حقیقت" کو طشت از بام کر دیں کہ "موصوف" یعنی اوریا صاحب نے "قیس بن ابی حازم" کے حوالے سے اپنی "تحقیقات" کب اور کہاں پیش کیں؟
(۲۵۱)	اگر آپ یہ "تحقیقات" نہیں دکھا سکتے تو کیا پھر آپ جناب اوریا مقبول جان صاحب کے خلاف "افتراء پردازی" کے مرتکب نہیں ہوئے؟
(۲۵۲)	کیا آپ روزنامہ اسلام میں شائع ہونے والے اس جملے کا مطب بھی واضح کرنا پسند فرمائیں گے کہ: "جن مؤرخین اور سیرت نگاروں کو جھوٹا قرار دینے کے لئے "عظیم تحقیقی کتاب" والے بزرگ نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے، ان میں سے... (ایک قیس بن ابی حازم بھی ہیں)؟
(۲۵۳)	کسی کے موقف کی تردید کے لئے "راہنما اصولوں" (جن کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے) سے یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ "عظیم تحقیقی کتاب" پر قلم اٹھانے سے پہلے کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہوگا۔ لیکن یہاں "ایڑی چوٹی کا زور لگایا..." کے الفاظ سے کیا یہ معلوم نہیں ہوتا کہ زیر تبصرہ کتاب کا بنظر عمیق مطالعہ کیا ہوگا؟ (تبھی تو کالم میں صرف "زور" لگانے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ مطالعہ کے دوران "ایڑی چوٹی کا زور بھی" محسوس کیا گیا)

(۲۵۴)	کیا یہ بات باعث تعجب نہیں ہے کہ کتاب میں "ایڑی چوٹی کا زور" تو معلوم کرلیا گیا لیکن یہ نہیں جانا جاسکا کہ جس مرکزی نکتے یعنی قیس بن ابی حازم کی بناء پر کتاب کو ہدف تنقید بنایا جارہا ہے اس میں تو کہیں بھی اس راوی کو منکر الحدیث قرار نہیں دیا گیا؟

832 صفحات پر مشتمل "ایک عظیم تحقیقی کتاب" میں صفحہ نمبر 274 پر صرف ایک جگہ حضرت قیس بن اُبی حازم کا اسم گرامی اس طرح آیا ہے:

صحابہؓ کے علاوہ اکابر تابعین نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے حدیث کی روایت کی ہے مثلاً: ابوادریس خولانی، سعید بن میسّب، خالد بن معدان، ہمام بن منبہ، قیس بن ابی حازم، عبداللہ بن الحرث بن نوفل، عیسیٰ بن طلحہ، محمد بن جبیر بن مطعم، حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف، ابومجلّہ، علقمہ بن وقاص، عمیر بن ہانی، مطرف بن عبداللہ، محمد بن سیرین، عکرمہ مولیٰ ابن عباس وغیرہم۔(بحوالہ: الناھیة عن طعن معاویة ص ۱۷، الاصابہ جلد۳۔ص ۴۳۴.....)

روزنامہ اسلام کا خودکشیدہ باطل نتیجہ

حضرت مفتی صاحب!

(۲۵۵)	کیا اس سے جو نتیجہ روزنامہ اسلام میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، وہی برآمد ہوتا ہے؟

"ایک عظیم تحقیقی کتاب" میں سرے سے قیس بن ابی حازم پر "جرح" کا کوئی ادنیٰ سا اشارہ بھی موجود نہیں ہے۔ سخت تعجب ہے کہ کسی "صغریٰ" کے بغیر اس کے ساتھ "کبریٰ" کو نتھی کر کے ظلم عظیم پر مشتمل وہ نتیجہ اخذ کرلیا گیا ہے جس کا ذکر اوپر ہوا۔ روزنامہ اسلام کے ذمہ داروں تک "براہ راست" یہ بات پہنچائی گئی مگر پھر بھی انہوں نے اس کا ذرہ برابر بھی کوئی نوٹس نہیں لیا۔

(۲۵۶)	سوال یہ ہے کہ قیس بن ابی حازم پر پوری کتاب میں کوئی "جرح" نہیں پائی جاتی تو پھر اس پر "کذب وافتراء" کی اتنی بلند و بالا عمارت کس مقصد کے لئے اور کس طبقہ کی خوشنودی کے لئے تعمیر کی گئی ہے؟
(۲۵۷)	اس کذب بیانی اور افتراء پردازی سے خودکشیدہ بالکل ہی غلط اور باطل نتیجے سے کیا روزنامہ اسلام کے ہزاروں قارئین کو فریب اور دھوکا نہیں دیا گیا کہ عظیم تحقیقی کتاب میں قیس بن ابی حازم جیسے ایک کثیر الروایت راوی جو نسلاً عرب، صحابہ کے خدمت گار اور نو اصحاب عشرہ مبشرہ کے تلمیذ رشید (جن کی کتب حدیث "بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، موطا امام مالک، کتاب الآثار، مسند امام شافعی اور مسند احمد میں روایات پائی جاتی ہیں) پر "جرح" کی گئی ہے جس سے کتب حدیث میں ان کی تمام مرویات کو "یکسر مردود" قرار دینا پڑے گا؟

حضرت مفتی صاحب!

یہ وہ "نرالا" اصول ہے جو اس سے پہلے پوری علمی دنیا میں کسی محدث اور کسی عالم کے حاشیہ ذہن میں بھی نہیں آیا۔ تمام محدثین نے ایک ہی راوی کی بعض روایات کو قبول بھی کیا ہے اور اسی راوی کی بعض روایات کو جو ان کی شرط پر پوری نہیں اترتی تھیں، مردود اور منکر بھی قرار دیا ہے۔

(۲۵۸)	کیا روزنامہ اسلام میں قیس بن ابی حازم کا مکمل تعارف کرانے کے بعد قارئین کو گمراہ کرتے ہوئے یہ نہیں لکھا گیا کہ: "عظیم تحقیقی کتاب" میں تو انہیں منکر الحدیث قرار دیا گیا ہے"؟

اس کے جواب میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ:

سبحنك هذا بهتان عظيم

یہ تو خیر ''عظیم تحقیقی کتاب'' کے حوالے سے ایک صریح بہتان تھا، البتہ میری جس دوسری کتاب میں قیس بن ابی حازم کو ''منکر الحدیث'' قرار دیا گیا ہے تو اس کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔

روزنامہ اسلام میں حضرت قیس بن ابی حازم کی وثاقت ثابت کرنے پر جو ''زور آزمائی'' کی گئی ہے اس کا تو زیر بحث موضوع کے ساتھ کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی ان کی ''وثاقت'' زیر بحث ہے۔

روزنامہ اسلام میں لکھا گیا ہے کہ:

''امام احمد کو ان پر اتنا اعتماد ہے کہ اپنی مسند میں ان سے بعض روایات وہی لی ہیں جو امام طبری نے ماء حوآب کے حوالے سے نقل کی ہیں جن کا نقل کرنا ''عظیم تحقیقی کتاب'' کی روشنی میں سخت گناہ بلکہ گمراہی قرار پایا ہے۔''(روزنامہ اسلام 18 اکتوبر 2016)

(۲۵۹)	کیا یہ کذب بیانی و افتراء پردازی نہیں ہے کہ قیس بن ابی حازم کو منکر الحدیث قرار دیا گیا ہے؟ (عظیم تحقیقی کتاب کے حوالے سے اس بہتان کی وضاحت ہو چکی ہے لیکن یہاں ''منکر الحدیث'' کے الفاظ کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں جو ایک دوسری بہتان طرازی اور فریب دہی ہے)
(۲۶۰)	کیا منکر الحدیث کے الفاظ استعمال کر کے روزنامہ اسلام کے نوے فیصد سے زائد قارئین کو فریب اور مغالطہ نہیں دیا گیا کہ قیس بن ابی حازم کو منکر الحدیث کہا گیا ہے؟
(۲۶۱)	کیا یہ قارئین ان الفاظ سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کریں گے کہ قیس بن ابی حازم کو بھی ''پرویزیوں'' کی طرح منکر الحدیث قرار دیا گیا ہے؟ (کیونکہ ان قارئین کی نوے فیصد سے زائد اکثریت یہ جانتی ہی نہیں کہ ''منکر الحدیث'' علم حدیث کی ایک اصطلاح ہے۔)

(۲۶۲)	کیا یہ بدترین خیانت نہیں ہے کہ روزنامہ اسلام میں "منکرالحدیث" کے قول کو میری طرف منسوب کیا گیا ہے؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ میں نے اپنی کتاب "حدیث کلاب حوأب کا تاریخی، تحقیقی، علمی محاکمہ" میں یہ لکھا تھا کہ: ائمہ رجال نے قیس بن ابی حازم کو کلاب حوأب کی روایات کی بناء پر منکرالحدیث کہا ہے۔

حضرت مفتی صاحب!

ایک ادارے کے شیخ الحدیث ہونے کی حیثیت سے یقیناً آپ بھی اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ "منکرالحدیث" علم حدیث کی ایک اصطلاح ہے۔ اور قیس بن ابی حازم کو ائمہ رجال نے حدیث کلاب حوأب وغیرہ کی روایت کرنے کی بناء پر منکرالحدیث قرار دیا ہے۔

(۲۶۳)	کیا آپ روزنامہ اسلام میں شائع ہونے والی اس "کذب بیانی، افتراء پردازی، فریب دہی اور خیانت" کے ارتکاب کے حوالے سے بحیثیت مفتی کوئی فتویٰ جاری کرنا پسند فرمائیں گے؟

حضرت مفتی صاحب!

یہ بھی "فریب دہی" کی ایک بھونڈی مثال ہے کہ جامعین صحاح ستہ سمیت محدثین کی مذکورہ اتنی بڑی قطار میں سے صرف امام احمد اور ان کی اتباع میں امام طبری کو حضرت قیس بن ابی حازم پر اتنا "اعتماد" کیوں ہوا؟

(۲۶۴)	سوال یہ ہے کہ باقی محدثین نے قیس بن ابی حازم سے مروی "حوأب" والی روایت کیوں نقل نہیں کی؟
(۲۶۵)	جامعین صحاح ستہ نے جہاں قیس بن ابی حازم کی کثیر تعداد میں روایات نقل کی ہیں تو انہوں نے کلاب حوأب والی روایت پر کیوں اعتماد نہیں کیا؟

حضرت مفتی صاحب!

آپ شیخ الحدیث ہونے کی حیثیت سے بخوبی جانتے ہیں کہ ائمہ فن کے نزدیک یہ بات مسلّم ہے کہ فقط صحیحین کے راوی ہونے کی بناء پر کسی حدیث کو"علی شرط الصحیح" یا"علی شرط الشیخین" یا فقط "صحیح" کہنا درست نہیں ہے۔ بلکہ اس میں موجود دوسرے علل کی تحقیق و تفتیش ضروری ہے۔ پس معلوم ہوا کہ کسی حدیث کے متعلق محدثین کا یہ قول "رجالہ رجال الصحیح" (اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں) اس روایت کی صحت کی دلیل نہیں ہوتا۔

شیخ محمد جمال الدین قاسمی نے "قواعد التحدیث" میں اس بارے میں ایک عنوان یوں مقرر فرمایا ہے: "بیان من روی لہ حدیث فی الصحیح لا یلزم صحۃ جمیع حدیثہ" پھر اس کے تحت بیان کرتے ہیں:

"علامہ شعرانی مقدمہ میزان میں فرماتے ہیں: حافظ مزی اور حافظ زیلعی کا قول ہے کہ متکلم فیہ رواۃ جن سے شیخین نے تخریج کی ہے...وہ ان سے صرف اسی وقت روایت کرتے ہیں جب متابعت پائی جاتی ہو یا اس کے شاہد ظاہر ہوں یا ان کو علم ہو کہ اس کا کوئی اصول ہے۔ شیخین نے اپنی صحیحین میں جن رواۃ سے احتجاج کیا ہے ضروری نہیں کہ ان سے مروی جو حدیث بھی ہمیں ملے وہ اس صاحبِ صحیح کی شرط پر صحیح ہی ہو۔" (قواعد التحدیث ص 198)

حافظ ابن حجر عسقلانی مزید صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں:

"لا یلزم من الاسناد محتجا بروایۃ فی الصحیح أن یکون الحدیث الذی یروی بہ صحیحاً" (النکت ص 25)

علامہ جمال الدین زیلعیؒ فرماتے ہیں کہ:

"لا یلزم من کون الراوی محتجا بہ فی الصحیح انہ اذا وجدفی أی حدیث کان ذلک الحدیث علی شرطہ" (نصب الرایۃ ص ٣٤٢)

''کسی راوی سے صحیح میں احتجاج کیا گیا ہو تو اس سے لازم نہیں آتا کہ وہ جس حدیث میں بھی ہوگا اس کی حدیث صحیح کی شرط پر ہوگی۔''

علاوہ ازیں ائمہ فن کے نزدیک ایک مسلمہ اصول یہ بھی ہے کہ رجالِ سند کا ثقہ ہونا حدیث کے صحیح ہونے کے لئے کافی نہیں ہوتا حالانکہ محدثین کے قول ''رجالہ ثقات'' سے عموماً یہی مفہوم اخذ کیا جاتا ہے۔ ثقہ راوی کی حدیث بھی معلول ہوسکتی ہے یہ مشہور و مشہود امر ہے۔

حافظ ابن حجر ایک حدیث پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"لا يلزم من كونه رجاله ثقات أن يكون صحيحاً" (تلخيص الخبير جلد ٣ ص ١٩)

''راویوں کے ثقہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث بھی صحیح ہے۔''

علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ:

"صحة الاسناد يتوقف على ثقة الرجال ولو فرض ثقة الرجال لم يلزم منه صحة الحديث" (نصب الراية جلد ١ ص ٣٤٧)

اسناد کا صحیح ہونا رجال کے ثقہ ہونے پر موقوف ہے اور اگر راوی ثقہ ہوں تو اس سے حدیث کی صحت لازم نہیں آتی۔

حضرت مفتی صاحب!

اس تفصیل سے اتنی بات واضح ہوگئی ہے کہ حضرت قیس بن ابی حازم کے ثقہ ہونے یا بخاری و مسلم کے راوی ہونے سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی زیر بحث حدیث ''کلاب حوأب'' بھی صحیح ہو۔ پھر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ حضرت قیس اس روایت میں متفرد ہیں ان کا کوئی متابع نہیں ہے۔ حضرت قیس خود شریک واقعہ نہیں ہیں یعنی وہ جنگ جمل میں شریک نہیں ہوئے، انہوں نے ''کلاب حوأب'' والی روایت کس سے لی ہے اس کا کوئی اتہ پتہ نہیں ہے۔

''ایک عظیم تحقیقی کتاب'' میں نہ تو حضرت قیس پر کوئی جرح کی گئی ہے اور نہ ہی انہیں ''منکر الحدیث'' لکھا گیا ہے۔ ائمہ رجال نے خود حضرت قیس کو ''حوأب'' والی روایت کے

حوالے سے "منکر الحدیث" قرار دیا ہے:

حضرت مفتی صاحب!

حضرت قیس بن ابی حازم پر "منکر الحدیث" ہونے کی جرح کو روزنامہ اسلام کی حسب ذیل "عبارت" کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں:

"...دوسرے حصے میں رجال کا علم ہے۔راویوں اور شخصیات پر بھرپور بحث کی گئی ہے۔اب اگر کوئی خود کو حافظ ذہبی سے بڑا،ماہر رجال سمجھتا ہے اور اس کا خیال خام یہ ہے کہ ان جیسے علماء کو تو کچھ پتا ہی نہیں تھا...اور یہ کہ تاریخ کی کمزوریوں کو آج **"عظیم تحقیقی کتاب"** والے موصوف نے پرکھا ہے..."(روزنامہ اسلام ۱۸ اکتوبر ۲۰۱۶ء)

رجال کے سب سے بڑے امام جن کے کاندھوں پر اس علم کی عمارت کھڑی ہے حافظ شمس الدین ذہبیؒ باقاعدہ نیت باندھ کر بروایت علی بن المدینی لکھتے ہیں:

قیس بن ابی حازم منکر الحدیث ہیں۔پھر ان کی بیان کردہ روایت "کلاب حوأب" کا حوالہ دیا۔(تذکرۃ الحفاظ تحت قیس بن ابی حازم)

امام ذہبیؒ اپنی ایک دوسری کتاب میں فرماتے ہیں:

"... منکرالحدیث ثم سمّی له احادیث استنکرها ... ماروی من ذلك حدیث کلاب الحوأب ..." **(میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۳۱۲ تحت قیس بن ابی حازم)**

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ:

"... کبر قیس حتی جاوزالمأۃ بسنین کثیرۃ حتیٰ خرف و ذهب عقله وقال ابن المدینی قال لی یحییٰ بن سعید قیس بن أبی حازم منکرالحدیث ثم ذکر له احادیث مناکیر فیها حدیث کلاب حوأب" (تهذیب التهذیب جلد ۸۔ ص ۳٤۷۔ تحت قیس بن ابی حازم)

علامہ ابن حجر ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

"... کبر قیس حتی جاوز المأة بسنین، کبر و خرف..."(الاصابہ جلد 3۔ ص 272۔تحت قیس بن ابی حازم)

"قیس کی عمر ایک سو سال سے کچھ زائد ہو چکی تھی جس کی وجہ سے وہ آخر میں سٹھیا گئے اور ان کی عقل جاتی رہی۔ابن المدینی کہتے ہیں کہ مجھ سے یحیٰ بن سعید نے کہا کہ قیس بن ابی حازم "منکر الحدیث" ہیں پھر ان کی کچھ منکر احادیث بیان کیں ان میں سے ایک حدیث "کلاب حوأب" بھی ہے۔"

حضرت مفتی صاحب!

(۲٦٦)	کیا روزنامہ اسلام والے قیس بن ابی حازم کو منکر الحدیث کہنے کی وجہ سے جرح و تعدیل کے "امام علی بن مدینی، رجال کے سب سے بڑے امام جن کے کاندھوں پر اس علم کی عمارت کھڑی ہے حافظ شمس الدین ذہبیؒ، اور علامہ ابن حجر عسقلانیؒ" کے خلاف بھی کوئی فتویٰ جاری کرنا پسند فرمائیں گے؟
(۲٦٧)	کیا یہ حضرات بھی روزنامہ اسلام میں "شمار کردہ" احادیث کے منکر قرار پائیں گے؟
(۲٦٨)	قیس بن ابی حازم کو منکر الحدیث کہہ کر ان حضرات نے دین کی عمارت کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا؟

یہ ملحوظ رہے کہ یہاں "حدیث کلاب حوأب" کے حوالے سے بات ہو رہی ہے جسے روایت کرنے کی بناء پر ائمہ رجال نے حضرت قیس بن ابی حازم کو "منکر الحدیث" قرار دیا۔

یہ بحث میرے موضوع سے اگر چہ خارج تھی لیکن روزنامہ اسلام کے زیر بحث کالم میں سب سے زیادہ زور قیس بن ابی حازم کی وثاقت و تعدیل ثابت کرنے (حالانکہ اس کا کوئی بھی منکر نہیں ہے) اور کتب حدیث میں ان کی مرویات کی تعداد بتا کر "علم و انصاف اور دیانت و امانت کا خون کر کے طعن و تشنیع، خلط مبحث اور کذب و افتراء کے سہارے "عظیم

تحقیقی کتاب'' پر یہ الزام عائد کیا گیا ہے کہ اس میں قیس بن ابی حازم جیسے کثیر الروایت کو ''منکر الحدیث'' قرار دیا گیا ہے جس سے کتب حدیث میں ان سے مروی حدیث'' کلاب حوأب'' سمیت تمام احادیث کو مردود ٹھہرانا پڑے گا۔

جبکہ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ''عظیم تحقیقی کتاب'' میں اس چیز کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں پایا جاتا۔

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا
وہ بات ان کو بہت ناگوار گذری ہے

حضرت مفتی صاحب!

''عظیم تحقیقی کتاب'' میں قیس بن ابی حازم پر ''منکر الحدیث'' کے الفاظ سے جرح یا حدیث کلاب حوأب کا اشارہ تک نہیں لیکن آپ کے اخبار روزنامہ اسلام میں یہ ظلم ڈھایا گیا کہ خود ہی ''صغریٰ اور کبریٰ'' لگا کر بالکل خلاف حقیقت اور منفی نتیجہ اخذ کر لیا گیا کہ:

''اس طرح تو قیس بن ابی حازم کی جملہ مرویات کو کتاب میں مردود ٹھہرا دیا گیا ہے تو پھر ''وہ کس منہ سے ''سنت'' کو محفوظ سمجھنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ایسی ذہنیت والے کے لئے بس دعائے ہدایت ہی کی جا سکتی ہے''۔(روزنامہ اسلام 18 اکتوبر 2016)

(۲۵۰)	اوپر دی گئی تفصیل کی روشنی میں 'ایسی ذہنیت والے کے لئے' اخلاقی وشرعی تقاضے کے پیش نظر کیا آپ کوئی فتویٰ دینا پسند فرمائیں گے؟

آپ ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

تلك عشرة كاملة

حضرت مفتی صاحب!

زیر نظر ''کھلے خط'' میں ''روزنامہ اسلام'' میں بتائی گئیں ہدایات (حوالے پیچھے گذر

چکے ہیں) کے عین مطابق معروضات پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔روزنامہ اسلام میں شائع ہونے والے زیر تبصرہ ''مضامین'' کے برعکس ''خلط مبحث، طعن و تشنیع، مغالطہ دہی، فریب دہی، کذب بیانی اور افتراء پردازی'' سے کلی طور پر اجتناب کرتے ہوئے ''اختلاف رائے کی حدود کے اندر رہتے ہوئے بحث کے علمی اصولوں کے مطابق، دوسرے کے موقف کے دلائل کو خوب سمجھ کر اور اس کے ''مالہ و ماعلیہ'' پر عبور حاصل کرنے کے بعد پوری احتیاط کے ساتھ ''قلم'' استعمال کیا گیا ہے۔''

علاوہ ازیں اس ''ہدایت'' کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے کہ:

''غلط بیانی دشمن کے بارے میں بھی نہیں کرنی چاہئے، اور اگر کوئی کرے تو پھر حقیقت کا بیان کر دینا فرض ہے۔''

مزید برآں اس ''ہدایت'' کی بھی سختی کے ساتھ پابندی کی گئی ہے کہ:

کھلا خط لکھنے سے پہلے روزنامہ اسلام میں شائع ہونے والے 12 کالموں (علامہ طبری...مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز، احتیاط لازم ہے اور کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟) کا بہ نظر عمیق اور تازہ مطالعہ کیا گیا ہے۔

نیز اس ''ہدایت'' کو بھی بطور خاص ملحوظ رکھا گیا ہے کہ:

جب کوئی سیکولر یا نادان صحافی ''سہواً'' یا کوئی دانا ''عالم'' قصداً وعمداً خلافِ تحقیق طبع آزمائی کرے تو اسے ضرور آئینہ دکھانا چاہئے۔

پوری کوشش کے باوجود ''سہواً یا نادانستہ'' طور پر اگر کسی ''ہدایت'' پر عمل نہیں ہو سکا تو معافی کا خواستگار ہوں۔

حضرت مفتی صاحب!

آپ نے اپنے اخبار میں شائع ہونے والے مضامین بالخصوص ''کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟'' کی تیسری اور آخری قسط کا ''تجزیہ'' ملاحظہ فرمالیا ہے اس کی رو سے کم از کم یہ بات تو آپ پر اب روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ہوگی کہ ایک دینی اور اسلامی اخبار میں قصداً وعمداً ''کذب و

افتراء' کا عظیم مظاہرہ کیا گیا ہے اور کسی "صغریٰ" کی اشارتاً بھی موجودگی کے بغیر اپنی طرف سے گھڑ کر انتہائی غلط اور بالکل باطل نتائج اخذ کئے گئے ہیں۔ جس کی مثال کسی بھی مہذب معاشرے میں ناپید ہے۔ صد افسوس کہ روزنامہ اسلام نے یہ کارنامہ بھی سرانجام دے دیا۔

کتاب ''امام طبری کون؟ مورخ مجتہد یا افسانہ ساز'' سے متعلق چند توضیحات

حضرت مفتی صاحب!

اب چند امور میری کتاب ''امام طبری کون؟ مورخ، مجتہد یا افسانہ ساز'' کے متعلق بھی ملاحظہ فرمالیں:

اولاً:۔

کتاب کا نام روزنامہ اسلام میں شائع ہونے والے پانچ قسطوں پر مشتمل مضمون ''علامہ طبری..مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز'' سے ماخوذ ہے۔ صرف ''علامہ'' کے بجائے ''امام'' لکھ دیا گیا اور ''کون؟'' کے سوالیہ کلمہ کا اضافہ کیا گیا۔ یعنی ''امام طبری کون؟... مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز''

ثانیاً:۔

اصل ''نفسِ مسئلہ'' صرف یہ ہے کہ ''قصہ زیدؓ و زینبؓ اور غرانیق'' سے متعلق امام طبری کی منقولہ روایات منافی عصمت ہیں یا نہیں؟

ثالثاً:۔

اس ضمن میں ''حضرت آدم، حضرت ابراہیم، حضرت یوسف، حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام'' سے متعلق بھی طبری کی منقولہ روایات زیر بحث آئی ہیں جنہیں پڑھ کر ہر

مومن پکار اٹھے گا کہ یہ روایات یقیناً ''منافی عصمت اور مبنی بر توہین'' ہیں۔

رابعاً:۔

کتاب میں صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت معاویہؓ کی توہین کے حوالے سے بھی امام طبری کے ''تعارف'' اور روزنامہ اسلام کے ادارتی صفحات کی زینت بننے والے بالاقساط مضامین ''تاریخ صحابہ اور راہ اعتدال، ایک خط اور اس کا جواب'' کے ردعمل کے طور پر ضمناً بحث آئی ہے۔

خامساً:۔

کتاب میں ''وَتُخۡفِیۡ فِیۡ نَفۡسِكَ'' کے تحت مفسرین کے دو اقوال پیش کر کے ایک تیسرے ''احتمال'' کا بھی ذکر کر کے اس پر پیدا ہونے والے ''نحوی'' اشکال کو رفع کیا گیا ہے۔ اسے میرا ''تفرّد'' بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔

سادساً:۔

اسی طرح حضرت زیدؓ سے متعلق دیگر موضوعات، سیدہ ام ایمنؓ، سیدہ ام کلثومؓ بنت عقبہ، سیدہ درّہؓ بنت ابی لہب، سیدہ زینبؓ بنت جحشؓ بھی ضمناً زیر بحث آئے ہیں تا کہ قارئین کو ایک ہی کتاب میں تمام متعلقات کے بارے میں آگاہی حاصل ہو جائے۔

سابعاً:۔

قصہ زیدؓ و زینبؓ کا تعلق ظاہر ہے کہ تین ''شخصیات مقدسہ'' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کے ساتھ ہے۔ حضرت زینبؓ کے بارے میں (طلاق کے سبب کے طور پر) ہماری کتب میں جو باتیں منسوب کی گئی ہیں وہ ہرگز ان کے شایانِ شان نہیں ہیں۔ اس پر ایک مستقل عنوان ''کیا حضرت زینبؓ ہی قصوروار ہیں'' کے تحت بحث کی گئی ہے۔ اسے بھی متقدمین ومتاخرین اور دیگر محققین کے چند ''تفرّدات'' کی طرح میرا ''تفرد'' قرار دے دیں۔

ثامناً:۔

جو لوگ ''سند'' پیش کرنے کی بناء پر امام طبری کا ''دفاع'' کرتے ہیں۔ ان کی

خدمت میں ''عقیدہ عصمت انبیاء علیہم السلام اور مشاجرات صحابہؓ کا شرعی حکم'' پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ''بلا تحقیق نقل روایت'' کے شرعی حکم کی طرف بھی ان کی توجہ مبذول کرائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

(۲۶۹)	کیا امام طبری بلا تحقیق نقل روایت کے شرعی حکم سے مستثنیٰ ہیں؟
(۲۷۰)	کیا امام طبری پر فرمان الٰہی کہ:یا ایھا الذین امنوا ان جاء کم فاسق بنبا فتبینوا... اور فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:کفی بالمر کذبا ایحدث بکل ما سمع'' کا اطلاق نہیں ہوتا؟

تاسعاً:۔

کتاب میں اصل بحث اور اصل نفس مسئلہ امام طبری کی منقولہ روایات (دربارہ انبیائے عظام علیہم السلام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان) کا منافی عصمت اور مبنی برتوہین ہونا یا نہ ہونا ہی ہے۔

جہاں تک اس بحث کا تعلق ہے کہ امام طبری دو تھے یا ایک تھا،وہ سنی تھا یا شیعہ تھا؟ان کی منقولہ روایات میں ''سنیت'' کی تائید پائی جاتی ہے یا شیعیت کی،ان روایات سے شیعہ استدلال کرتے ہیں یا سنی؟تو میرے نزدیک کسی بھی مصنف یا مؤلف کی ذات سے متعلق اس طرح کی بحث یا گفتگو ''ثانوی'' حیثیت رکھتی ہے کیونکہ مسئلہ کی تحقیق خصوصاً امام طبری کی منقولہ روایات کی تحقیق میں ان کے ''رفض وتشیع،یا جلالت وامامت اور تسنّن'' کی پرکاہ کے برابر بھی کوئی حیثیت نہیں ہے جب تک کہ کوئی شخص ان کے ''نظریے،عقیدے اور امامت'' سے استدلال نہ کرے۔

لیکن اگر بات ''روایت'' کی ہے تو وہ ''سنی ہو یا شیعہ'' ہماری بلا سے ہم تو ''روایت و حدیث'' پر ''اصول درایت وروایت حدیث'' کی روشنی میں ہی گفتگو کریں گے۔

امام بخاری کی شخصیت اور امامت وجلالت قدر پر کون انگلی اٹھا سکتا ہے؟

(۱۷۲)	کیا ان کی دیگر تصنیفات ''جزء رفع یدین، جزء قرأۃ فاتحہ خلف الامام، تاریخ کبیر اور تاریخ صغیر'' کو ان کی شخصیت کی وجہ سے اس درجہ میں آپ مان لیں گے جس درجہ میں ان کی تالیف ''صحیح بخاری'' کو تسلیم کرتے ہیں؟

اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر بات ''اصول'' کی ہوئی نہ کہ شخصیت کی۔

اس لئے امام طبری ''سنی اور کٹرسنی'' بھی ثابت ہو جائیں اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ ان کی منقولہ ''منافی عصمت اور مبنی بر توہین'' روایات بھی ''صحیح اور سنّی'' ہو جائیں گی۔

عاشراً:۔

سہو وخطاء کا صدور تو ہر ''انسان'' سے ممکن ہے۔یہ نہ تو کوئی ''عیب وجرم'' ہے اور نہ ہی اس کے اعتراف سے کسی کی توہین وتنقیص واقع ہوتی ہے بلکہ اس کے مقام ومرتبے میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔اہل علم اور سلفِ صالحین کا ہمیشہ سے یہ شیوہ رہا ہے کہ جوں ہی ان پر حق بات واضح ہوئی تو انہوں نے فوراً بلا تاخیر اپنے سابقہ موقف سے رجوع کرلیا۔اس طرح کی مثالوں سے تو ہمارا دینی لٹریچر بھرا ہوا ہے۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں صرف دو مثالیں عرض کردی جائیں اگر چہ وہ آپ کے لئے ''تحصیل حاصل'' کے درجے میں ہیں:

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی کتاب ''زادالسعید،نشر الطیب اور نیل الشفاء بنعل المصطفیٰ'' میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک کا نقشہ اور اس کے فضائل ومناقب کا ذکر کیا تھا۔لیکن کافی عرصہ بعد جب انہیں اس کے مفاسد کی طرف توجہ دلائی گئی تو موصوف نے یوں وضاحت فرمائی کہ:

''اب الحمدللہ! دوسرے علماء کی تحریر سے بھی میرے مقصود کی تائید ہوگئی،پس کسی کو غلو کی گنجائش نہیں رہی اور اس مفصل ومکمل تحقیق کے بعد احقر کی تحریرات میں باہم بھی اور دوسرے حضرات اہل تحقیق کی تحریر سے تعارض کا شبہ ہو تو اس کے لئے میں اعلان کررہا ہوں کہ دوسرے حضرات کی تحقیق پر عمل کیا جائے،اور میری تحریر کو ''مرجوح بلکہ مجروح وممنوع عنہ بلکہ مرجوع عنہ'' سمجھا جاوے فقط ۲۱۔ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ'' (امدادالفتاویٰ ص ۳۷۵ جلد ۴۔مطبوعہ دارالعلوم کراچی)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے حضرت تھانویؒ کے اس رجوع سے عدم تحقیق کی بناء پر حضرتؒ کا وہی سابقہ موقف اپنے ایک خطبے میں پیش کر دیا کہ:

''اس رسالے میں حضرت تھانویؒ نے ایک کام کی چیز اور ایک نعمت اور دے دی ہے وہ ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک کا نقشہ اس نقشے کے بارے میں بزرگوں کا تجربہ یہ ہے کہ سخت مصیبت، بیماری اور پریشانی کی حالت میں اگر نعلین مبارک کے اس نقشے کو اپنے سینے پر رکھ دیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے پریشانی اور مصیبت کو دور فرما دیتے ہیں، اس لئے کوئی گھر اس رسالے سے خالی نہیں ہونا چاہئے'' (اصلاحی خطبات جلد ۶ ص ۹۵)

پھر جب حضرت عثمانی صاحب کو بتایا گیا کہ حضرت تھانویؒ نے اس سے رجوع فرما لیا تھا تو موصوف اور مرتب ''اصلاحی خطبات'' مولانا عبداللہ میمن صاحب دونوں نے یقین دہانی کرائی کہ ''تصحیح والے نسخے میں اس کو قلم زد کر دیا ہے جدید طباعت میں اس کو نکال دیا جائے گا... دوسرے ایڈیشن میں اس کو حذف کر دیا جائے گا۔

لیکن یہ بات باعث تعجب ہے کہ موصوف واضح الفاظ میں رجوع نہیں کر سکے اور بعد والے ایڈیشن میں اس چیز کا سرے سے کوئی ذکر نہیں کیا گیا البتہ متعلقہ مقام یعنی صفحہ نمبر ۹۵ پر اس ''عنوان'' کو حذف کر دیا گیا۔ لیکن یہ عنوان فہرست مضامین سے حذف نہ کیا جا سکا۔ چنانچہ ''درود شریف ایک اہم عبادت'' کے تحت نمبر شمار ۲۳ کے ذیل میں سابقہ عنوان ہی قائم کیا گیا ہے: ''نعلین مبارک کا نقشہ اور اس کی فضیلت'' صفحہ نمبر ۹۵۔

مزید یہ ہوا کہ کتاب کے صفحہ ۴ پر تاریخ اشاعت اول فروری ۱۹۹۶ء والی لکھی گئی۔ یہ بات یقیناً باعث حیرت ہے کہ ۱۹۹۷ء میں اس عبارت کو نکالنے کا وعدہ کیا گیا اور حسب وعدہ ''مرجوع عنہ'' عبارت نکال دی گئی لیکن فہرست مضامین میں اسے جوں کا توں برقرار رکھا گیا اور اس طباعت کی تاریخ بھی ''اشاعت اول'' والی ہی ظاہر کی گئی! بہر حال نئی عبارت یہ ہے:

''اس لئے صرف وہ درود پڑھنے چاہئیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، دوسرے درود نہیں پڑھنے چاہئیں لہٰذا حضرت تھانویؒ کی کتاب ''زاد السعید'' ہر شخص کو

اپنے گھر میں رکھنا چاہئے اور اس میں بیان کئے ہوئے درود شریف پڑھنے چاہئیں"۔
(اصلاحی خطبات ص ۹۵۔ اشاعت اول فروری ۱۹۹۶ء)

البتہ ایک دوسرے "فتویٰ" سے واضح الفاظ میں "رجوع" کیا گیا ہے جسے ہفت روزہ "ضرب مومن" نے بڑے اہتمام سے شائع بھی کیا ہے۔

"کرنسی نوٹوں کے بارے میں ایک سابق فتویٰ سے رجوع"

مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ۔

اس "رجوع نامے" پر "ضرب مومن" نے اپنی طرف سے حسب ذیل "تمہیدی نوٹ" بھی دیا ہے:

"علم و تحقیق کی دنیا میں دیانت و امانت کا جو مظاہرہ ہمارے اکابر نے کیا ہے اس کی مثال دنیا میں کم ہی پائی جاتی ہے۔ ہمارے اسلاف کی یہ شان رہی ہے کہ انہیں اپنے کسی فتویٰ یا علمی تحقیق پر نظر ثانی کی طرف توجہ دلائی گئی اور انہیں غور و فکر کے بعد اس سے رجوع کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہوں نے برملا اس کا اعلان کرنے میں کبھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔ یہ ان کے اخلاصِ کامل اور للّٰہیت کی روشن دلیل ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کا شمار اس دور کی نابغۂ روزگار علمی ہستیوں میں ہوتا ہے۔ زیر نظر مضمون میں انہوں نے اپنے شاگردوں جیسے ایک نوجوان فاضل کے توجہ دلانے پر اپنی ایک تحقیق سے رجوع کا اعلان اور اپنی دو کتابوں میں ترمیم کی ہے جو ان کی بلند پایہ علمیت کے ساتھ ان کے اخلاص و تقویٰ کامل کی علامت ہے۔ "ضرب مومن" ان کی بھیجی گئی اس تحریر کو ان کے انتہائی تشکر اور اپنے لئے اعزاز و افتخار کے احساس کے ساتھ شائع کر رہا ہے۔"

کاش! اس "رجوع" پر "نوٹ" لگانے والے بزرگ "شاگردوں جیسے نوجوان فاضل" کا ذکر کرنے سے پہلے حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب کی بھیجی گئی تحریر سے ان کے استاذ محترم کا

ذکر بھی کر دیتے۔ چنانچہ موصوف خود اسی تحریر کے بالکل آغاز میں فرماتے ہیں کہ:

''احقر کے استاذ محترم حضرت مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم نے ازراہ شفقت اس مضمون کا مطالعہ فرمانے کے بعد ایک مرتبہ احقر سے زبانی طور پر اس مضمون کے بارے میں کچھ اشکالات ذکر فرمائے تھے جو اس وقت کی سرسری گفتگو میں مجھ پر پوری طرح واضح نہ ہو سکے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت مدظلہم نے اس کے بارے میں کوئی تحریر بھی مرتب فرمائی ہے جو حضرت والا کے مجموعہ فتاویٰ ''احسن الفتاویٰ'' میں شائع ہو چکی ہے۔ احقر کی اپنی کوتاہی، مصروفیات اور اسفار کی وجہ سے اس تحریر سے عرصہ دراز تک فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں ملا۔ اب کچھ روز پہلے مولانا محمد عامر صاحب کے توجہ دلانے پر مجھے یہ تحریر اطمینان سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس کے نتیجے میں مجھے ایک مسئلہ میں اپنی سابق رائے سے رجوع کا اعلان کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اس غرض سے یہ تحریر شائع کی جا رہی ہے۔'' (ہفت روزہ ضرب مومن: 13 تا 19 محرم 1425ھ/5 تا 11 مارچ 2004ء)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا ایک اور ''رجوع'' بھی ملاحظہ فرمائیں:

1960ء کی دہائی میں مولانا مودودی صاحب کو یہ ''شرف'' حاصل ہوا کہ انہوں نے اپنے ایک طویل مضمون ''خلافت راشدہ سے ملوکیت تک'' میں حضرت عثمان، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت عمرو بن عاص، حضرت ابوسفیان، حضرت معاویہ اور حضرت مروان رضی اللہ عنہم کی خوب توہین و تنقیص کی۔ ان مضامین کو پہلی بار اکتوبر 1966ء میں کتابی صورت دی گئی جو ''خلافت و ملوکیت'' کے نام سے لاہور سے شائع ہوئی۔ اس کے خلاف علماء کرام نے اپنے شدید ردعمل کا اظہار کیا۔ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب پہلے ''البلاغ'' میں اس کتاب کا جواب لکھتے رہے جسے بعد میں ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق'' کے نام سے 1971ء میں کتابی صورت میں شائع کیا۔ (راقم الحروف کے پاس اس کا جو ایڈیشن ہے اس پر تاریخ طباعت جمادی الثانیہ 1401ھ/اپریل 1981ء درج ہے) جس کا جواب الجواب وفاقی شرعی عدالت کے سابق جج اور جماعت اسلامی کے

ترجمان جناب ملک غلام علی صاحب نے ماہنامہ ترجمان القرآن میں ''خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ'' کے نام سے دیا۔جو کتابی صورت میں پہلی مرتبہ اکتوبر 1972ء میں شائع ہوئی۔راقم الحروف کے پاس اس کتاب کا پانچواں ایڈیشن (نومبر 1984ء) ہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے حضرت مروان رضی اللہ عنہ کے خلاف مودودی صاحب کی ''مستدل'' اس روایت (کہ ''مروان کے باپ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی تھی جب کہ مروان ابھی تک اس کی صلب میں تھا۔'' خلافت وملوکیت ص 151) کو پہلے ''البلاغ'' (ذی الحجہ 1390ھ/فروری 1971ء) میں مشکوک ومشتبہ قرار دیا لیکن بعد میں ملک غلام علی صاحب کے دلائل سے متاثر ہو کر اس ''دعویٰ'' سے رجوع کرلیا۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں کہ:

''یہاں ایک بات کا اعتراف کرنا میں دیانتاً ضروری سمجھتا ہوں اگرچہ وہ براہ راست موضوع سے متعلق نہیں اور وہ یہ کہ میں نے مروان بن حکم کی مذکورہ روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے ضمناً یہ بھی لکھا تھا کہ اس روایت کے آخری الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ ''لعن اللہ الحکم وماولد'' بہت مشکوک اور مشتبہ ہیں۔مجھے اس وقت تک اس حدیث کی تحقیق نہیں تھی۔ملک غلام علی صاحب کے توجہ دلانے پر میں نے مستدرک حاکم کی طرف رجوع کیا۔ملک صاحب کے دیے ہوئے حوالے کے مطابق اس کے صفحہ ۴۸۱ جلد ۴ پر مجھے یہ حدیث سند صحیح کے ساتھ مل گئی جس کی امام ذہبیؒ نے بھی توثیق کی ہے۔''

(حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق ص ۱۷۵۔۱۷۶۔مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی جمادی الثانیہ ۱۴۰۱ھ/اپریل ۱۹۸۱ء)

اس طرح موصوف نے حضرت مروان رضی اللہ عنہ کے خلاف امام حاکم کی اس موضوع روایت کو امام ذہبی کی توثیق کے ساتھ صحیح تسلیم کرتے ہوئے دیانتاً اپنے سابقہ قول سے رجوع کرلیا۔فیا اسفا!

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اس ''رجوع'' پر بھی زیادہ سے زیادہ چار ماہ تک ہی قائم رہ سکے پھر اس ''رجوع'' سے بھی ''رجوع'' کرلیا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

''احقر نے ذی الحجہ (1390ھ) کے البلاغ میں لکھ دیا تھا کہ ملک صاحب کے دیے ہوئے حوالے کے مطابق مستدرک صفحہ 481 جلد 4 پر مجھے یہ حدیث سند صحیح کے ساتھ مل گئی جس کی حافظ ذہبی نے بھی توثیق کی ہے۔ اب ربیع الثانی (1391ھ) کے بیّنات میں حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے میری اس عبارت پر گرفت کرکے حدیث کی مکمل تحقیق درج فرمائی ہے۔ اب میں مولانا مفتی ولی حسن صاحب مدظلہم کی تحقیق پر مطمئن ہوں اور اس تنبیہ پر ان کا شکر گزار۔ مجھے مدیر بیّنات (مولانا محمد ادریس میرٹھی) کے ان الفاظ سے بھی پورا اتفاق ہے کہ ہمارے بزرگوں کا ذوق یہی ہے کہ مروان کو نہ صحابہ کرام کے مخصوص لقب رضی اللہ عنہ سے جا بجا یاد کرتے ہیں نہ اس پر زبان طعن دراز کرتے ہیں۔'' (ماہنامہ البلاغ۔ جمادی الاولیٰ 1391ھ/ جولائی 1971 بحوالہ خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص 483)

موصوف کے اس ''رجوع عن الرجوع'' پر تبصرہ کرتے ہوئے ملک غلام علی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اب البلاغ کی یہ مراجعت کیا اس امر کا واضح ثبوت نہیں ہے کہ یہ لوگ اپنے گروہ کی حد تک ''من تراحاجی بگویم تو مراحاجی بگو'' کی روش پر کاربند ہیں۔ صحیح بات سے ہٹنا اور غلط بات پر ڈٹنا ان کے لیے بالکل سہل ہے جسے یہ اپنے حلقے کا آدمی سمجھتے ہیں وہ اگر نہایت کمزور اور واہی بات کہہ دے تب بھی اسے لپک کرلیں گے اور جو ان کی یونین کا ممبر نہ ہو اس کے معاملے میں ان کی ''فراخ دلی'' فوراً ان کا ساتھ چھوڑ دے گی۔ ان حضرات سے میری یہ گذارش ہے کہ ''جمہور اہل سنت کے مسلک'' اور ''آپ کے اکابر کے ذوق'' کی تحقیق کے تقاضے محض ستائش باہمی سے پورے نہیں ہوسکتے۔ نہ علمی بحثوں میں بودا اور غیر محکم استدلال محض اس طرح کی پھبتیوں سے مؤثر اور جاندار ہوسکتا ہے...

دلیل سے بات منایئے اور منوایئے ،محض طعن وتشنیع اور ہمز ولمز سے کام نکالنے کی سعی ناکام نہ فرمایئے ۔" (خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص483-484 طبع پنجم۔نومبر 1984ء)

حضرت عثمانی صاحب پر ملک صاحب کی اس "نصیحت" کا بھی خاطر خواہ اثر ہوا اس لیے انہوں نے مفتی ولی حسن صاحب کو تو البلاغ جمادی الاولی 1391ھ/جولائی 1971ء میں یہ اعلان کر کے مطمئن کر دیا کہ "میں ان کی تحقیق پر مطمئن ہوں اور اس تنبیہ پر ان کا شکرگزار" کہ حدیث "لعن اللّٰہ الحکم وماولد" صحیح نہیں ہے ۔

اور ملک غلام علی صاحب کو یوں مطمئن کر دیا کہ آپ کی "مستدل" حدیث صحیح ہے جس کی توثیق امام ذہبی جیسی شخصیت کر چکی ہے اس لیے میں نے اپنے سابقہ الفاظ (کہ "لعن اللّٰہ الحکم و ماولد") "مشکوک اور مشتبہ" ہیں سے تو پہلے ہی رجوع کر کے البلاغ ذی الحجہ 1390ھ/فروری 1971ء میں دیا تھا اس کا باقاعدہ اعلان کر دیا تھا ۔

بعد میں جب مفتی ولی حسن صاحب نے اس "رجوع" پر میری گرفت فرمائی (ملاحظہ ہو بیّنات ربیع الثانی 1391ھ/جون 1971ء) تو "ادبا" میں نے ان کی تحقیق کے ساتھ بھی اتفاق کا اعلان البلاغ جمادی الاولی 1391ھ/جون 1971ء میں کر دیا؛ لیکن وہ صرف البلاغ کے اسی شمارے تک محدود رہے گا اور اپنے سابقہ رجوع کو ہی کتاب کا حصہ بنا دیا جائے گا جس سے حدیث "لعن اللّٰہ الحکم وماولد" کا صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے (العیاذ باللہ)

چنانچہ حضرت موصوف نے بعد میں ملک غلام علی صاحب کی تائید میں اپنے سابقہ موقف سے رجوع کو ہی حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق کا حصہ بنایا ۔

اگر راقم الحروف کا یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط ہے تو حضرت عثمانی صاحب خود ہی اس بات کی وضاحت فرما دیں کہ:

جب ان دونوں حضرات نے البلاغ اور ترجمان القرآن کے سلسلۂ مضامین کو (قلمی بحث کے اختتام پذیر ہونے کے بعد) کتابی صورت میں شائع کیا تو جس طرح ملک غلام علی صاحب نے اس سلسلہ میں ترجمان القرآن کے تمام مندرجات کو (مع اضافات) اپنی

کتاب کا حصہ بنایا تو موصوف نے مفتی ولی حسن صاحب کی تحقیق کے ساتھ اتفاق کے اعلان (البلاغ جمادی الاولیٰ 1391ھ / جولائی 1971ء) کو اپنی مایہ ناز کتاب "حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق" کا حصہ کیوں نہیں بنایا؟

نیز اس کتاب کو خلافت وملوکیت کے جواب میں البلاغ کی آخری قسط (ذی الحجہ 1390ھ) تک ہی کیوں محدود رکھا؟ جب کہ موصوف کی کتاب بھی مفتی ولی حسن صاحب کی تحقیق کے ساتھ "اتفاق" کے اعلان (البلاغ جمادی الاولیٰ 1391ھ) کے بعد شائع ہوئی تھی اور اب تک اس کے متعدد ایڈیشن بھی شائع ہو چکے ہیں۔

کیا یہ قابل افسوس بات نہیں ہے کہ حضرت عثمانی صاحب کی کتاب میں حدیث "لعن اللّٰہ الحکم وماولد" کے بارے میں ملک غلام علی صاحب کے ساتھ "اتفاق" کا "دیانتاً" اعلان تو موجود ہے لیکن پوری کتاب میں مفتی ولی حسن صاحب کی تحقیق کے ساتھ اتفاق کا کہیں اشارتاً وکنایتاً بھی ذکر نہیں ملتا؟

کیا کتاب "حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق" کے قارئین اس سے یہ نتیجہ اخذ کریں گے کہ موصوف اپنے اس "رجوع" پر اب بھی قائم ہیں کہ؟ "یہاں ایک بات کا اعتراف کرنا میں دیانتاً ضروری سمجھتا ہوں اگر چہ وہ براہ راست موضوع سے متعلق نہیں اور وہ یہ کہ میں نے مروان بن حکم کی مذکورہ روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے ضمناً یہ بھی لکھا تھا کہ اس روایت کے آخری الفاظ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ "لعن اللّٰہ الحکم وماولد" بہت مشکوک اور مشتبہ ہیں۔

مجھے اس وقت تک اس حدیث کی تحقیق نہیں تھی۔ ملک غلام علی صاحب کے توجہ دلانے پر میں نے مستدرک حاکم کی طرف رجوع کیا۔ ملک صاحب کے دیے ہوئے حوالے کے مطابق اس کے صفحہ 481 جلد 2 (4) پر مجھے یہ حدیث سند صحیح کے ساتھ مل گئی جس کی امام ذہبیؒ نے بھی توثیق کی ہے۔" (حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق ص 175-176۔ طبع اپریل 1981ء)

حضرت عثمانی صاحب کے اس "رجوع" اور حدیث "لعن اللّٰہ الحکم وماولد" کی تصحیح و توثیق کے بعد ان کے متعدد قارئین حضرت حکم رضی اللہ عنہ اور حضرت مروان رضی اللہ عنہ کے بارے میں یقیناً بدظنی اور ضلالت کا شکار ہوں گے۔

حضرت مفتی صاحب!

(۲۷۲)	معلوم نہیں کہ "روزنامہ اسلام" میں منافی عصمت ومبنی بر توہین روایات کی اشاعت کو 15 ماہ کا عرصہ گزر جانے کے بعد "ادارہ" کو مذکورہ روایات اور طعن و تشنیع، کذب بیانی، فریب دہی اور افتراء پردازی پر مبنی مضامین سے "رجوع" کرنے اور ہفت روزہ ضرب مومن اور روزنامہ اسلام میں اس طرح کا "تمہیدی نوٹ" لگانے کی توفیق کب نصیب ہوتی ہے؟

تلك عشرة كاملة

معاصر دینی جرائد کی اوریا مقبول جان کے کالم کی تائید

حضرت مفتی صاحب!

(۲۷۳)	یہ بات بھی بعید از فہم ہے کہ محترم اوریا مقبول جان صاحب کے مضمون بعنوان "ایک عظیم تحقیقی کتاب" کی اشاعت کے صرف ایک دن بعد اتنی عجلت میں اوریا مقبول جان صاحب اور زیر تبصرہ کتاب "امام طبری کون؟ مورخ، مجتہد یا افسانہ ساز" کے ساتھ عناد اور غیظ وغضب کا مظاہرہ کرتے ہوئے "روزنامہ اسلام" نے تین قسطوں میں اس مضمون کا جواب دینا کیوں "فرض عین" سمجھا؟

حضرت مفتی صاحب!

اس مضمون کی "علمی و اسلامی" حیثیت تو میں نہایت ہی تفصیل کے ساتھ واضح کر چکا

ہوں یہاں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر جناب اوریا صاحب کے کالم میں فی الواقع کوئی ''خلافِ شرع'' بات ہوتی (جس کے ''ازالہ'' کی ضرورت صرف روزنامہ اسلام کو محسوس ہوئی) تو ملک کے دینی جرائد اوریا مقبول جان صاحب کے کالم کی تائید و تصدیق کرتے ہوئے اسے اپنے رسائل و جرائد میں (بالخصوص اس کالم کے خلاف روزنامہ اسلام میں مسلسل تین دن کی ''یلغار و جارحیت'' کے بعد) کیوں شائع کرتے؟ حالانکہ ان رسائل کو ''تحفظ ناموس رسالتؐ و صحابہؓ'' کے محاذ پر مالی و جانی خدمات بجا لانے کی وجہ سے جو مقام حاصل ہے وہ روزنامہ اسلام اگر آئندہ پوری احتیاط اور پورے اخلاص کے ساتھ بھی کام کرے تو سو سال بعد بھی اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔

خانوادہ امیر شریعتؒ کی دینی و ملی خدمات سے برصغیر کا ہر تعلیم یافتہ اور ہر مسلک سے وابستہ فرد بخوبی آگاہ ہے۔ماہنامہ نقیب ختم نبوت نے روزنامہ اسلام میں (16 تا 18 اکتوبر 2016) زیرِ تبصرہ کتاب اور محترم اوریا مقبول جان صاحب پر کی گئی ''یلغار'' کے بعد اپنے نومبر کے شمارے میں جناب اوریا مقبول جان صاحب کا کالم ''من و عن'' شائع کر دیا۔ملاحظہ ہو: ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان ص 12 تا 14۔نومبر 2016ء)

جناب اوریا مقبول جان صاحب نے تو ''ایک عظیم تحقیقی کتاب'' کے عنوان سے کالم لکھا تھا مگر ''نقیب ختم نبوت'' نے فہرست عنوانات میں ہی پورا نام دے دیا کہ: ''ایک عظیم تحقیقی کتاب: ''امام طبری کون؟ مؤرخ مجتہد یا افسانہ ساز' اوریا مقبول جان۔(حوالہ مذکور ص 1)

''ماہنامہ الاحرار'' کو تو جناب اوریا صاحب پر ''اتنا اعتماد ہے کہ'' وہ ایک عرصہ سے منتخب کالم ''حرفِ راز'' کے تحت اپنے شمارے میں ان کے کالم باقاعدگی سے شائع کر رہا ہے۔ان میں وہ کالم بھی شامل ہے جو اوریا صاحب نے روزنامہ ایکسپریس میں ''ایک عظیم تحقیقی کتاب'' کے عنوان سے شائع کیا ہے۔ملاحظہ ہو: ماہنامہ الاحرار ص 42 تا 44۔ نومبر 2016ء۔کالم کے شروع میں ''الاحرار'' کا یہ نوٹ ملاحظہ فرمائیں:

''اوریا مقبول جان صاحب پاکستان کی بیوروکریسی اور صحافت کا ایک معروف نام

ہیں۔موصوف کی فکر انگیز تحریریں مختلف اخبارات وجرائد میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔آج کل وہ ایک بڑے اخبار سے منسلک ہیں اور کالم تحریر کرتے ہیں۔قارئین الاحرار کی خدمت میں اوریا مقبول جان کے چند منتخب کالم پیش کئے جارہے ہیں۔" (ادارہ)

اس پر مستزاد یہ کہ ماہنامہ الاحرار نے "ایک عظیم تحقیقی کتاب" کے آغاز ہی میں 'امام طبری کون؟ مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز' کے ٹائٹل کی خوبصورت تصویر بھی شائع کردی۔(حوالہ مذکور ص ۴۲)

ماہنامہ شمس الاسلام نے "تو کمال ہی کردیا کہ" اس نے جناب اوریا صاحب کے کالم "ایک عظیم تحقیقی کتاب" سے پہلے "ادارہ" کی طرف سے حسب ذیل تمہیدی نوٹ تحریر کیا کہ:

"مسلمانوں کی تاریخ تعصب، عناد، فرقہ واریت اور ذاتی انا کا مجموعہ ہے۔اسلام اور مسلمانوں کے چہرہ کو مسخ کرنے میں اس کا بڑا ہاتھ ہے۔آج کی تمام فرقہ واریت اسی تاریخ کا نتیجہ ہے۔روایات نے بھی اس میں اپنا حصہ ڈال کر معاملہ الجھایا۔

جناب اوریا مقبول جان صاحب بڑی جرأت سے اسلام اور مسلمانوں کا دفاع کرتے ہیں۔دین پسند حضرات ان کے کالموں کو شوق سے پڑھتے اور داد تحسین دیتے ہیں۔ان کا ایک کالم روزنامہ ایکسپریس میں "ہمارے افسانہ ساز مؤرخین" شائع ہوا۔حسب دستور، "روایات ونظریات" کے پابند حضرات نے ردعمل کا اظہار کیا۔

معروف محقق عالم دین جناب علامہ قاضی محمد طاہر علی الہاشمی صاحب مدظلہ کی اس موضوع پر ایک ضخیم تحقیقی کتاب 'امام طبری کون؟ مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز' حال ہی میں منظر عام پر آئی۔ان شاء اللہ اس کا تعارف وتبصرہ اگلی اشاعت میں ہدیہ قارئین شمس الاسلام ہوگا۔

ہم جناب اوریا مقبول جان صاحب کی اس کاوش کو مسلمانوں کے روشن چہرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ضرورت ہے کہ اب بے بنیاد باتوں کی تردید کی جانی چاہئے۔شخصیات اور اکابر کے نام پر فروغ جہالت کو بند کیا جانا چاہئے۔(ادارہ)

ماہنامہ شمس الاسلام نے "اس نوٹ" کے بعد جناب اوریا صاحب کا مکمل کالم "من وعن" شائع کردیا۔ملاحظہ ہو: ماہنامہ شمس الاسلام ص 32 تا 36۔اکتوبر، نومبر 2016ء۔

یہ ملحوظ رہے کہ "بگوی" خاندان گذشتہ تقریبا چار سو سال (1160ھ) سے دینی خدمات انجام دیتا چلا آرہا ہے جبکہ ماہنامہ شمس الاسلام 1925ء یعنی 91 سال سے مسلسل شائع ہورہا ہے۔

علاوہ ازیں ملک بھر سے عصری جامعات سمیت علماء، وکلاء، ڈاکٹرز، صحافی حضرات اور ہر مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے متعدد حضرات نے کتاب کے مطالعہ کے بعد اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا اور باقاعدہ اپنے تأثرات سے بندہ کو آگاہ کیا۔

امام طبری کی منقولہ منافی عصمت روایات میں خاکوں کی نسبت کیا کم توہین پائی جاتی ہے؟

حضرت مفتی صاحب!

اس موقع پر روزنامہ اسلام ہی میں 2006 میں "قسم" کے عنوان سے شائع ہونے والے ایک مضمون کا ایک "اقتباس" آپ کی خدمت میں پیش کرنے کو جی چاہتا ہے اگر آپ بھی قسم اٹھانے والوں میں شامل ہیں تو پھر اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ آپ اپنے مخصوص ساتھیوں سمیت "قسم" توڑ کر باقاعدہ "حانث" ہوچکے ہیں۔ اس کا "کفارہ" بھی خود آپ نے ہی ادا کرنا ہے۔ہم اگرچہ کمزور ہیں "تلوار" سے کام نہیں لے سکتے لیکن ہم نے بھی سلطان ایوبیؒ (جب اس نے "ریجی نالڈ" کوشانِ رسالت میں گستاخی کے ارتکاب پر کیفر کردار تک پہنچانے کی "قسم" اٹھائی تھی) کی پیروی میں "قسم" اٹھا رکھی ہے جس کسی نے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی شان میں تحریراً یا تقریراً "ہرزہ سرائی" کی یا اس کے وکیل صفائی کا کردار ادا کیا تو اس کا اسی محاذ پر تعاقب جاری رکھیں گے اور اس کے لئے ہمارے "قلم" کی دھاران شاءاللہ تلوار سے زیادہ تیز ثابت ہوگی۔"

امام طبری کی منقولہ ''منافی عصمت...روایات'' اور ''گستاخانہ خاکوں'' کے مابین موازنہ

حضرت مفتی صاحب!

اب روزنامہ اسلام کا وہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں تا کہ آپ اپنی ''قسم'' کا ''کفارہ'' دینے کا کچھ ''عزم'' ہی کرلیں:

''آج نہ معلوم کیوں تاریخ اسلام کا یہ واقعہ خود بخود نوکِ قلم پر آگیا۔جی چاہتا ہے کہ آج پھوٹ پھوٹ کر روؤں کہ ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی پھر بانگ دہل توہین ہو رہی ہے،شان اقدس میں وہ وہ گستاخیاں ہو رہی ہیں جو ابوجہل اور ابولہب بھی نہ کرسکے۔

مگر ہم!ہم سوائے چیخنے چلانے کے کچھ نہیں کر پا رہے۔کاش!کاش ہم کچھ کرسکتے۔ کاش!ہمارے حکمرانوں میں کوئی ایک تو صلاح الدین ایوبی ہوتا جو ان گستاخیوں کا بدلہ لینے کی قسم کھالیتا...وہ قسم پوری کر پاتا یا نہیں۔مگر ہمیں تو کچھ اطمینان ہو جاتا۔ہم اپنے آپ سے اتنے شرمندہ اور شرم سار تو نہ ہوتے۔

اب یہ یہ سوچ کر گنبد خضراء کا تصور کرنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی کہ کالی کملی والے کے دشمن ہماری غیرت پر تازیانے برسا رہے ہیں اور ہم افغانستان لٹا،عراق تباہ ہوا، زلزلے نے ہمیں برباد کیا،کتنی آزمائشیں آئیں مگر زندگی سے ایسی شرمندگی کبھی نہ ہوئی تھی جو اب ہو رہی ہے۔ایسی زندگی سے تو موت بدرجہا بہتر معلوم ہوتی ہے جس میں ہمیں آئے روز اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخیوں کے مناظر دیکھنا پڑ رہے ہوں۔عالم اسلام کے رہنماؤ!تم بیانات سے آگے بڑھ کر کچھ کر کے کب دکھاؤ گے؟(روزنامہ اسلام۔9فروری 2006ء تحت ''قسم'')

حضرت مفتی صاحب!

2006ء میں تحریر کردہ مذکورہ کالم پڑھنے کے بعد میں ورطۂ حیرت میں ڈوب گیا ہوں کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف اہانت آمیز ''خاکوں'' پر اس قدر شرمندہ و شرم سار ہو کہ وہ گنبدِ خضریٰ کا تصور کرنے کی بھی ہمت نہ رکھتا ہو اور اس زندگی سے موت کو بہتر سمجھتا ہو، کیا وہ اس حد تک بھی ''بے حمیت و بے حس'' ہو سکتا ہے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سمیت دیگر انبیائے عظام علیہم السلام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی شان میں ''خاکوں'' سے بھی بدرجہا زیادہ درجنوں روایات میں صریح توہین اور گستاخیوں کے مناظر دیکھ کر الٹا ان کذاب راویوں کے دفاع میں خم ٹھونک کر میدانِ عمل میں ''کود'' پڑے اور روزنامہ اسلام کا پورا ''ادارہ'' خاموش تماشائی کا کردار ادا کرے۔ اس حد تک تو ''خاکوں'' کے خالقین کے دفاع میں یورپی ممالک کے سربراہ بھی نہیں گئے۔ فیا للعجب

قانون توہین رسالت کو ''کالا'' کہنا بڑا جرم ہے یا امام طبری کی منقولہ منافی عصمت روایات کا دفاع؟

(۲۷۴)	کیا یہ ''خاکوں'' اور انسانوں کے بنائے ہوئے توہین رسالت کے ''قانون'' کو ''کالا'' کہنے سے کم توہین ہے؟

گورنر سلمان تاثیر کو اسی ''جرم'' کے ارتکاب پر قتل کی سزا دی گئی۔ حالانکہ اس نے ''براہ راست'' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی گستاخی نہیں کی تھی۔ کاش کہ اس وقت بھی ''احتیاط لازم ہے'' کی طرح یہ لکھ دیا جاتا کہ: ''کسی کے قول و فعل پر کفر کا فتویٰ لگانا فقہاء اور مفتیان ہی کو زیب دیتا ہے... پھر اگر معاملہ کفر کی اس خاص قسم کا ہو جسے توہین رسالت کہا جاتا ہے تو ذمہ داری مزید بڑھ جاتی ہے... ورنہ احتیاط لازم ہے۔ ایسا نہ ہو ہم اپنے جذباتی

پن یا کم علمی کی وجہ سے کسی کی بات کو غلط پیرائے میں لے کر اسے توہین رسالت سے تعبیر کردیں''(روزنامہ اسلام 11 اگست 2015ء)

حضرت مفتی صاحب!

اب آپ توہین رسالت کے قانون کو فقط ''کالا'' کہنے اور انبیائے عظام علیہم السلام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے خلاف امام طبری کی منقولہ منافی عصمت اور مبنی بر توہین روایات میں موازنہ کرلیں:

امام طبری نے آیت: "جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ..." کا مصداق حضرت آدمؑ اور حضرت حوا کو قرار دیتے ہوئے کہا کہ انہوں نے شیطان کے حکم پر اپنے بیٹے کا نام شیطان کے نام پر عبدالحارث رکھا تھا اور اس طرح وہ دونوں ''یعنی آدمؑ وحواء'' شرک فی الطاعت کے مرتکب ہوئے۔

حضرت ابراہیمؑ کے دل میں شیطان نے شک ڈال دیا تھا جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ: "رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى "یعنی احیاء موتی کے بارے میں شیطان نے قدرت الٰہی کے متعلق شک ڈالا تھا۔"لقی الشیطان فی نفسہ"۔

امام طبری نے اپنی تفسیر میں حضرت یوسف علیہ السلام کی شدید ترین توہین پر مبنی روایات نقل کی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ:

زوجہ عزیز حضرت یوسفؑ کے سامنے چت لیٹ گئی اور یوسفؑ نے اس کے اور اپنے کپڑے اتار دیئے اور عورت کے اس مقام یعنی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گئے جہاں ایک مرد اپنی بیوی سے جماع کرتے وقت بیٹھتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے پڑوس میں اپنے ایک سپاہی کی خوبصورت بیوی کو غسل کرتے ہوئے دیکھا تو وہ آپ کو بھا گئی پھر اس کے خاوند کو قتل کرانے کی نیت سے بار بار دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے محاذ پر بھیجا یہاں تک کہ وہ تیسری مرتبہ قتل ہو گیا تب اس کی بیوہ سے خود شادی کرلی۔

شیطان نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی حاصل کر کے ان کو ایوانِ اقتدار سے بے دخل کر دیا اور سلیمانؑ کی شکل اختیار کر کے 40 دن تک امور سلطنت انجام دیئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہؓ کی برہنہ سر بیوی کو دیکھا تو ان کی خوبصورتی آپ کے دل میں واقع ہوگئی جس کے نتیجے میں حضرت زیدؓ کے دل میں اپنی بیوی کی کراہت آگئی اور آپؐ ظاہری طور پر تو حضرت زیدؓ کو سیدہ زینبؓ کو طلاق دینے سے روک رہے تھے لیکن آپؐ دل میں یہ خواہش لئے ہوئے تھے کہ وہ طلاق دے دیں تا کہ میں اس کے ساتھ نکاح کر لوں۔

شیطان نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر شرکیہ کلمات جاری کر دیئے جنہیں آپؐ کی زبان مبارک سے سن کر مشرکین بہت خوش ہوئے کہ آپؐ نے بطور قرآن ہمارے معبودوں کا تعریفی الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ بعد میں یہی شرکیہ کلمات آپؐ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھی سنائے تو انہوں نے کہا:

''اے محمدؐ! آپؐ نے یہ کیا کیا؟ آپؐ نے وہ الفاظ لوگوں کے سامنے پڑھے جو میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کے پاس نہیں لایا تھا۔ یہ سن کہ آپؐ بہت سخت رنجیدہ اور غمگین ہوئے اور فرمایا کہ میں نے یہ شرکیہ کلمات پڑھ کر اللہ پر جھوٹ باندھا ہے اور وہ کلمات پڑھ دیئے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نہیں کئے تھے۔ تفسیر طبری کے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں کہ:

"ألقى عليه الشيطان كلمتين، فلما أمسى أتاه جبريل، فعرض عليه السورة، فلما بلغ الكلمتين اللتين ألقى عليه الشيطان، فقال: ماجئتك بهاتين، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: افتريت على الله وقلت على الله مالم يقل..."

امام طبری نے قصہ غرانیق سے متعلق منقولہ تمام روایات کے ذریعے یہ بات ثابت کی ہے کہ: شیطان نے بتوں کی تعریف پر مبنی کلمات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر جاری کرا دیئے تھے:

"ألقى عليه الشيطان كلمتين، ألقى الشيطان على لسانه، فألقى الشيطان في أمنيته، فأجرى الشيطان على لسانه، فألقى الشيطان في تلاوة النبيّ صلى

الله عليه وسلم: تلك الغرانيق العلى... إذا حدث ألقى الشيطان فى حديثه"
اس کے بعد طبری کی روایات کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان کے القاء کردہ شرکیہ کلمات باقاعدہ اپنی زبان سے ادا بھی فرمائے اور جبریل کے سامنے بھی دہرائے۔"فتكلم بها، فجعل يتلوها فقرأها النبى صلى الله عليه وسلم بذلك، فعرض عليه (أى على جبريل).

امام طبری نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین پر مبنی روایات، آپؐ پر شیطان کا تسلط، آپؐ کے کلام میں شیطان کے کلام کی آمیزش وغیرہ نقل ہی نہیں کیں بلکہ انہیں صحیح بھی تسلیم کیا۔ کیا کوئی مومن بالقرآن طبری کی منقولہ صریح توہین آمیز روایات کی کوئی تاویل کرسکتا ہے؟ یا انہیں ایک لحہ کے لئے بھی صحیح تسلیم کرسکتا ہے؟

امام طبری نے حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت سعد بن عبادہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عمرو بن العاص، حضرت ابوسفیان، حضرت عباس بن عبدالمطلب اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کی توہین، تنقیص اور تحقیر (اصل عبارات وحوالہ جات میری کتاب "امام طبری کون؟ مورخ، مجتہد یا افسانہ ساز" میں متعلقہ مقامات پر ملاحظہ فرمائیں) کے علاوہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر جابجا لعن طعن اوران کی تکفیر سے متعلق روایات بھی نقل کی ہیں۔

فقال سمرة: لعن الله معاوية، وتوفّى جعفر فى وسط خلافة معاوية لعنه الله، وتوفّى نوفل بالمدينة فى خلافة يزيد بن معاوية لعنهما الله، ان معاوية بن ابى سفيان ضالّ مضلّ، اذا رأيتم معاوية على منبرى فاقتلوه، و ممّا استحق به اللعنة من الله و رسوله، ان معاوية فى تابوت من نار فى أسفل درك منها والعنوا من لعنه الله و رسوله وفارقوا من لاتنالون القربة من الله و رسوله الّا بمفارقته، اللهم العن أبا سفيان بن حرب و معاوية ابنه، اللهم العن ائمة الكفر و قادة الضلالة و أعداء الدين و مجاهدى الرسول و مغيرى الاحكام و مبدلى الكتاب و سفاكى الدم الحرام، اللهم إنا نتبرأ اليك من موالاة اعدائك و من الاغماض لأهل معصيتك كما

قلت: "لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الآخر یوادّون من حادّ اللہ و رسولہ"۔

سمرۃ بن جندب نے کہا: اللہ معاویہ پر لعنت کرے، جعفر، معاویہ لعنہ اللہ کی خلافت کے درمیان میں فوت ہوئے، نوفل نے مدینہ میں یزید بن معاویہ (ان دونوں پر اللہ لعنت کرے) کی خلافت میں وفات پائی، معاویہ بن ابی سفیان یقیناً گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے، نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ جب تم معاویہ کو میرے منبر پر دیکھو تو اس کو قتل کر دینا۔ آپؐ نے فرمایا معاویہ جہنم میں آگ کے صندوق میں ہے جو اس کے سب سے نیچے کے درجے میں ہے، منجملہ ان امور کے جن کی وجہ سے معاویہ اللہ اور اس کے رسول کی لعنت کا مستحق ہے۔ (کچھ اور امور بھی ہیں مثلاً قتل حجر بن عدی، ابن الحمق، استلحاق زیاد و استخلاف یزید وغیرہ...)

امام طبری کا حضرت معاویہؓ پر لعن طعن سے ابھی دل سیر نہیں ہوا اور معلوم نہیں کہ وہ کس "حال" میں یہ بد دعا نقل کر گئے کہ:

اور اس پر لعنت کرو جس پر اللہ و رسول نے لعنت کی، اس سے علیحدگی اختیار کرو جس سے علیحدگی کے بغیر تم اللہ کی قربت نہیں حاصل کر سکتے۔ اے اللہ لعنت کر ابوسفیان بن حرب اور اس کے بیٹے معاویہ پر... اے اللہ لعنت کر کفر کے اماموں، گمراہی کے پیشواؤں، دین کے دشمنوں، رسول سے لڑنے والوں، احکام میں تغیر کرنے والوں، کتاب کے بدلنے والوں اور محترم خون بہانے والوں پر۔ اے اللہ ہم تیرے دشمنوں کی دوستی سے، تیرے گناہ گاروں سے چشم پوشی کرنے سے تیرے سامنے اپنی بے زاری ظاہر کرتے ہیں جیسا کہ تو نے کہا ہے کہ: "تو کسی جماعت کو جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان لاتے ہیں ایسا نہ پائے گا کہ وہ ان لوگوں سے محبت کریں جو اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں۔"

حضرت مفتی صاحب!

(۲۷۵)	امام طبری کی منقولہ مذکورہ بالا منافی عصمت اور مبنی بر توہین روایات پڑھنے کے بعد بھی کیا "خواب غفلت" سے بیدار ہونے کا وقت نہیں آیا؟

(۲۷۶)	کیا روزنامہ اسلام کا موجودہ کردار (یعنی توہین آمیز روایات اور ان کے کذاب راویوں کا دفاع) 9 فروری 2006ء کو شائع ہونے والے کالم کے مندرجات کے بالکل برعکس نہیں ہے۔ کیا آج پھوٹ پھوٹ کر رونے کا وقت نہیں آیا؟
(۲۷۷)	کیا آپ کے "ادارے" میں سے کسی کے لئے صلاح الدین ایوبی کی طرح "قسم" اٹھانے کی "جرأت" نہیں ہے؟
(۲۷۸)	کیا توہین آمیز روایات کا دفاع کرنے پر اب بھی زندگی سے کوئی شرمندگی اور شرمساری محسوس نہیں ہوئی؟

آپ خود ہی انصاف فرمائیں کہ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر فی الواقع ایسی زندگی سے موت بدرجہا بہتر ہے۔

حضرت مفتی صاحب!

(۲۷۹)	کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ "خاکے" وغیرہ غیر مسلم کبھی کبھار بناتے ہیں تو دینی حمیت بیدار ہو جاتی ہے جبکہ مذکورہ بالا منافی عصمت اور مبنی بر توہین روایات کے راوی اور ناقل ہمارے "امام" ہیں؟

چونکہ آپ جیسے "اہل علم" اس کا مطلب جانتے ہیں اس لئے بار بار پڑھ کر بھی "آپ" کو کوئی پریشانی نہیں ہوتی مگر "ہمارے جیسا" ایک دوسرے شعبے کا فرد جب ان موٹی موٹی علمی کتب کا از خود مطالعہ شروع کردے اور اپنی فہم ناقص کو ہی حرف آخر تصور کر لے تو اسے تاریخ ہی نہیں حدیث اور تفسیر میں بھی جھٹکے لگ سکتے ہیں" (روزنامہ اسلام 31 جولائی 2015)

سخت حیرت ہے کہ آپ کو "خاکوں" میں تو، توہین نظر آرہی ہے لیکن امام طبری کی منقولہ صریح منافی عصمت اور مبنی بر توہین روایات میں کوئی توہین نظر نہیں آرہی!

آخری گزارشات

حضرت مفتی صاحب!

زیر نظر "کھلے خط" میں میری معروضات کا مطالعہ غصے کے بجائے مکمل غور و فکر کے ساتھ اور غیر جانب دارانہ طور پر حسب ذیل آیت کی روشنی میں فرمائیں:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ... (النساء 135)

اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے انصاف پر، گواہی دینے والے محض اللہ کے لئے۔ چاہے گواہی دینا پڑے تمہیں اپنے نفسوں کے خلاف یا اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف...

حضرت مفتی صاحب!

چونکہ آپ روزنامہ اسلام کے چیف ایڈیٹر ہیں اس لئے جذبۂ نصح و خیر خواہی کے تحت چند امور کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔ حدیث نبوی ﷺ: "الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته..." "آگاہ ہو جاؤ کہ تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور ہر ایک تم میں سے اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے" کی رو سے یہ اخبار سے وابستہ حضرات آپ کی "رعیت" ہیں اور آپ ان کے بارے میں "مسئول" ہیں۔ اسی لئے اس "کھلے خط" میں آپ کو ہی مخاطب کیا گیا ہے۔

اس خط میں جہاں کہیں بھی لب و لہجہ کی سختی یا نامناسب الفاظ محسوس ہوں تو ان کے متعلق گزارش یہ ہے کہ ان میں سے اکثر الفاظ روزنامہ اسلام کے مختلف کالموں سے ہی "مستعار" لئے گئے ہیں اور اگر بعض الفاظ زائد بھی پائے جائیں تو اس کی وجہ بھی محض "نفس مسئلہ" ہے۔ جب برملا "شخصیات مقدسہ" کی توہین ہو رہی ہو اور ان پر کذاب راویوں اور ناقلوں کے دفاع کو ترجیح دی جا رہی ہو، علاوہ ازیں خلط مبحث، طعن و تعریض، فریب دہی،

کذب بیانی اور افتراء پردازی کی جارہی ہو تو لامحالہ جذبات میں شدت کا آجانا ایک فطری عمل ہے لہٰذا ایسے ''زائد'' نامناسب الفاظ کو دینی ''حمیت و غیرت'' پر محمول کرتے ہوئے مجھے ''معذور'' تصور کرلیں چونکہ اس ''بدمزہ'' بالکل بے مقصد اور بے موقع و بے محل بحث کا آغاز بھی تو آخر آپ کی زیرادارت روزنامہ اسلام ہی کی طرف سے ہوا تھا حتیٰ کہ ۱۸ اکتوبر ۲۰۱۶ء کی اشاعت میں افتراء پردازی اور کذب بیانی کے سابقہ تمام ریکارڈ ٹوٹ گئے۔اس لئے:

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ (النساء 148)

''نہیں پسند کرتا اللہ تعالیٰ کہ برملا کہی جائے بری بات مگر (اس سے) جس پر ظلم ہوا''

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ o اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ... (سورة الشورى آيت 41، 42)

''اور جو بدلہ لیتے ہیں اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد پس یہ لوگ ہیں جن پر کوئی ملامت نہیں۔بے شک ملامت تو ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں...''

"ان رجلا تقاضى رسول الله صلى الله عليه وسلم فأغلظ له، فهم به أصحابه فقال دعوه فان لصاحب الحق مقالاً..."

''ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (قرض واپس لینے کا) تقاضا کیا اور سخت کلامی کی۔صحابہ کرامؓ نے اس شخص کو سزا دینی چاہی،آپؐ نے فرمایا:اسے کچھ نہ کہو،بلاشک وشبہ صاحب حق ''گرم'' گفتگو کرنے کا مجاز ہے یعنی جس شخص کا کچھ حق نکلتا ہو تو وہ باتیں کرسکتا ہے۔''(صحیح بخاری کتاب الاستقراض۔باب استقراض الابل رقم الحدیث 2390)

المستبان ماقالا فعلى البادى، مالم يعتد المظلوم

آپس میں سخت سست کہنے والے دو شخص جو کچھ کہیں اس کا گناہ پہل کرنے والے پر ہے بشرطیکہ مظلوم حد سے تجاوز نہ کر بیٹھے۔

(صحيح مسلم۔كتاب البر والصلة والادب باب النهى عن السباب۔المجلد الثانى ص ٣٢١)

علاوہ ازیں یہ ''مثل'' بھی تو مشہور ہے کہ:''عوض و معاوضہ گلہ ندارد''

اس کے باجود ''نفسِ مسئلہ'' کو چھوڑ کر ''امام طبری کون؟ مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز'' یا زیرِ نظر ''کھلے خط'' کے کسی لفظ یا جملے سے آپ سمیت دیگر ''متعلقین'' کو اگر کوئی اذیت پہنچی ہو تو میں تہہ دل سے معذرت خواہ ہوں۔

میری اس ساری تگ و دو کا مقصد محض انبیائے کرام علیہم السلام کی عصمت اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی عزت و ناموس کا تحفظ ہے اور اس حوالے سے گذشتہ چالیس سال سے برابر اس ''محاذ'' پر تحریراً و تقریراً سرگرم عمل ہوں حتیٰ کہ ایبٹ آباد اور کوہاٹ کی مختلف عدالتوں میں آٹھ سال تک پچیس مقدمات بھی ''بھگت'' چکا ہوں۔ باری تعالی اس عمل کو شرف قبول عطا فرمائیں۔ آمین

زیرِ نظر ''کھلے خط'' میں مختلف پہلوؤں سے گفتگو کی گئی ہے اور بعض ''اکابر'' کے اسمائے گرامی بھی اس لئے آئے ہیں کہ اگر ''ناموں پر ''غیرت'' بیدار ہو سکتی ہے تو انبیائے عظام اور صحابہ کرام جیسی ''شخصیات مقدسہ'' کے اسماء گرامی پر ''دینی حمیت'' کیوں نہیں بیدار ہو سکتی؟

اگر کچھ کم ہو جو کچھ ہو چکا بیدار کرنے کو
تو کل افسانۂ عبرت کے عنواں اور بھی ہوں گے

حضرت مفتی صاحب!

میں نے ''بیداری'' مہم کے تحت ''نفس مسئلہ'' کے حوالے سے بطور اتمام حجت ہر ہر اعتبار سے گفتگو کر دی ہے اور اپنے مکلّف ہونے کی حد تک عنداللہ و عندالناس بری الذمہ ہو چکا ہوں۔ جبکہ آپ اپنے اور اپنے ادارے کے بارے میں عنداللہ و عندالناس خود ہی مسؤل و جوابدہ ہیں۔

لَعَمْرِیْ لَقَدْ نَبَّهْتُ مَنْ كَانَ نَائِمًا
وَأَسْمَعْتُ مَنْ كَانَتْ لَهُ أُذُنَانِ

لیکن منافی عصمت اور مبنی بر توہین روایات اخبار میں ''من وعن'' نقل کرنے اور امام طبری کون...؟ کتاب وصول کرنے کے تین ماہ بعد بھی جو لوگ بیدار نہ ہوئے ہوں بلکہ الٹا

اسی ''روزنامہ'' میں مسلسل (16 تا 18 اکتوبر 2016) تین قسطوں پر مشتمل کالم ''کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟'' میں ''غیر شرعی بلکہ غیر انسانی اسلوب بیان، طعن و تشنیع، خلط مبحث، فریب دہی، مغالطہ دہی اور کذب و افتراء'' کا وہ مظاہرہ کیا گیا ہو جس کی توقع کسی عام مہذب انسان سے بھی نہیں رکھی جا سکتی ایسے لوگوں کو آخر کیوں کر جگایا جا سکتا ہے؟ اللہ نہ کرے کہ وہ اس سطح تک پہنچ گئے ہوں:

أَسْمَعْتَ لَوْ نَادَيْتَ حَيًّا
وَلٰكِنْ لَا حَيَاةَ لِمَنْ تُنَادِيْ

''اگر تو کسی زندہ کو آواز دیتا تو (ہم کہتے کہ) تو نے اس کو سنا دیا ہے۔ لیکن کیا کریں جسے تو آواز دے رہا ہے اس میں تو ذرہ بھر حیات ہی نہیں۔''

چمن میں تلخ نوائی میری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

زیر نظر ''کھلے خط'' کے آخر میں مولانا مناظر احسن گیلانی کا ایک درد بھرا اقتباس پیش خدمت ہے۔ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ، مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ اور مولانا سید عبید اللہ سندھیؒ کے مابین ''اختلاف'' کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''لیکن مولانا گیلانی کا یہ توسع اور ان کی تمام عصریت وحکمت، تحریر وتعبیر اور استدلال ہی میں تھی۔ عقائد ونصوص اور حدود دین کے بارے میں وہ اتنے ہی متصلب متشدد اور ویسے ہی غیور وحساس واقع ہوئے تھے جیسے ان کے اساتذہ وشیوخ کرام اور علمائے حق، جب کبھی وہ تحریف دین کی کوئی کوشش یا دین کی ترجمانی میں کوئی بے اعتدالی یا آزادی یا غلط اجتہاد دیکھتے تو برداشت نہ کر سکتے۔ مولانا سندھی مرحوم جب ہندوستان واپس آئے تو...

ان مرحوم نے بعض ایسے خیالات اور افکار کا اظہار کرنا شروع کیا جن میں توازن کی بڑی کمی تھی اور جو بڑی غلط فہمیوں اور مغالطوں کا باعث ہو سکتے تھے۔ ان کے کسی مضمون میں قرآن وحدیث وفقہ سے متعلق بعض ایسے نظریات وتحقیقات تھے، جو جمہور اہل اسلام

کے عقیدہ سے مختلف تھے یا ان کی تعبیر میں کوتاہی تھی۔

مولانا (گیلانی) نے مدرسی و جماعتی عصبیت سے بالکل بے نیاز و بالاتر ہو کر اس مقالہ کی تردید میں ایک پُرزور مقالہ لکھا۔ بعض اہل علم معاصرین مولانا عبیداللہ صاحب مرحوم سے ذاتی واقفیت کی بناء پر ان کو اس شدید مخالفت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے۔ انہوں نے مولانا کی طرف سے کچھ صفائی پیش کی اور اپنے ذاتی معلومات کی بناء پر ان کے ساتھ نرمی اور حسن ظن کی تلقین کی۔

مولانا (گیلانی) نے اس موقع پر اپنے موقف کی حمایت اور مولانا سندھی مرحوم سے اظہار اختلاف اور ان کے افکار و آراء کی کھلی ہوئی تنقید و تردید کو دین کی حمایت کا تقاضا سمجھا۔ مندرجہ ذیل اقتباس سے ان کے دینی جذبہ اور تصلّب فی الدین کا اندازہ کیا جا سکتا ہے:

''میرا مقصود ہی اس سے 'حدی را تیز ترمی خواں چو ذوق نغمہ کم یابی' تھا۔ یہی بتانا چاہتا تھا کہ خواہ وہ ہماری جماعت ہی کا آدمی کیوں نہ ہو، لوگوں میں اس کی بڑائی جس حد تک بھی مسلّم ہو لیکن حق کا قدم جب درمیان میں آئے گا تو پھر کسی کا کچھ لحاظ نہیں کیا جائے گا خواہ وہ کوئی ہو: "ولو أنّ فاطمة بنت محمد أعاذها اللّٰه تعالى سرقت لقطعت يدها" ہمارے دین کا امتیازی نشان ہے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا مرنے سے پہلے العیاذ باللہ، میں بھی اس کا قائل ہو جاؤں گا کہ ابو حنیفہ کی فقہ، عجمیوں کے قانون سے متأثر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سرزمین عرب کے ایک خاص تاریخی دور کی اصلاح کی حد تک محدود ہے۔ قرآنی قوانین کی حیثیت صرف مثالی باتوں کی ہے۔ بخاری و مسلم، انجیل و تورات جیسی محرف کتابوں کے ہم وزن ہیں۔ العیاذ باللہ۔ کیا میں اپنی خودی کے اعتماد کو خدا اعتمادی سمجھنے لگوں گا۔ قبل اس کے کہ میرے اندر خدانخواستہ اس قسم کے خیالات کی صداقت واضح ہو، اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اس دنیا سے اٹھا لے۔ (مولانا ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں کہ) اس اقتباس سے جو دینی حمیت اور حفاظت دین کے جذبہ میں ڈوبا ہوا ہے اندازہ ہو سکتا ہے کہ عقائد و نصوص اور دین کی ہیئت و حقیقت کی حفاظت میں مولانا کا قدم اور قلم کسی بڑے سے بڑے عالم راسخ سے

پیچھے نہیں۔" (پرانے چراغ حصہ اول ص 86-88۔ مطبوعہ مجلس نشریات اسلام کراچی۔ بار دوم 1975ء)

حضرت مفتی صاحب!

اگر امام ابوحنیفہ کی فقہ کو عجمیوں کے قانون سے متاثر ہونے کی بناء پر...

مولانا عبیداللہ سندھی کے مذکورہ الفاظ پر مولانا مناظر احسن گیلانی کے ردعمل کو "دینی حمیت و حفاظت دین پر محمول کیا جاسکتا ہے" تو پھر

(۲۸۰)	حضرت آدم، حضرت ابراہیم، حضرت یوسف، حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام اور صحابہ کرام بالخصوص سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ کے بارے میں امام طبری کی سراسر "منافی عصمت" اور مبنی برتوہین منقولہ روایات سے "اظہار اختلاف اور اظہار برأت" کو حمایت دین اور دفاع صحابہؓ کا تقاضا کیوں نہیں قرار دیا جاسکتا؟

حضرت مفتی صاحب!

سمجھ میں نہیں آتا کہ روزنامہ اسلام میں امام طبری کی منقولہ منافی عصمت اور مبنی برتوہین روایات کے دفاع میں پیش کردہ "دلائل" پڑھنے کے بعد مرنے سے پہلے کیا میں بھی العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ! ان منافی عصمت اور مبنی برتوہین روایات کی صحت کا قائل ہو جاؤں گا کہ:

☆	حضرت آدم علیہ السلام، شیطان کی اطاعت کرکے شرک فی الطاعت کے مرتکب ہوئے۔
☆	شیطان نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں شک ڈال دیا تھا۔
☆	زوجہ عزیز کی "خواہش" کے جواب میں حضرت یوسف علیہ السلام اپنی شلوار اتار کر اس عورت کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گئے، جس طرح ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ جماع کرتے وقت بیٹھتا ہے۔
☆	حضرت داؤد علیہ السلام اپنے سپاہی اور پڑوسی کی خوبصورت بیوی کو برہنہ غسل کرتے ہوئے دیکھ کر اس پر فریفتہ ہوگئے، پھر حیلے بہانے سے اس کے خاوند کو قتل کرانے کے بعد انہوں نے اس عورت کے ساتھ خود نکاح کرلیا۔

☆	شیطان نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکل اختیار کر کے خود زمام حکومت سنبھال لی، پھر چالیس دن تک حکومت کرتا رہا۔
☆	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بیٹے جیسے صحابی حضرت زیدؓ کی ''خوبصورت اور متاثر کن'' بیوی سیدہ زینبؓ کو برہنہ سر دیکھنے کے بعد اس کی محبت اپنے دل میں جما بیٹھے، جس سے حضرت زیدؓ کے دل میں بیوی کی کراہت و ناپسندگی آگئی۔ بالآخر انہوں نے طلاق دینے کے بارے میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا تو آپؐ نے بظاہر تو طلاق سے روک دیا لیکن دل میں یہ خواہش رکھتے تھے کہ وہ طلاق دے دیں تاکہ خود اس سے نکاح کرلیں۔
☆	شیطان نے مسجد (الحرام) میں سورۃ النجم کی تلاوت کے دوران، آپ کی قرأت میں آپ کی زبان مبارک پر شرکیہ کلمات جاری کر دیئے۔ آپؐ نے باقاعدہ وہ شرکیہ کلمات پڑھے بلکہ بعد میں جبرئیل امین کو بھی یہی شرکیہ کلمات پڑھ کر سنائے تو جبرئیل امین نے ٹوکا کہ میں نے تو آپ کو یہ شرکیہ کلمات نہیں بتائے تھے۔ اس تنبیہ کے بعد آپ سخت خوفزدہ ہو گئے اور فرمانے لگے کہ میں نے تو اللہ پر افترا باندھ دیا کہ جو کلمات اس نے مجھ پر نہیں اتارے تھے وہ میں نے اس کی طرف منسوب کر دیئے۔
☆	اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ''توہین و تنقیص، تفسیق اور تکفیر'' سے متعلق منقولہ روایات کو روزنامہ اسلام میں زیر عنوان ''علامہ طبری... مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز'' شائع ہونے والے مضمون پر ''اعتماد'' کرتے ہوئے کیا میں بھی ان توہین آمیز روایات کو صحیح تسلیم کرلوں گا؟ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔

اگر منافی عصمت اور مبنی بر توہین روایات کی صداقت کا میں ''قائل'' ہو جاؤں تو پھر میرے لئے اس زندگی سے ''موت بدرجہا بہتر ہے۔''

حضرت مفتی صاحب!

آپ بخوبی جانتے ہیں کہ اہل حق کا شیوہ ''رجوع اور توبہ'' ہے۔ اور توبہ کی توفیق بھی اسی کو

نصیب ہوتی ہے جو"گناہ" کو گناہ سمجھ کر کرے۔لیکن اس کے برعکس جو شخص "گناہ و بدعت" کو ثواب سمجھ کر کرے تو اس سے توبہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔اور وہ مرتے دم تک توبہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ظاہر ہے کہ وہ جب کسی گناہ کو ثواب سمجھ کر کر رہا ہو یا منافی عصمت او رمبنی بر توہین روایات کو "عصمت و تکریم" کے عین مطابق ہی قرار نہ دے رہا ہو بلکہ ان کا پورا پورا "دفاع" بھی کر رہا ہو تو بھلا اس طرح کے "ثواب" کے کام سے وہ کس طرح توبہ کر سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قل هل ننبئكم بالاخسرين اعمالا oالذين ضل سعيهم فى الحيوة الدنيا و هم يحسبون انهم يحسنون صنعا۔(سورۃ الکہف آیت 102-103)

"فرمایئے!(اے لوگو) کیا ہم مطلع کریں تمہیں ان لوگوں پر جو اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ گھاٹے میں ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری جدوجہد دنیوی زندگی کی آراستگی میں کھو کر رہ گئی اور وہ یہ خیال کر رہے ہیں کہ وہ کوئی بڑا عمدہ کام کر رہے ہیں۔"

ایک روایت کے آخر میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

...فهم يحسبون انهم مهتدون فلا يستغفرون (الترغیب والترہیب)

چونکہ وہ ان کاموں کو نیکی سمجھتے ہیں اس لئے اپنے آپ کو ہدایت پر جانتے ہیں ۔لہٰذا استغفار نہیں کرتے۔

حضرت مفتی صاحب!

اس کے باوجود جن حضرات کو روزنامہ اسلام میں "منافی عصمت اور مبنی بر توہین" روایات کے دفاع کرنے پر اب بھی کوئی ندامت اور شرمندگی نہیں ہے تو پھر وہ قرآن و حدیث کے مذکورہ احکام کی روشنی میں اپنا انجام خود ہی سوچ لیں۔

و افوض امرى الى الله ، والله حسيبه يوم القيامة

یقیناً میدان حشر میں ہم سب کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔جہاں منافی عصمت اور مبنی بر توہین روایات گھڑنے والوں اور ان کا دفاع کرنے والوں کا معاملہ پیش

ہوگا تو وہیں ان روایات سے اعلان برأت کرنے والوں کا معاملہ بھی ضرور پیش ہوگا۔

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ o(الاعراف89)

''اے ہمارے رب فیصلہ فرما دے ہمارے درمیان اور ہماری ''قوم'' کے درمیان حق کے ساتھ اور تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔'' آمین یا الہ العالمین

والسلام مع غایۃ الاحترام

دعا گو:

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

خطیب مرکزی جامع مسجد، سیدنا معاویہؓ چوک، حویلیاں ہزارہ

14صفر 1438ھ

15نومبر 2016ء

پس تحریر:

جھوٹ پلس (+) ''اعتذار''___ ''عذر گناہ بدتر از گناہ''

خط مکمل ہوکر ''کمپوزنگ کے مرحلے سے گزر کر پریس کے حوالے کیا جارہا تھا کہ:

بعض احباب نے توجہ دلائی کہ 29نومبر 2016 کو روزنامہ اسلام میں ایک کالم ''مصطفیٰ کمال سے طیب اردوان تک'' کے آخر میں ایک اعتذار شائع ہوا ہے۔جس سے خوشی کی انتہاء نہ رہی اور فوری طور پر ''کھلے خط'' کا باقی کام رکوادیا مگر جونہی وہ ''اعتذار'' نظر سے گزرا تو تمام تر خوشی دکھ اور افسوس میں تبدیل ہوگئی۔

اے کاش! اے کاش! اے کاش!

''روزنامہ اسلام'' والے اس ''وسعت نظری اور تکلف'' کا مظاہرہ نہ کرتے تو کم ازکم جگ ہنسائی اور کذب بیانیوں میں اضافہ تو نہ ہوتا۔اس اعتذار پر مختصر تبصرہ کرنے سے پہلے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ روزنامہ اسلام میں 18 اکتوبر 2016 کو شائع ہونے والے کالم ''کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟'' کی تیسری قسط کی جس عبارت پر ''اعتذار'' شائع کیا گیا ہے اس ''عبارت'' اور ''اعتذار'' کی عبارت دونوں کے عکس کو زیر نظر ''ایک عظیم تحقیقی، تاریخی اور علمی کھلے خط'' کا باقاعدہ حصہ بنا دیا جائے۔

کالم کا حصہ ملاحظہ فرمائیں:

''...جن مؤرخین اور سیرت نگاروں کو جھوٹا قرار دینے کے لئے ''عظیم تحقیقی کتاب'' والے بزرگ نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے، ان میں سے کئی وہ ہیں جن پر نہ صرف سیرت اور دور صحابہ کی اکثر تاریخی روایات بلکہ احادیث کے ایک بڑے حصے کا دارومدار ہے۔ ان میں ایک بڑی تعداد تابعین کرام اور ایسے محدثین کی ہے جن سے فقط امام طبری ہی نے نہیں، بلکہ امام بخاری، امام مسلم، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام طحاوی جیسے جبال علم نے بھی روایات لی ہیں۔

ان میں سے ایک قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ ہی کو لے لیں جن سے تاریخی روایات بکثرت منقول ہیں۔ یہ بھی نسلاً عرب ہیں۔ ساری زندگی صحابہ کی خدمت کی۔ یہ واحد تابعی ہیں جنہوں نے عشرہ مبشرہ میں سے نو کی شاگردی کی ہے۔ ''عظیم تحقیقی کتاب' میں تو انہیں منکر الحدیث قرار دیا گیا ہے۔ مگر انہی قیس بن ابی حازم سے صحیح مسلم میں ۱۴، ابوداؤد میں ۳۰، ترمذی میں ۱۸، نسائی میں ۴۲، ابن ماجہ میں ۱۴ احدیثیں لی گئی ہیں۔ امام بخاری نے تو کمال ہی کر دیا کہ ان سے ۲۱ روایات لی ہیں۔ ائمہ اربعہ نے بھی ان کی روایات کو قبول کیا ہے۔ مؤطا مالک میں ان کی ایک، کتاب لآ ثار (امام ابو یوسف) میں ایک، مسند امام شافعی میں چار، اور مسند احمد میں ۷۱ روایات نقل کی گئی ہیں۔ امام احمد کو ان پر اتنا اعتماد ہے کہ اپنی مسند میں ان سے بعض روایات وہی لی ہیں جو امام طبری نے ماء حوآب کے حوالے سے نقل کی ہیں جن کا نقل کرنا ''عظیم تحقیقی کتاب'' کی روشنی میں سخت گناہ بلکہ گمراہی قرار پایا ہے۔ اب ایسی ''تحقیقات'' کرنے اور انہیں ماننے والوں کے دین و ایمان کا تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ بخاری شریف کی ۲۱، مسلم کی ۱۴، مسند احمد کی ۷۱ اور مسند امام شافعی کی ان چار احادیث کو یکسر مردود قرار دیں اور ان محدثین اور ائمہ مجتہدین کو بھی انہی مؤرخین کی صف

میں لا کر خائن شمار کریں یا بہت رعایت مطلوب ہو تو فنِ حدیث اور فنِ رجال سے ناواقف سمجھیں۔ یہ تو ہوا صرف ایک قیس بن ابی حازم کو لے کر موصوف اور موصوف کے ممدوح کی تحقیقات کا ثمرہ۔(روزنامہ اسلام ۱۸/۱اکتوبر ۲۰۱۶ء)

اب اعتذار ملاحظہ فرمائیں:

اعتذار: راقم کے کالم ''کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟'' کی تیسری قسط کے دوران ''عظیم تحقیقی کتاب'' میں قیس بن ابی حازم کے غیر ثقہ ہونے کا ذکر کیا گیا تھا۔ بعد میں بعض قارئین کے توجہ دلانے اور غور کرنے سے پتا چلا کہ یہ بالکل غلط تھا۔ مذکورہ کتاب میں قیس بن ابی حازم کا ذکر نہیں ہے۔ راقم اس غلطی پر قارئین سے معذرت خواہ ہے۔ توجہ دلانے والوں کو اللہ جزائے خیر دے۔(روزنامہ اسلام ۲۹ نومبر ۲۰۱۶ء)

حضرت مفتی صاحب!

یہ ''اعتذار'' پڑھنے کے بعد یورپ کی سیاست کا یہ ''سلوگن'' معلوم نہیں کیوں مجھے یاد آگیا کہ: ''جھوٹ بولو، بار بار بولو، کثرت سے بولو اور پورے اعتماد سے بولو یہاں تک کہ وہ سچ نظر آنے لگے''

حقیقت یہ ہے کہ یہ ''اعتذار'' اس ''سلوگن'' کا پورا مصداق ہے۔ ''کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟'' کی تیسری قسط میں ''اکاذیب'' نہایت ہی تفصیل کے ساتھ زیرِ نظر ''کھلے خط'' میں واضح کیے جا چکے ہیں۔ اور یہ ''اعتذار'' بھی ان ''اکاذیب'' ہی کا تسلسل ہے۔

محترم جناب اوریا مقبول جان صاحب کے کالم ''ایک عظیم تحقیقی کتاب'' پر تو محض ایک دن کے وقفے سے اوپر نیچے مسلسل تین قسطیں لکھ دی گئیں۔ جبکہ زیرِ تبصرہ سات سطری ''اعتذار'' روزنامہ اسلام میں شائع ہونے والے کالم ''کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟'' کی تیسری قسط (18 اکتوبر 2018) کے ٹھیک 41 دن بعد منظرِ عام پر آیا۔ جس سے روزنامہ اسلام کے ذمہ دار حضرات ضرور عش عش کر اٹھے ہوں گے۔ لیکن اگر ''اعتذار'' کو قوت گویائی

حاصل ہوتی تو وہ خود ہی یہ پکار اٹھتا کہ:

معذرت را خندہ مے آید بر استعذار

یا

معصیت را خندہ مے آید بر استغفار

حضرت مفتی صاحب!

زیر بحث سات سطری اعتذار کی پہلی دو اور آخری دو سطریں تو محض خانہ پری کے لئے ہیں، پھر چھٹی سطر میں قارئین کی آنکھوں میں دھول جھونکی گئی ہے۔

''راقم اس غلطی پر قارئین سے معذرت خواہ ہے، توجہ دلانے والوں کو اللہ جزائے خیر دے''

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

ظاہر ہے کہ ''وہ قارئین'' (جن سے اعتذار میں معذرت اور ان کے لئے دعاء کی گئی ہے) نہ تو اصل متاثرین ہیں اور نہ ہی صاحب حق۔ پھر یہاں ''قارئین'' سے مراد بھی عام قارئین ہرگز نہیں ہیں۔ بلکہ روزنامہ اسلام کے چیف ایڈیٹر مفتی محمد زرین خان، ایڈیٹر مولانا انجینئر محمد افضل احمد خان، مولانا محمد شفیع چترالی، مولانا عنایت الرحمٰن شمسی کے علاوہ شاید چند دیگر خواص قارئین بھی ان میں شامل ہوں۔ کیونکہ توجہ دلانے والے بھی یہی ''قارئین'' ہیں۔ مذکورہ قارئین نہایت ہی خوش قسمت ثابت ہوئے ہیں ''معذرت'' بھی ان سے کی گئی اور الٹا ''ثواب اور دعاء'' بھی وہی لے گئے۔

باقی اصل صاحب حق جن کے خلاف کالم میں ''طعن و تشنیع، کذب بیانی اور افتراء پردازی کا بدترین مظاہرہ کیا گیا تھا، ان کی مثال تو قربانی کے جانوروں کی سی ہوگئی۔

یہ عجب ماجرا ہے کہ بروز عید قرباں
وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا

حضرت مفتی صاحب! آپ اور مولانا انجینئر محمد افضل خان صاحب بخوبی جانتے ہیں

کہ 18 اکتوبر 2016 کو ہی میں نے محمد اعجاز سابق فنانس منیجر روزنامہ اسلام کے ذریعے نہ صرف اپنا ''احتجاج'' ریکارڈ کرایا بلکہ جناب اوریا مقبول جان صاحب کے کالم سمیت زیر بحث کالموں کی فوٹو اسٹیٹ نقول پیش کیں اور باقاعدہ آگاہ کیا کہ مضمون میں خلط مبحث، طعن وتشنیع ،کذب بیانی ،افتراء پردازی اور فریب دہی'' کا بدترین مظاہرہ کیا گیا ہے۔جس کی دین اسلام تو کجا کسی مہذب انسانی معاشرے میں بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت مفتی صاحب!

(۲۸۱)	آپ ہی انصاف فرمائیں کہ کیا اس ''استغفار'' پر ''معصیت'' کو ہنسی نہیں آئی؟
(۲۸۲)	کیا اس ''استعذار'' پر معذرت بھی خندہ زن نہیں ہے؟
(۲۸۳)	کیا صاحب حق کو نظر انداز کر کے ''معافی ومعذرت'' کی کوئی مثال پائی جاتی ہے؟
(۲۸۴)	کیا یہ درست ہوگا کہ میں ''کذب بیانی اور افتراء پردازی'' تو آپ کے خلاف کروں اور ''معذرت'' میں اوریا مقبول جان صاحب سے کروں؟
(۲۸۵)	کیا ''کذب بیانی ،طعن وتشنیع اور افتراء پردازی'' سے حقوق العباد پر زد نہیں پڑتی؟
(۲۸۶)	کیا حقوق العباد کی پامالی گناہ اور جرم نہیں ہے؟
(۲۸۷)	کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ اگر گناہ کا تعلق ''حقوق العباد'' کے ساتھ ہو تو ''صاحب حق'' سے ''معافی وتلافی'' توبہ کی شرائط میں سے ہے؟

حضرت مفتی صاحب!

جہاں تک ''اعتذار'' کی یک کالمی سات سطروں میں سے باقی تین سطروں کا تعلق ہے تو ان میں بھی واضح طور پر چار جھوٹ بولے گئے ہیں:

''جھوٹ'' کی مذمت پر آیات واحادیث پیچھے گزر چکی ہیں۔یہاں ایک مزید حدیث ملاحظہ فرمائیں:''... ان الكذب يهدي الى الفجور و ان الفجور يهدي الى النار وان الرجل ليكذب حتى يكتب عندالله كذابا ''(صحیح بخاری۔کتاب الادب،رقم الحدیث ۶۰۹۴)

یقیناً جھوٹ بدکاری کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور بدکاری جہنم میں لے جاتی ہے اور آدمی برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب!

''اعتذار'' کی حسب ذیل عبارت کی وضاحت پیش خدمت ہے۔

''...کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟ کی تیسری قسط کے دوران ''عظیم تحقیقی کتاب'' میں قیس بن ابی حازم کے غیر ثقہ ہونے کا ذکر کیا گیا تھا۔ بعد میں بعض قارئین کے توجہ دلانے اور غور کرنے سے پتا چلا کہ یہ بالکل غلط تھا۔ مذکورہ کتاب میں قیس بن ابی حازم کا ذکر نہیں ہے...''

سات سطری اعتذار میں پہلا اور دوسرا جھوٹ:

''اعتذار'' میں پہلا جھوٹ تو یہ ہے کہ مذکورہ قسط (کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟) میں ''عظیم تحقیقی کتاب'' سے متعلق قیس بن ابی حازم کے ''غیر ثقہ'' ہونے کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا گیا تھا۔ وہاں تو سات سطری ''اعتذار'' سے چار گنا زائد ''بتیس سطروں'' میں حضرت قیس بن ابی حازم کا تعارف و مقام اور ان کی وثاقت و تعداد مرویات بتا کر مجھ پر یہ الزام عائد کیا تھا کہ:

''عظیم تحقیقی کتاب'' والے بزرگ نے (دیگر عرب مورخین و سیرت نگاروں کے علاوہ) قیس بن ابی حازم کو بھی جھوٹا ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔ پھر صغریٰ کبریٰ ملا کر اس سے یہ غلط اور باطل نتیجہ اخذ کیا گیا کہ:

''اب ایسی تحقیقات کرنے اور انہیں ماننے والوں کے دین و ایمان کا تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ قیس سے مروی کتب حدیث میں ان کی تمام روایات کو یکسر مردود قرار دیں۔ اور ان محدثین اور ائمہ مجتہدین (جنھوں نے قیس کی مرویات اپنی کتب میں روایت کی ہیں) کو بھی خائن شمار کریں یا کم از کم فن حدیث اور فن رجال سے ناواقف سمجھیں۔''

حضرت مفتی صاحب!

(۲۸۸)	کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟ کی تیسری قسط میں حضرت قیس بن ابی حازم سے متعلق عبارت ''اعتذار'' والی عبارت کے ساتھ کوئی مطابقت رکھتی ہے؟

(۲۸۹)	کیا اس ''اعتذار'' پر ''عذر گناہ بدتر از گناہ'' کا مقولہ صادق نہیں آتا؟
(۲۹۰)	کیا زیر بحث قسط کی پوری 32 سطروں میں قیس بن ابی حازم کے حوالے سے کہیں بھی ''غیر ثقہ'' کے الفاظ دکھائے جاسکتے ہیں؟
(۲۹۱)	کیا یہ صریح غلط بیانی اور کذب بیانی نہیں ہے؟
(۲۹۲)	کیا یہ افتراء پردازی اور بہتان طرازی نہیں ہے؟
(۲۹۳)	کیا یہ فریب دہی کی بھی بدترین مثال نہیں ہے؟

حضرت مفتی صاحب!

آپ کو ہرگز یہ تکلیف نہیں دی جارہی کہ 832 صفحات پر مشتمل ''ایک عظیم تحقیقی کتاب'' میں سے قیس بن ابی حازم کے بارے میں غیر ثقہ کے الفاظ دکھادیں۔ آپ کو تو صرف یہ زحمت دی جارہی ہے کہ 18 اکتوبر 2016 کو روزنامہ اسلام میں شائع ہونے والی قسط میں حضرت قیس بن ابی حازم سے متعلق صرف 32 سطروں میں کہیں ''غیر ثقہ'' کے الفاظ دکھادیں۔ اس طرح یہاں حضرت قیس کے ''غیر ثقہ'' ہونے کے حوالے سے دو جھوٹ بولے گئے ہیں۔ ایک جھوٹ عظیم تحقیقی کتاب کے بارے میں اور دوسرا جھوٹ خود روزنامہ اسلام میں 18 اکتوبر 2016 کو شائع ہونے والی قسط کے بارے میں۔ ''تیسری قسط کے دوران... میں قیس بن ابی حازم کے غیر ثقہ ہونے کا ذکر کیا تھا'' کیونکہ ''قسط'' میں غیر ثقہ ہونے کے الفاظ نہیں پائے جاتے۔

سات سطری اعتذار میں تیسرا جھوٹ:

''بعد میں بعض قارئین کے توجہ دلانے اور غور کرنے سے پتا چلا کہ یہ بالکل غلط تھا...''

18 اکتوبر 2016 کی قسط میں تو میرے بارے میں یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ:

میں نے قیس بن ابی حازم کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے ''ایڑی چوٹی'' کا زور لگایا ہے۔

ان الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ زیر بحث کالم ''عظیم تحقیقی کتاب'' کے بالاستیعاب

مطالعہ کے بعد لکھا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں صرف ''زور'' پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اسے ''ایڑی چوٹی'' کے زور سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ ''ایڑی چوٹی'' کا زور تبھی محسوس کیا ہوگا جب قیس کو جھوٹا (العیاذ باللہ) ثابت کرنے کے لئے اس موقف پر کچھ دلائل نظر سے گزرے ہوں گے۔

(۲۹۴)	سوال یہ ہے کہ پھر ''اعتذار'' میں قیس کے غیر ثقہ ہونے کا ذکر کیوں کیا گیا؟

کیونکہ میں نے تو انہیں جھوٹا ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت قیس کے حوالے سے غیر ثقہ ہونے کا ذکر نہ تو 832 صفحات پر مشتمل ''عظیم تحقیقی کتاب'' میں ملتا ہے اور نہ ہی 18 اکتوبر 2016 کو روزنامہ اسلام میں قیس سے متعلق شائع ہونے والی 32 سطروں میں کہیں اس کا ذکر ہے۔

یہ بحث تو خیر حضرت قیس سے متعلق ''غیر ثقہ'' کے الفاظ کے استعمال یا عدم استعمال کے بارے میں تھی، جہاں تک ''اعتذار'' کی اس بات کا تعلق ہے کہ

''بعد میں قارئین کے توجہ دلانے اور غور کرنے سے پتا چلا کہ یہ بالکل غلط تھا...''

حضرت مفتی صاحب!

پہلے ''عظیم تحقیقی کتاب'' میں ایڑی چوٹی کا زور محسوس کر کے یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ:

حضرت قیس کو جھوٹا اور منکر الحدیث کہا گیا ہے۔

بعد میں قارئین نے توجہ دلائی کہ کتاب میں حضرت قیس کے غیر ثقہ ہونے کا ذکر صحیح نہیں ہے۔

پھر احتیاط لازم ہے کہ پیش نظر قارئین کے محض توجہ دلانے پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ خود بھی ازسرِ نو خوب غور و خوض کیا گیا تب کہیں جا کر یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ ''یہ بالکل غلط تھا''

یعنی حضرت قیس بن ابی حازم کے غیر ثقہ ہونے کا ذکر ''عظیم تحقیقی کتاب'' میں نہیں ہے اور اس چیز کو کتاب کی طرف منسوب کرنا بالکل غلط تھا۔

حضرت مفتی صاحب!

کیا یہ بات باعث تعجب نہیں ہے کہ کتاب کی اشاعت کے پانچ ماہ (جولائی تا نومبر 2016) کے بعد تک اس میں ایڑی چوٹی کا زور محسوس کر لینے، قارئین کے متوجہ کرنے اور خود بھی اکتالیس دن (19 اکتوبر تا 28 نومبر 2016) تک مسلسل غور کرنے کے باوجود ''اعتذار'' میں جو موقف پیش کیا گیا تو وہ بھی بالکل غلط نکلا۔ کیونکہ قیس بن ابی حازم کے ''غیر ثقہ'' ہونے کا ذکر نہ تو 832 صفحات پر مشتمل ''عظیم تحقیقی کتاب'' میں کہیں ہے اور نہ ہی روزنامہ اسلام میں 18 اکتوبر 2016 کو شائع ہونے والے کالم میں قیس بن ابی حازم سے متعلق 32 سطروں میں غیر ثقہ کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔

(۲۹۵)	سخت حیرت ہے کہ پھر اس طویل مشقت اور خامہ فرسائی سے کیا حاصل ہوا؟

سات سطری ''اعتذار'' میں چوتھا جھوٹ:

''مذکورہ کتاب (''عظیم تحقیقی کتاب'') میں قیس بن ابی حازم کا ذکر نہیں ہے۔''

سات سطری اعتذار میں پہلا جھوٹ تو ''عظیم تحقیقی کتاب'' کے حوالے سے تھا اور دوسرا جھوٹ 18 اکتوبر 2016 کو روزنامہ اسلام میں شائع ہونے والی قسط کے حوالے سے تھا کیونکہ کتاب اور زیر بحث قسط دونوں میں غیر ثقہ کے الفاظ نہیں پائے جاتے تھے۔ تیسرا جھوٹ یعنی قارئین کے توجہ دلانے اور خود بھی اکتالیس دن تک خوب غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ کتاب میں قیس بن ابی حازم کے غیر ثقہ ہونے کا ذکر بالکل غلط ہے۔ اس سے بعض قارئین یہ اندازہ لگا سکتے تھے کہ اگر ''عظیم تحقیقی کتاب'' میں حضرت قیس کے غیر ثقہ ہونے کا ذکر نہیں ہے تو پھر ان کے ثقہ ہونے کا احتمال ہو سکتا ہے۔

قارئین کے اس احتمال کو غلط ثابت کرنے کے لئے پیش قدمی کے طور پر چوتھا جھوٹ یہ بولا کہ: ''مذکورہ کتاب میں قیس بن ابی حازم کا کوئی ذکر نہیں ہے''

یعنی مذکورہ کتاب میں حضرت قیس کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے کا کیا سوال بلکہ خود حضرت

قیس کا ذکر ہی سرے سے نہیں ہے۔

حضرت مفتی صاحب!

سات سطری ''اعتذار'' کے اس دعویٰ کو پیش نظر رکھیں کہ کتاب میں قیس بن ابی حازم کا ذکر نہیں ہے۔

یہ دعویٰ بالکل غلط قطعی طور پر بے بنیاد اور انتہائی صریح جھوٹ ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ''عظیم تحقیقی کتاب'' میں حضرت قیس کا ذکر پایا جاتا ہے جس سے ان کا ثقہ ہونا بھی واضح کیا گیا ہے۔ملاحظہ فرمائیں:

''صحابہؓ کے علاوہ اکابر تابعین نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے حدیث کی روایت کی ہے مثلاً: ابوادریس خولانی، سعید بن میسّب، خالد بن معدان، ہمام بن منبہ، قیس بن ابی حازم عبداللہ بن الحرث بن نوفل، عیسیٰ بن طلحہ، محمد بن جبیر بن مطعم، حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف، ابومجلّہ، علقمہ بن وقاص، عمیر بن ہانی، مطرف بن عبداللہ، محمد بن سیرین، عکرمہ مولیٰ ابن عباس وغیرہم۔''(الناھیۃ عن طعن معاویۃ ص ۱۷، الاصابہ جلد ۳ ص ۴۳۴)

(''امام طبری کون؟ مورخ، مجتہد یا افسانہ ساز'' ص 274)

حضرت مفتی صاحب!

مذکورہ عبارت سے جہاں یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ ''عظیم تحقیقی کتاب'' میں حضرت قیس بن ابی حازم کا ذکر موجود ہے۔ وہیں روزنامہ اسلام میں شائع ہونے والے ''اعتذار'' کا یہ دعویٰ بھی از خود ہی بالکل بے بنیاد، قطعی طور پر باطل اور اس کا صریح جھوٹا ہونا بھی ثابت ہوگیا ہے، کہ مذکورہ کتاب میں قیس بن ابی حازم کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

جہاں تک حضرت قیس کے ثقہ ہونے کا تعلق ہے تو اس کا ثبوت بھی خود مذکورہ عبارت کے اندر موجود ہے۔

محدثین کرام نے صحابی کی تعریف میں جتنے اقوال پیش کئے ہیں اور صحابی کی معرفت کے جتنے طریقے بتائے ہیں تو میں نے اپنی کتاب میں صحابیت کی تعریف میں وارد ہر ہر قول اور صحابیت کی معرفت کے ہر ہر طریقے کی رو سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا ثابت کیا ہے۔

محدثین کرام نے صحابیت کے معرفت کا ایک طریقہ یہ بھی بتایا ہے کہ کوئی تابعی کسی صحابیؓ سے حدیث روایت کرے، یہ چیز بھی اس کے صحابیؓ ہونے کا واضح ثبوت ہے کیونکہ ایک تابعی گواہی دے رہا ہے کہ یہ حدیث میں نے فلاں صحابیؓ سے سنی ہے جسے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر روایت کیا ہے۔

تو صحابیؓ کی معرفت کے اس اصول کے تحت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو صحابیؓ ثابت کرنے کے لئے جہاں میں نے اور بہت سے طویل دلائل دیئے ہیں یہ دلیل بھی دی ہے کہ اکابر تابعین (جن میں حضرت قیسؒ بن ابی حازم بھی شامل ہیں) نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث روایت کی ہیں۔

حضرت مفتی صاحب!

(٢٩٦)	کیا عظیم تحقیقی کتاب میں حضرت قیس کا ذکر نہیں پایا جاتا؟
(٢٩٧)	کیا میں حضرت قیس کا حوالہ معرض استدلال میں نہیں لایا؟
(٢٩٨)	اپنے موقف کے حق میں حضرت قیس کو میرے بطور دلیل پیش کرنے سے کیا انہیں ثقہ تسلیم کرنا لازم نہیں آتا؟
(٢٩٩)	کیا سات سطری ''اعتذار'' کا یہ دعویٰ بالکل غلط قطعی طور پر بے بنیاد اور صریح جھوٹ ثابت نہیں ہوگیا؟
(٣٠٠)	کیا ''توجہ'' دلانے والے ''قارئین'' اس ''اعتذار'' سے مطمئن ہوگئے ہوں گے؟

(۳۰۱)	کیا توجہ دلانے والے "قارئین" کذب و افتراء کے مرقع اس سات سطری "اعتذار" میں جھوٹ کو فروغ دینے میں معاون کا کردار ادا کرنے پر "جزائے خیر" کے بجائے "سزا" کے مستحق نہیں ہوں گے؟
(۳۰۲)	کیا اس جھوٹے "اعتذار" کے بارے میں "سکوت" کا روزہ توڑ کر شرعی فتویٰ جاری کرنے کا اب بھی وقت نہیں آیا؟
(۳۰۳)	کیا آپ کے نزدیک "جھوٹ لکھنا، جھوٹ بولنا، جھوٹ کو فروغ دینا" گناہ نہیں ہے؟
(۳۰۴)	اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو پھر روزنامہ اسلام میں "جھوٹ" کو فروغ کیوں دیا جا رہا ہے؟
(۳۰۵)	کہیں اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ روزنامہ اسلام میں جھوٹ کو سچ سمجھ کر لکھا جاتا ہے؟

حضرت مفتی صاحب!

"جھوٹ" کو "سچ" سمجھ کر بولے یا لکھے جانے پر ایک واقعہ یاد آ گیا ہے کہ:

"وکی لیکس کی رپورٹ میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے بارے میں یہ انکشاف کیا گیا کہ:

انہوں نے 2007ء میں امریکی سفیر کے ساتھ ملاقات (بلکہ ان کے اعزاز میں اپنی طرف سے دیئے گئے عشائیہ تقریب) میں امریکا سے خود کو وزیر اعظم بنوانے کی درخواست کی تھی۔ اس کے جواب میں مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے اخبارات کو ایک تردیدی بیان جاری کیا کہ یہ انکشاف صحیح نہیں ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے اس تردیدی بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے محترمہ طیبہ ضیاء چیمہ صاحبہ اپنے کالم میں لکھتی ہیں کہ:

"ایک ایک چیز وکی لیکس پر موجود ہے جسے کوئی مسترد کر سکتا ہے اور نہ ہی تردید بجز مولانا فضل الرحمٰن کے۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ جھوٹ کو سچ سمجھ کر بولتے ہیں وگرنہ انہیں جھوٹ سے شدید نفرت ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت ۴ دسمبر ۲۰۱۰ تحت "وکی اور مٹی کی بدنامی")

مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے بارے میں جو کچھ محترمہ نے لکھا ہے وہ صحیح ہے یا غلط یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔لیکن مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے برعکس روزنامہ اسلام میں 18اکتوبر 2016اور 29نومبر 2016 کوشائع ہونے والے کالم اورسات سطری "اعتذار" میں کذب بیانیاں روزروشن کی طرح واضح ہوگئی ہیں۔

حضرت مفتی صاحب!

اگراب بھی آپ اسے جھوٹ نہیں سمجھتے تو پھر محترمہ طیبہ ضیاءچیمہ صاحبہ کی یہ بات کیا روزنامہ اسلام والوں کے حق میں بالکل صحیح نہیں ہے کہ:

"انہیں جھوٹ سے شدید نفرت ہےاس لئے وہ جھوٹ کو سچ سمجھ کر لکھتے ہیں"

(۳۰۶)	کیا جھوٹ کو سچ سمجھ کر بولنے سے فی الواقع وہ جھوٹ سچ میں تبدیل ہوجاتا ہے؟

اگر بالفرض "قارئین" جھوٹ سے آگاہ نہیں ہیں تو لکھنے والا تو یقیناً جانتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔

بہرحال اس "اعتذار" سے یہ بات بھی واضح ہوگئی ہے کہ یہ جھوٹ کا مرقع ہونے کےعلاوہ تعصب پربھی مبنی ہے۔اورآپ جانتے ہیں کہ متعصب نظر حقیقت شناس نہیں ہوتی

"قاتل الله التعصب ما افضحه لصاحبه "

حضرت مفتی صاحب!

(۳۰۷)	کیااس طعن وتشنیع،کذب وافتراء،خودفریبی یافریب دہی اورتعصب یا سوءظن کے خلاف بھی کوئی فتویٰ جاری ہوسکتا ہے؟
(۳۰۸)	کیاحسن ظن کاباب صرف "اپنوں" کے لئے ہی کھلا رہتا ہے؟
(۳۰۹)	کیا "دوسرے طبقات" کےافراد حسن ظن کے مستحق نہیں ہیں؟

آپ کے پندرہ ماہی طرزعمل سے لگتا یہی ہے کہ آج دارالافتاءبند ہے۔اورمسلک و

ادارے کے تمام مفتیان کرام "رخصت" پر ہیں۔ کیونکہ معاملے کا تعلق ادارے کی ایک اہم "شخصیت" کے ساتھ ہے۔ اس لئے اس شخصیت کے خلاف فتویٰ صادر کرنے سے "روزنامہ اسلام" کے پورے ادارے کی بدنامی مول لینا پڑتی ہے۔

ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

(۳۱۰)	حضرت مفتی صاحب! روزنامہ اسلام میں جھوٹے کالموں اور جھوٹے اعتذار کی اشاعت کے بارے میں کوئی فتویٰ صادر فرمائیں گے؟
(۳۱۱)	اگر کوئی شخص جھوٹ کو سچ سمجھ کر لکھ رہا ہے تو کیا یہ دوہرا گناہ نہیں ہے؟ (جھوٹ بولنا اور جھوٹ کو سچ سمجھنا)

حضرت مفتی صاحب!

سخت تعجب ہے کہ امام طبری کی منقولہ منافی عصمت اور مبنی بر توہین روایات کے بارے میں ڈیڑھ سال بعد بھی کوئی "اعتذار" سامنے نہ آسکا۔

جبکہ "عظیم تحقیقی کتاب" میں حضرت قیس کو غیر ثقہ قرار دینے کے حوالے سے "قارئین" کے متوجہ کرنے اور خود بھی اکتالیس دن تک غور کرنے کے بعد بعد سات سطری "اعتذار" شائع کر دیا گیا۔

(۳۱۲)	کیا انبیاء عظام کی عصمت اور صحابہ کرامؓ کے ناموس کا تحفظ زیادہ ضروری ہے یا میری کتاب کی طرف ایک غلط بات منسوب کر دینے پر "اعتذار" شائع کر دینا زیادہ اہم ہے؟
(۳۱۳)	پھر کیا وجہ ہے کہ منافی عصمت اور مبنی بر توہین روایات کے ناقلین کا دفاع کرنے پر کوئی اعتذار ابھی تک سامنے نہیں آیا؟
(۳۱۴)	کیا عصمت انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ اہل سنت والجماعت کے عقائد کا حصہ نہیں ہے؟

(۳۱۵)	کیا عصمت انبیاء علیہم السلام کا تحفظ نظریاتی سرحدوں کا تحفظ نہیں ہے؟
(۳۱۶)	کیا ناموس صحابہ کا تحفظ نظریاتی سرحدوں کا تحفظ نہیں ہے؟
(۳۱۷)	اگر آپ عصمت انبیاء اور ناموس صحابہ کے تحفظ کو نظریاتی سرحدوں میں داخل سمجھتے ہیں تو پھر ان کے تحفظ کے لئے کوئی اقدام کیوں نہیں اٹھاتے؟

حضرت مفتی صاحب!

آپ 29 نومبر 2016 کو شائع ہونے والے روزنامہ اسلام کا ادارتی صفحہ اٹھائیں اور اسے اپنے سامنے رکھیں تو آپ کو بائیں جانب کذب بیانیوں کا مرقع سات سطری "اعتذار" نظر آئے گا، اور اسی صفحہ پر دائیں جانب اخبار کا اداریہ بھی ملاحظہ فرمائیں جس کا عنوان کچھ یوں ہے کہ:

نظریاتی سرحدوں کے تحفظ کے لئے بیداری کی ضرورت

اس اداریے میں یہ بتایا گیا ہے کہ "...مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء کرام نے این جی او "پیس اینڈ ایجوکیشن فاؤنڈیشن" کی جانب سے نصاب تعلیم میں تبدیلی کی سفارشات کو سیکولرازم کا ایجنڈا قرار دے کر مسترد کر دیا ہے۔ علماء کرام نے خبردار کیا ہے کہ اگر نصاب تعلیم سے نظریہ پاکستان کو نکالنے کی کوشش کی گئی تو عوام کی طاقت سے انہیں ناکام بنایا جائے گا..."

محترم جناب مدیر صاحب فرماتے ہیں کہ:

"...روشن خیال لبرلزم اور آزاد فکری کے علمبردار طبقات و افراد کی ملک کی نظریاتی سرحدوں پر ہونے والی تازہ یلغار کے سدباب کے لئے تمام مکاتب فکر سے متعلق علماء کرام، مذہبی شخصیات اور دینی جماعتوں کی کوششیں اور بیداری وقت کی اہم ضرورت ہیں، اس میں شک نہیں کہ پاکستان جس روشن اور آفاقی نظر و فکر کی بنیاد پر قائم ہوا تھا، آج اسے منہدم کرنے کی سازشیں اور کوششیں اقتدار کے ایوانوں سے عمل میں لائی جارہی ہیں جس کا اب سے قبل تصور بھی محال تھا...

وقت کی پکار ہے کہ ملک کے جید علماء کرام، مشائخ عظام، دینی جماعتیں اور کارکنان بلاتفریق مسلک و مشرب ایک مرتبہ پھر وقت کے نازک تقاضوں اور سیکولرازم کے فروغ کے

نام پر اسلام دشمن کارروائیوں کا ادراک کریں اور جو سازشیں روبہ عمل ہیں ان کے تدارک پر سوچ بچار کریں...اس تناظر میں بھی مرکزی حکومت کو اپنے محاسبے پر توجہ صرف کرنی چاہئے اور عوام کے حساس دینی جذبات و احساسات کا پاس کرنا چاہئے۔" (روزنامہ اسلام 29 نومبر 2016 تحت "اداریہ")

حضرت مفتی صاحب!

مجھے معلوم نہیں کہ یہ اداریہ مدیر اعلیٰ یا مدیر میں سے کس کا تحریر کردہ ہے۔ لیکن اس کے متن کے ساتھ مجھے کامل اتفاق ہے کیونکہ مجھے بھی اسی مقصد کے تحت (یعنی روزنامہ اسلام کے ادارے کو بیدار کرنے کے لئے) "امام طبری کون؟ مورخ، مجتہد یا افسانہ ساز" جیسی ایک ضخیم کتاب لکھنا پڑی۔ جبکہ زیر نظر "کھلے خط" کا مقصد بھی یہی ہے۔

آپ نصاب میں تبدیلی سے متعلق ایک این جی او کی محض "تجویز" (جس کے نفاذ میں محکمہ تعلیم، صوبائی حکومتیں، کابینہ، اسمبلی اور صدر کی منظوری تک تمام مراحل ابھی باقی ہیں) پر اس قدر "حساس" ثابت ہوئے ہیں کہ ترجیحی بنیادوں پر نہ صرف یہ کہ روزنامہ اسلام کا تقریباً پورا اداریہ وقف کر دیا بلکہ "تجویز" کی سطح پر ہی عوام کو بیدار کرنے کی مہم بھی شروع کر دی اور بجا طور پر اس "تجویز" کو ملک کی نظریاتی سرحدوں (یعنی اسلام) پر تازہ یلغار قرار دیتے ہوئے کہا کہ: "اس کے سدباب کے لئے تمام مکاتب فکر سے متعلق علماء کرام، مذہبی شخصیات اور دینی جماعتوں کی کوششیں اور بیداری وقت کی اہم ضرورت ہیں..."

یہی نہیں بلکہ مرکزی حکومت کو بھی خبردار کرتے ہوئے کہا کہ:

"اس تناظر میں بھی مرکزی حکومت کو اپنے محاسبے پر توجہ صرف کرنی چاہئے اور عوام کے حساس دینی جذبات و احساسات کا پاس کرنا چاہئے۔"

حضرت مفتی صاحب!

مذکورہ این جی او کی طرف سے ابھی محض ایک تجویز سامنے آئی ہے جسے حکومت کی جانب

سے عملی جامہ پہنانے کا زیادہ سے زیادہ امکان پایا جاتا ہے۔امکان کی حیثیت تو ثانوی ہے لیکن آپ نے اس تجویز کو ہی پاکستان کی نظریاتی سرحدوں پر تازہ یلغار قرار دے دیا ہے۔

جبکہ روزنامہ اسلام میں (امکان سے بہت آگے نکل کر وقوع کے درجے میں) تاریخ صحابہ اور راہ اعتدال، علامہ طبری...مورخ، مجتہد یا افسانہ ساز، ایک خط اور اس کا جواب اور احتیاط لازم ہے، جیسے عنوانات پر شائع ہونے والے کالموں کے ذریعے ''عقیدہ عصمت انبیاء اور مشاجرات صحابہ'' جیسے حساس مسائل پر بالکل بے موقع و بے محل عملی طور پر باقاعدہ یلغار کر کے اسلام کی نظریاتی سرحدوں کی دیواروں میں بڑے بڑے شگاف کر ڈالے ہیں۔لیکن اس کے باوجود آپ کا ''احساس'' بیدار نہیں ہوا۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ دوسروں کو بیدار کرنے سے پہلے خود اپنا بیدار رہنا ضروری ہے۔

(۳۱۸)	کیا آپ امام طبری کی منقولہ منافی عصمت اور مبنی بر توہین روایات سے برأت کا واضح اعلان کر کے اپنے بیدار ہونے کا عملی ثبوت فراہم کریں گے؟
(۳۱۹)	کیا آپ تفسیر، حدیث، تاریخ اور دیگر کتابوں میں پائی جانے والی منافی عصمت مبنی بر توہین اور اسرائیلی روایات کے تدارک پر سوچ بچار کرنا پسند فرمائیں گے؟
(۳۲۰)	کیا اس تناظر میں یہ ضروری نہیں ہے کہ روزنامہ اسلام کی مرکزی قیادت خود اپنے ''محاسبے'' پر توجہ صرف کرے؟
(۳۲۱)	کیا روزنامہ اسلام کے سرپرستوں کو امام طبری کی منقولہ (بالخصوص قصہ زیدؓ و زینبؓ اور غرانیق سے متعلق) سراسر منافی عصمت مبنی بر توہین روایات کا دفاع کرنے پر مسلمانوں کے حساس دینی جذبات و احساسات کا پاس و لحاظ نہیں کرنا چاہئے؟

حضرت مفتی صاحب!

اس تناظر میں اور موقع کی مناسبت سے روزنامہ اسلام کا دین اسلام کے تقاضے کے عین مطابق اور مسلمانوں کے جذبات کی صحیح ترجمانی کرنے والا زیر بحث اداریہ غور و فکر اور

عملی اقدام اٹھانے کے لئے خود روزنامہ اسلام کے پورے ادارے کی نظر کرتا ہوں۔

اگر کچھ کم ہے جو کچھ ہو چکا بیدار کرنے کو
تو کل افسانہ عبرت کے عنواں اور بھی ہوں گے

اعاذنا اللہ منہ

لَعَمْرِیْ لَقَدْ نَبَّهْتُ مَنْ كَانَ نَائِمًا

وَأَسْمَعْتُ مَنْ كَانَتْ لَهُ أُذُنَان

اللہ کرے کہ آپ اپنے ہم خیال رفقاء سمیت اس حد تک نہ پہنچ گئے ہوں جس کی منظر کشی کرتے ہوئے کسی شاعر نے یوں کہا تھا کہ:

اسمعت لو ناديت حيا

ولكن لا حياة لمن تنادی

حضرت مفتی صاحب!

آخر میں ایک مرتبہ پھر مکرر عرض ہے کہ میں اس بات کا ہرگز ہرگز خواہاں نہیں ہوں کہ روزنامہ اسلام میں 18 اکتوبر 2016ء کو شائع ہونے والی ''خلط مبحث، طعن و تشنیع، خود فریبی، فریب دہی، کذب بیانی اور افتراء پردازی'' پر مبنی ''کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟'' تیسری قسط کی بناء پر مجھ سے کسی قسم کی ''معذرت خواہی'' کی جائے کیونکہ میں نے اپنا ''مقدمہ'' احکم الحاکمین کی بارگاہ میں درج کرا دیا ہے۔

جہاں تک طعن و تشنیع، کذب بیانی و افتراء پردازی کا تعلق ہے تو میں نے جب سے اس میدان کارزار میں قدم رکھا ہے تو میں اپنوں اور بیگانوں سے اس سے بھی بدر جہا بڑھ کر مغلظات سننے کا عادی ہو چکا ہوں اور یہ طعن و تشنیع اور مغلظات تو میرے اللہ نے اپنے بندوں کی ایک پہچان بتائی ہے کہ:

لا يخافون لومة لائم ∎ ذالك فضل الله يؤ تيه من يشاء (المادئده ٥٤)

''وہ نہیں ڈرتے ملامت سے اور ملامت کرنے والوں سے، یہ تو (ان پر) اللہ کا فضل وکرم ہے جو نوازتا ہے اس سے جسے چاہے۔''

سیرت انبیاء و سیرت سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہے کہ اس راستے میں طعن و تشنیع اور گالیاں سننا و سہنا تو محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔

جو حضرات راقم الحروف سے ذاتی طور پر یا بذریعہ تحریر و تقریر آگاہ ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ راقم 1980ء سے مسلسل اور بلا تعطل دشمنان صحابہؓ و اہلبیتؓ کے خلاف برسرپیکار ہے۔دو درجن سے زائد مقدمات پر عدالتی ریکارڈ (جس کی تفصیل ان شاء اللہ العزیز ''روداد مقدمات'' کے نام سے ایک مستقل کتاب کی صورت میں پیش کی جائے گی) آج بھی محفوظ ہے۔اس لئے راقم نے اپنا سارا زورِ قلم اور زورِ بیان عقیدہ عصمت انبیاءؑ، ناموس صحابہؓ اور مذہب اہل سنت کے تحفظ اور فرق باطلہ کے رد اور تعاقب کے لئے وقف کر رکھا ہے۔

زیر بحث مسئلہ کی حساسیت کے پیش نظر آپ جیسے صاحب علم و تقویٰ سے بجا طور پر یہ توقع تھی کی آپ خود اس معاملے کا جائزہ لے کر کوئی اطمینان بخش جواب دیں گے۔لیکن صد افسوس کہ آپ نے ابھی تک ''عقیدہ'' کے ساتھ متعلق اس انتہائی اہمیت کے حامل مسئلے کو کوئی وقعت اور اہمیت نہیں دی۔

امام طبری کی منقولہ منافی عصمت اور مبنی بر توہین روایات سے اظہار برأت میں اپنا دینی و ایمانی فریضہ سمجھتا ہوں اور ان سے اختلاف کا برملا اعلان کرتا ہوں، کیونکہ میں ہرگز شخصیت پرست نہیں ہوں۔ میں انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی کو بھی معصوم نہیں سمجھتا۔

آپ جانتے ہیں کہ ''احترام'' میں اور ''شخصیت پرستی'' میں بڑا فرق ہے۔شخصیت پرستی سے مراد یہ ہے کہ اس شخص کے ہر قول و عمل کو اصول روایت و درایت کی رو سے پرکھے بغیر مبنی بر صداقت تسلیم کر لیا جائے۔

امام طبری کا تو پھر ایک مقام ہے میں تو کسی عام انسان کی توہین کو بھی جرم سمجھتا ہوں۔ لیکن اس کے باوجود یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر کسی شخص کی عقیدت یا ادب و احترام اظہار حق

کے راستے میں رکاوٹ بن جائے تو یہ بھی بارگاہ الٰہی میں جرم عظیم ہے۔ میں اس جرم کے ارتکاب سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔

مولانا سید احمد رضا بجنوری لکھتے ہیں کہ:

''جواد ب بہ ضرورت بھی اظہار حق کا روادار نہ ہو اس کو ادب سمجھنا ہی بڑا ظلم ہے''

(انوار الباری جلد ۲ ص ۴۷)

میں ''توضیحات امام طبری کون...مورخ مجتہد یا افسانہ ساز؟'' کے سلسلے میں اپنے اس ''کھلے خط'' کو اس توقع کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ آپ ادب واحترام، شخصیت پرستی اور نفس مسئلہ کے بنیادی نکتہ نظر انداز نہیں فرمائیں گے اور میری ''ناگوار'' گزرنے والی باتوں پر میری طرف سے معذرت قبول فرمالیں۔

"والعذر عند کرام الناس مقبول"

والسلام

مع غایۃ الاحترام

دعا گو و دعا جو

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

مرکزی جامع مسجد سیدنا معاویہ چوک حویلیاں ہزارہ

7 ربیع الاول 1438ھ مطابق 7 دسمبر 2016ء

کاپی: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب مدظلہ

ضمیمہ

اوریا مقبول جان صاحب کے روزنامہ ایکسپریس میں شائع ہونے والے کالم اور روزنامہ اسلام میں شائع ہونے والے جوابی کالم جن کا حوالہ زیرنظر ''کھلا خط'' میں آیا ہے۔وہ ''من وعن'' اس ضمیمہ میں یکجا کئے گئے ہیں تا کہ مراجعت کرتے وقت ''حق وسچ'' کی تلاش میں کوئی دقت ودشواری پیش نہ آئے۔

(۱) تاریخی کالم اور آپ کی رائے۔''روزنامہ اسلام''۹/اکتوبر۲۰۱۶ء

(۲) ایک عظیم تحقیقی کتاب۔''روزنامہ ایکسپریس''۱۴/اکتوبر۲۰۱۶ء

(۳) کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟''روزنامہ اسلام''۱۶تا۱۸اکتوبر۲۰۱۶ء(تین اقساط)

(۴) مصطفی کمال سے طیب اردوان تک (اعتذار)

''تاریخی کالم......آپ کی رائے''

تاریخی کالم سے میری مراد تاریخی موضوعات پر لکھے جانے والے کالم ہیں۔روزنامہ اسلام کے پرانے قارئین جانتے ہیں کہ راقم نے 2001ء میں جب اس روزنامے کے اجراء کے ساتھ،اس میں کالم نگاری کا آغاز کیا،تو دیگر کالم نگاروں کی طرح میرا موضوعِ سخن بھی حالاتِ حاضرہ ہی تھے۔

یہ سلسلہ 2010ءتک جاری رہا۔اپریل 2011ء میں راقم نے اپنی کالم نگاری کا انداز تبدیل کیا اور تاریخ کے مختلف گوشوں کو بنیاد بنا کر کالم لکھنا شروع کیے۔اگرچہ بیچ میں کبھی کبھار حالاتِ حاضرہ پر بھی لکھ دیتا ہوں بلکہ ہفت روزہ ضربِ مومن میں تو اکثر وبیشتر تازہ حالات ہی کو موضوعِ سخن بناتا ہوں،تاہم روزنامہ اسلام کے کالموں میں تاریخی رنگ غالب ہوگیا۔یہ طرز اختیار کرنے کی کچھ وجوہ تھیں۔ابتدائی وجہ یہ بنی کہ روزنامہ اسلام میں ایک کالم چھپا،جس کے مندرجات کسی تاریخ پر نہیں بلکہ تاریخی ناول پر مبنی تھے۔کالم نگار یقیناً اسے حرف بحرف سچ سمجھ رہے تھے،اس لیے ناول کے اس قصے کو جو شروع سے آخر تک من گھڑت تھا،انہوں نے اپنے استدلال کی بنیاد بنالیا۔کالم نگار اچھی علمی استعداد کے حامل اور پختہ دین دار ہیں مگر ان کی تحریر تاریخ سے دلچسپی کے باوجود،اصل تاریخ کے مطالعے میں کمی کی عکاسی کررہی تھی۔اس سے راقم کو بڑی شدت سے خیال ہوا کہ اس وقت اپنے نوجوان ساتھیوں کو تاریخی حقائق سے آگاہ کرنے کی شدید ضرورت ہے۔تاریخ راقم کی دلچسپی اور تحقیق کا خاص میدان ہے۔اگرچہ اس میدان کے اصل شہ سواروں یعنی پرانے علماء اور اکابر کے سامنے راقم طفلِ مکتب ہے اور بلاشبہ تاریخ کے وسیع سمندر میں اب تک میں خود کو ایک طالب علم یقین کرتا ہوں،تاہم اس کے ساتھ میں اس ذمہ داری سے بھی زیادہ مدت تک بے اعتنائی نہ برت سکا کہ ماضی کے حقائق کو قدیم مآخذ اور اصل عبارات سے کشید کرکے دلچسپ اور مفید انداز میں قارئین کے سامنے لانا چاہیے اور وہ بھی اس طرح کہ وہ اس سے موجودہ حالات اور پیش آمدہ قضایا میں درست فیصلے کرنے کی استعداد حاصل کرسکیں۔

تاریخی موضوعات پر کالم لکھنے کی ایک دوسری وجہ ادارتی صفحے کے تنوع کو بہتر کرنا تھا۔ادارتی صفحے پر حالاتِ حاضرہ کے تقریباً تمام اہم موضوعات پر بحث ہوجاتی ہے۔اداریے،شذرے اور کالموں میں اکثر ایک ہی قضیے کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل بات ہوجاتی ہے۔اہم واقعے یا حادثے پر متعدد کالم آجاتے ہیں۔تاہم تاریخی پہلو رکھنے والے کالم بہت کم ہوتے ہیں،یعنی ایسے کالم جو ماضی کے آئینے میں حال کے خدوخال واضح کرسکیں۔تاریخی کالم لکھنے سے راقم کی ایک غرض یہ بھی تھی کہ ادارتی صفحے کا تنوع بہتر ہو اور ہر ذوق کے قارئین اس میں زیادہ دلچسپی لیں۔

یہاں یہ عرض کردوں کہ حالاتِ حاضرہ پر لکھنا میرے لیے تاریخی کالموں کی نسبت آسان ہے۔وجہ یہ ہے کہ حالاتِ حاضرہ پر لکھنے کے لیے کسی کتاب کا مطالعہ نہیں کرنا پڑتا۔آدھ گھنٹے میں دو چار تازہ اخبارات دیکھ کر ایک ڈیڑھ گھنٹے میں ایک پورا کالم لکھ دینا آسان سی بات ہے۔ضربِ مومن کے لیے کالم لکھنے میں اب بھی راقم کا تقریباً اتنا ہی وقت صرف ہوتا ہے،مگر جب تاریخ کے کسی پہلو پر لکھنا ہو،تو کتابوں کی طرف رجوع کرنا ہی پڑتا ہے۔باوجود اس کے کہ راقم تین عشروں سے تاریخی کتب کا مطالعہ کرتا چلا آیا ہے،سب کچھ حافظے میں من وعن محفوظ نہیں ہوتا۔احتیاط بھی اسی میں ہے کہ اصل کتب کو دیکھے بغیر نہ لکھا جائے۔اس لیے راقم کے جو کالم روزنامہ اسلام میں لگ رہے ہیں،ان میں سے اکثر کالموں کے لکھنے میں چاہے کم وقت لگا ہو،مگر اس سے پہلے مطالعہ کرنے میں خاصا وقت لگ جاتا ہے۔راقم شروع میں عبارت کے ساتھ محولہ کتب کی جلد نمبر اور صفحہ نمبر سمیت پورے پورے حوالے بھی دیتا تھا مگر پھر بعض صحافی دوستوں نے کہا کہ اس سے ''کالم'' کالم نہیں رہتا جس میں ہلکا پھلکا ہونا شرط ہے، بلکہ کسی علمی جریدے کا بھاری بھرکم تحقیقی مضمون بن جاتا ہے۔ان دوستوں کے مشورے پر عبارات کے بیچ میں حوالہ جات کا سلسلہ ختم کردیا گیا،البتہ عموماً اختتام پر بعض مآخذ کی طرف اشارہ کردیا جاتا ہے۔

اپریل 2011ء سے اب تک روزنامہ اسلام میں جو تاریخی کالم شائع ہوئے ہیں،انہیں جمع کیا جائے تو ایک پوری کتاب بن جائے گی۔ان میں بہت سے کالم ایسے ہیں جن میں تاریخ کو

بحیثیتِ تاریخ بیان نہیں کیا گیا، بلکہ ماضی اور حالاتِ حاضرہ میں تطبیق کے بعد اسباق وعبر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، مگر بہت سے کالم ایسے بھی ہیں جن میں کسی تاریخی واقعے کی تحقیق ہی مقصود تھی، جس کے متعلق قارئین شکوک وشبہات کا شکار تھے۔ بعض کالم ایسے موضوعات پر لکھے گئے جن پر کسی سیکولر یا نادان صحافی نے غلط اور خلافِ تحقیق طبع آزمائی کی تھی۔ راقم انہیں آئینہ دکھانے پر مجبور ہوگیا۔ بہت سے موضوعات ایسے تھے کہ جن کے متعلق قارئین ہی کی جانب سے استفسار کیا گیا کہ اس بارے میں تاریخی حقائق سے ہمیں آگاہ کیا جائے۔ اس قسم کے کالموں میں چونکہ متعلقہ کئی پہلو سامنے لانا ہوتے ہیں، اس لیے قدرتی طور پر یہ کالم کئی کئی قسطوں پر پھیل گئے۔

قارئین کے خطوط اور برقی پیغامات سے ہی معلوم ہوا کہ کالموں کے اس سلسلے میں تاریخ کے بہت سے ایسے گوشے ان کے سامنے آئے ہیں جن سے وہ بالکل ناواقف تھے یا اس بارے میں ان کی معلومات سطحی تھیں۔ بہت سے قارئین ایسے بھی تھے جو سیکولر اور گمراہ قسم کے مصنفین کی کتب پڑھ کر بہت سے تاریخی واقعات کے بارے میں غلط ذہنیت اختیار کیے ہوئے تھے۔ الحمدللہ ان سب کو ان کالموں سے بہت فائدہ ہوا۔ اگر چہ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو بعض کالموں پر معترض ہوئے مگر ایسی مثالیں کم ہیں۔ بعض مخلصین کی طرف سے اب ایک رائے یہ دی جارہی ہے کہ آپ اپنے پرانے رنگ پر آجائیں اور حالاتِ حاضرہ کو ہی موضوع بنائیں۔ اس سے لوگوں کو زیادہ فائدہ ہوگا، کیونکہ تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے کم ہیں اور حالاتِ حاضرہ کے بارے میں تبصرے پڑھنے والے زیادہ۔ میرے لیے اپنے تمام قارئین قابلِ احترام ہیں اور سب کی رائے میرے لیے اہم ہے۔ تاہم اس فیصلے کے لیے کہ آیا تاریخی رنگ کو باقی رکھا جائے یا حالاتِ حاضرہ کو ترجیح دی جائے، راقم اپنے تمام قارئین سے بطورِ خاص استصواب رائے کرنا چاہتا ہے تاکہ فیصلہ کرنا آسان ہو۔ ایسا نہ ہو کہ طرز تبدیل ہوتے ہی دیگر قارئین کی طرف سے اصرار ہو کہ ہم تو تاریخی کالم پڑھنا چاہتے ہیں اور یہ کہ فلاں فلاں تاریخی موضوع پر لکھا جائے۔

اپنی قیمتی رائے سے آگاہ کرنے کے لیے درج ذیل فون نمبر پر صرف میسج بھیجیں۔ نمبر میرا نہیں، ایک دوست کا ہے۔ اس پر فون نہ کریں، ورنہ انہیں زحمت ہوگی:
0322-5758344 نیز پیغام اس ایڈریس پر ای میل بھی کیا جاسکتا ہے:
rehanbhai@gmail.com (بشکریہ روزنامہ اسلام۔ 9 اکتوبر 2016)

از: اوریا مقبول جان

ایک عظیم تحقیقی کتاب

ایک عمر تاریخ کی راہداریوں میں گھومتے اور اس کی بھول بھلیوں میں سفر کرتے ہوئے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ گزشتہ دو ڈھائی ہزار سال سے مرتبہ تاریخ کے صفحات میں سچ ڈھونڈنا انتہائی مشکل اور تھکا دینے والا عمل ہے۔

جو بھی اس راستے کا راہی بنا اس نے سب سے پہلے اپنے اندر موجود تعصّبات کے بتوں کو پاش پاش کیا' اپنے نظریات اور عقائد کو پس پشت ڈالا' اپنے آباء واجداد اور اسلاف کے بارے میں احترام کے رشتے کو ختم کیا اور پھر وہ اگر تاریخ میں سچ ڈھونڈنے نکلا تو اسے سچ ضرور ملا۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ سچ اسقدر کم ہے کہ انسان کی مرتب کردہ تاریخ کے خزانوں میں اتنا ہی بچتا ہے جتنا چیل کے گھونسلے میں ماس۔ لیکن یہی سچ مقدس ہے' محترم ہے اور لائق اعتبار ہے۔

اسلامی تاریخ کا حال دنیا بھر کی تواریخ سے کہیں زیادہ خراب ہے۔ اس لیے عرب تاریخ سے فن سے بالکل نا آشنا تھے بلکہ ان کے ہاں شاعری نے اسقدر اہمیت اور مقام حاصل کر لیا تھا کہ باقی علوم کی جانب ان کی توجہ ہی نہ گئی۔ سبعہ معلقات' وہ سات قصیدے تھے جو خانہ کعبہ کی دیواروں پر لٹکائے گئے تھے' یہ ان سات بڑے شاعروں کے تھے جنھیں عرب صاحب معلقہ کہتے اور معاشرے میں سب سے اہم مقام عطا کرتے۔

ایک اور فن جس میں یہ طاق تھے وہ انساب تھا' یعنی نام ونسب' نسلی پہچان اور تفاخر۔ صدیوں پرانے اپنے آباء واجداد کے ناموں کی بنیاد پر وہ اپنے شجرے مرتب کرتے' انھیں یاد رکھتے اور فخر کے طور پر اپنے اشعار میں ان کا تذکرہ کرتے۔ چونکہ عرب کا معاشرہ درباروں' شاہی کروفر اور محلات سے کوسوں دور تھا' اس لیے ان کے ہاں کسی نے بھی نیت باندھ کر تاریخ مرتب نہیں کی۔

تاریخ تو بادشاہوں کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ اپنے وجود اور اپنی سلطنت کے امور کوا? نے والی نسلوں تک منتقل کریں اور شاہی مورخ ایک خاص شاہانہ تعصب کے ساتھ تاریخ لکھتا' بادشاہ کے گن گاتا' اس کے دشمنوں کے نقائص بیان کرتا تھا' بلکہ اپنی قوم' نسل'

علاقے اور زبان کے حوالے سے ہر تعصب کو ذہن میں رکھ کر تاریخ مرتب کرتا تھا۔

اسلام کی تاریخ کا سب سے بڑا سچ یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی خلفاء حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ میں کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جسے اس بات کا ذرا سا بھی شوق ہو کہ ان کے ادوار کی تاریخ مرتب ہو یا ان کے کارنامے کتابوں کی زینت بنیں۔ وہ تو خلافت کو ایک بار امانت تصور کرتے ہوئے ہر وقت اللہ کے سامنے جوابدہی کے خوف سے لرزتے رہتے تھے۔

دنیا کی دو عالمی طاقتوں کو شکست دے کر ان کے علاقوں پر حکمرانی کرنے والے ان خلفاء کا نہ کوئی دربار تھا اور نہ ہی محل' بلکہ اتنی بڑی سلطنت کا کوئی سیکریٹریٹ تک نہیں تھا جب کہ روم اور ایران دونوں کے وسیع سیکریٹریٹ تھے۔ رومی علاقے شام و مصر اور ایرانی علاقے عراق' آذربائیجان' ایران وغیرہ میں کتنے ایسے مورخین اور قلم کار تھے جو بادشاہوں کی تاریخ مرتب کرتے' قصیدے کہتے اور اپنی روزی روٹی کا بندوبست کرتے۔

یہ سب کے سب چشم زدن میں بیروزگار ہو گئے۔ دونوں خطوں کے لوگ عربوں کو اپنے سے کمتر' پسماندہ اور تہذیب سے عاری تصور کرتے تھے' بلکہ ایرانیوں کا یہ فخر تو مدتوں قائم رہا اور شاہنامہ فردوسی میں یہ اس قدر کھل کر سامنے آیا کہ اس کے اشعار میں جا بجا مسلمان فاتحین کو عرب کہہ کر نفرت بھرے اشعار لکھے گئے

شیر شتر خوردن سو سمار
عرب را بجائے رسید است و کار
کہ تخت کیہاں را کنند آرزو
تفو بر توای چرخ گرداں تفو

ترجمہ: ''اونٹنیوں کا دودھ پینے اور گوہ کا گوشت کھانے والے عربوں کو یہ کیا ہو گیا ہے کہ یہ کیہان یعنی ایران کے تخت کی آرزو کرنے لگے ہیں۔ اے ٹیڑھی چال والے آسمان تم پر نفرین ہے''۔

یہی وجہ ہے کہ وہ تمام علاقے جہاں سید الانبیاءؐ کے صحابہؓ اسلام لے کر پہنچے وہاں کی مادری زبان تک عربی ہو گئی۔ عراق' شام' اردن' مصر' تیونس' الجزائر وغیرہ میں کبھی عربی نہیں بولی جاتی تھی لیکن آج وہ عرب دنیا کا حصہ ہیں۔ ایرانیوں نے اپنی تہذیب کا تشخص

برقرار رکھنے کے لیے پوری جدوجہد اور سرتوڑ کوشش کی۔ اسی ایرانی تہذیب کے خوشہ چین اور اس کی مدح سرائی میں گم کتنے مورخ، شاعر، ادیب ایسے تھے جو حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

یوں مسلمان جو فن تاریخ سے نا آشنا تھے اور اپنے عقائد کی بنیاد قرآن اور رسول اکرمؐ کی سنت پر رکھتے تھے ان کے ہاں کتب تاریخ کا رواج نہ پڑ سکا۔ سنت کا تو ان کے ہاں ایک تسلسل تھا کیونکہ ہر کوئی رسول اکرمؐ کی سنت کو اولاد تک منتقل کرنا چاہتا تھا اور اس کے لیے انھوں نے آپؐ کے ارشادات پر مبنی احادیث کا ایک ذخیرہ بھی مرتب کر لیا تھا۔ یہ ذخیرہ خود رسول برحقؐ کی زندگی میں ہی مرتب ہونا شروع ہو گیا تھا جس کی مثال صحیفہ ہمام ابن منبہ ہے۔

احادیث کے بارے میں انھوں نے کمال احتیاط برتی اور ایک ایک راوی کے کردار، اخلاق اور ایمان وعقیدہ کو بھی زیر بحث لائے۔ لیکن تاریخ کا معاملہ اس کے بالکل برعکس رہا۔ شاہی درباروں کے عادی اور نسلی تعصب سے لتھڑے ہوئے مورخین نے اسلام کی تاریخ مرتب کرنا شروع کی۔ حدیث تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت انس بن مالک اور حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص جیسے اصحابہ نے مرتب کرنا شروع کر دی تھی اور ان کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ لیکن تاریخ کی پہلی کتاب سیرت النبی پر ابن اسحاق کی سیرت ہے جو آپؐ کے وصال کے سو سال بعد لکھی گئی۔

اس وقت امام مالک بن انس مدینہ منورہ میں موجود تھے اور لوگ انھیں رسول اللہ کے دین کے حوالے سے حجت مانتے تھے۔ انھوں نے جب ابن اسحاق کی کتاب دیکھی تو حیرت سے بولے کہ اس نے تو رسول اکرمؐ کے بارے میں بے بنیاد قصے اور نظمیں گھڑی ہیں۔ جس پر محمد بن اسحاق کو مدینہ بدر کر دیا گیا، وہ مصر اور پھر عراق چلا گیا۔

یہ کتاب ناپید ہو گئی لیکن اس کی ایک سو سال بعد تلخیص ابن ہشام نے اپنی کتاب سیرت ابن ہشام میں پیش کی۔ لیکن اس کتاب کو طبری نے اپنی تاریخ میں خصوصی جگہ دی۔ وہ کتاب جسے امام مالک نے بے بنیاد قصوں اور نظموں کی ملاوٹ سے آلودہ کتاب قرار دیا تھا کئی صدیاں گزرنے کے بعد طبری کے ہاں معتبر تاریخی مواد بن گئی اور آج ہر کوئی اس کی بنیاد پر اسلام کی تاریخ پر سوالیہ نشان اٹھاتا ہے۔

آج سے ایک سال قبل 7 جولائی 2015ء کو میں نے طبری کے بارے میں ایک کالم ''ہمارے افسانہ ساز مورخین'' کے نام سے تحریر کیا تھا۔ جس میں اس کی تاریخ کے مواد پر اعتراضات کیے تھے۔ اس کے بعد اخبارات میں ایک طویل بحث چل نکلی۔ میرے سیکولر دوست طبری کے دفاع میں آئے لیکن پھر خاموش ہو گئے جب کہ منبر و محراب سے محمد اسماعیل ریحان صاحب نے کالموں کا ایک سلسلہ ''علامہ طبری۔ مورخ، مجتہد یا افسانہ ساز'' تحریر کیا۔ جس کے جواب میں 4 ستمبر 2015ء کو میں نے ''خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے'' کے عنوان سے کالم تحریر کیا اور طبری کے ان راویوں پر طویل بحث کی جنھیں ائمہ جرح و تعدیل جھوٹے اور کذاب کے طور پر گردانتے ہیں۔

کالموں کا دامن بہت مختصر ہوتا ہے۔ اس میں علمی بحث دلائل کے ساتھ نہیں سمیٹی جاسکتی۔ اس کے لیے موثر تحقیق چاہیے۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میرے ان دو کالموں اور محمد اسماعیل ریحان صاحب کے نو عدد کالموں کو بنیاد بنا کر پروفیسر قاضی طاہر علی الہاشمی نے ساڑھے آٹھ سو صفحات پر مشتمل ایک جامع تحقیق مرتب کر کے چھاپ دی۔ کتاب کا عنوان ہے ''امام طبری کون؟ مورخ، مجتہد یا افسانہ ساز۔ یہ کتاب بہت ہی عرق ریزی اور محنت سے تحریر کی گئی ہے اور تاریخ کے متعصب اور من گھڑت مواد میں سے سچ تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔

پروفیسر قاضی محمد طاہر الہاشمی حویلیاں، ہزارہ کی جامع مسجد میں خطیب بھی ہیں۔ پروفیسر صاحب پبلشنگ کے مراکز لاہور، اسلام آباد اور کراچی سے بہت دور ہیں۔ اس دوری نے ان میں ایک اور طرح کی جرات رندانہ بخشی ہے۔ انھوں نے ہمت کر کے یہ کتاب خود چھاپی ہے اور کمال خوبصورت چھاپی ہے اور قاضی چمن پیرا الہاشمی اکیڈمی، مرکزی جامع مسجد حویلیاں، ہزارہ کے زیر اہتمام طباعت کی گئی ہے۔ کتاب اسقدر وسیع اور تحقیق اسقدر خوبصورت ہے کہ قرون اولیٰ کے مسلمان علماء، فقہا اور فضلاء یاد آجاتے ہیں۔ تاریخ کے کوڑے دان سے سچ کو تلاش کرنے کا یہ کام بہت عظیم ہے۔ مدتوں بعد منبر و محراب اور مدرسے کی چٹائیوں سے ایک اہم کام ہوا ہے۔ (بشکریہ: روزنامہ ایکسپریس ۱۱، ۱۴ اکتوبر ۲۰۱۶ء)

روزنامہ اسلام

16 اکتوبر 2016

پہلی قسط:

کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟

تاریخ کیا ہے؟ کیا تاریخ غیر اسلام علم ہے؟ تاریخ لکھنا اور پڑھنا خلاف اسلام ہے؟ کیا تاریخ ایسی چند کتب کا نام ہے جو کسی رومی یا فارسی مصنف نے لکھی؟ کیا تاریخ کا اطلاق تاریخ الرسل والملوک، البدایہ والنہایہ، تاریخ ابن خلدون اور اکبر شاہ نجیب آبادی کی تاریخِ اسلام پر ہی ہوتا ہے۔ اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو ماننا پڑے گا کہ یہ سوچ بہت ہی سطحی ہے۔

تاریخ گزشتہ واقعات و حالات کا نام ہے۔ تاریخ ہر قوم کا اجتماعی حافظہ ہے۔ جب یہ حافظہ نہ رہے تو پھر قوم کی وہی حالت ہوتی ہے جو حافظے سے محروم کسی بھی مریض کی۔ تاریخ جادو اور رکالے علم جیسا کوئی گھناؤنا علم نہیں۔ ایک شریف، مفید اور معزز علم ہے جس کی ترغیب خود اللہ تعالیٰ نے گزشتہ انبیائے کرام کو بھی دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے متعلق تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

''اور یاد دلاؤ ان کو دن اللہ کے'' (سورۃ ابراہیم: 5)

مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد بنی اسرائیل کی تاریخ کے وہ گزشتہ بڑے بڑے واقعات ہیں جن میں انہیں اللہ کی مدد و نصرت سے فتح یا کوئی اور نعمت ملی یا جن میں وہ شکست یا عذاب سے دوچار ہوئے۔ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہوتا ہے: ''اور پیغمبروں کے وہ سب حالات جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں، ان سے ہم تمہارے دل کو مضبوط رکھتے ہیں۔'' (سورۃ ہود ۱۲۰) قرآن مجید کی درجنوں سورتیں امم ماضیہ کے قصوں کو بیان کرتی ہیں تاکہ ان کے انجام بد سے عبرت پکڑی جائے۔ امت مسلمہ کو سمجھایا جاتا ہے: ''بے شک ان لوگوں کے قصوں میں عقل والوں کے لئے عبرت کا سامان ہے۔'' (سورۃ یوسف: ۱۱۱)

ہمارے نزدیک فن تاریخ کے اصل بانی اہلِ فارس و روم اور یونانی نہیں جن کے پاس چند رزمیہ داستانوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ہماری تاریخ کے بانی خود حضرت آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم ،صحابہ کرام ،تابعین اور محدثین ہیں۔کس طرح؟ تاریخ نام ہے گزشتہ اہم حالات و واقعات کا۔(چاہے فتح کے ہوں یا شکست کے، نعمت کے ہوں چاہے عذاب کے۔اچھے ہوں یا برے۔ان سے حوصلہ ملے یا عبرت حاصل ہو۔)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گزشتہ دور کیا تھا۔از آدم علیہ السلام تا بنو ہاشم۔اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث دیکھ لیجئے۔ایک پورا ذخیرہ مل جائے گا ان احوال کا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پیغمبروں کے بزبانِ خود بیان کیے۔نعوذ باللہ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت آدم ،حضرت موسیٰ ،اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو تو کوئی شوق نہ تھا اپنی شہرت کا،اپنے کارناموں کو دنیا تک پہنچانے کا،پھر یہ واقعات کیوں نقل کیے جاتے ہیں۔

یہی نہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گزشتہ غیر اقوام کے برے لوگوں کے حالات بھی بیان کیے۔عام لوگوں کے واقعات بھی نقل کیے۔بنی اسرائیل کے اندھے، گنجے اور کوڑھی کا واقعہ تو بچہ بچہ جانتا ہے۔یہ کسی یہودی، فارسی ،رومی یا یونانی نے نقل نہیں کیا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا ہے۔کوئی تو وجہ ہوگی اس کی۔ظاہر ہے گزشتہ امت کا کوئی واقعہ چاہے انبیائے کرام کا کیوں نہ ہو تشریعی طور پر بیان نہیں کیا گیا۔اس کی حیثیت تاریخی ہی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی تاریخی واقعات بلکہ زمانہ جاہلیت کے واقعات بھی سنا کرتے تھے۔صحابہ کرام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں سناتے تھے اور آپ مسکراتے رہتے تھے۔(شمائل ترمذی)

صحابہ کرام کے زمانے تک کے تاریخی یعنی گزشتہ حالات کیا تھے؟اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری مبارک زندگی کا اضافہ ہو چکا تھا۔جس کا غالب حصہ تشریعی تھا۔مگر اسی میں ایک حصہ ایسا ہے جو سیرت سے تعلق رکھتا ہے۔بخاری و مسلم کی ''کتاب المغازی'' دیکھ لیں جس کا موضوع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات تاریخی ترتیب سے بیان کرنا ہے۔پھر انہی صحابہ

کرام کے دور میں تاریخی تقویم تیار ہوئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں جب فتوحات پر فتوحات ہوئیں تو مدینہ منورہ کے مرکزی دفتر اور صوبوں کے ذیلی دفاتر میں مراسلوں اور دستاویزات کا انبار لگ گیا۔ یہ معلوم کرنا مشکل ہو گیا کہ کون سی تحریر کس تاریخ کی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے الادب المفرد میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک خط آیا جس پر صرف شعبان لکھا تھا۔ آپ نے فرمایا: یہ کیسے معلوم ہوگا کہ یہ کون سے سال کا شعبان ہے۔ آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا: لوگوں کے لئے کوئی وقت مقرر کر دو، جس سے وہ تاریخ شمار کیا کریں۔ بعض نے کہا: اہل روم کی تاریخ اختیار کر لی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رومیوں کی تاریخ کا شمار بہت طویل ہے، وہ سکندر کے دور سے شمار کرتے ہیں۔ کسی نے کہا: اہل فارس کی تاریخ اختیار کر لیں۔ آپ نے فرمایا: ان کے ہاں ہر بادشاہ کی تخت نشینی پر تاریخ نئے سرے سے شروع ہوتی ہے۔ آخر یہ طے پایا کہ اپنی الگ تقویم رکھی جائے۔ اب سوال اُٹھا کہ کب سے؟ تین آراء سامنے آئیں، حضور اکرم ! کی ولادت سے...... ہجرت سے...... وفات سے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ سناتے ہوئے فرمایا:

"ہجرت سے تقویم کا آغاز کیا جائے کیونکہ اسی سے حق و باطل کے درمیان فرق ہوا۔"

چونکہ ہجرت ربیع الاول میں ہوئی تھی اس لئے بعض کی رائے اسی مہینے کو ہجری سال کا آغاز قرار دینے کی تھی۔ بعض نے ماہ رمضان کی فضیلت کی بناء پر اس کا مشورہ دیا مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: "محرم سے تقویم شروع کی جائے کہ یہ حرمت والا مہینہ ہے۔ یہی سال کا پہلا مہینہ ہے۔ اس میں لوگ حج سے لوٹتے ہیں۔" ان کی رائے کو سب نے بہتر سمجھا اور فیصلہ ہو گیا کہ سال ہجری محرم سے شروع ہوگا۔ یہ واقعہ سن 17 یا 18 ہجری کا ہے۔ یہ ہجری تقویم کا آغاز تھا جو اسلامی تاریخ نگاری کا بنیادی پیمانہ ہے۔

صحابہ کرام خود بھی تاریخی واقعات شوق سے سنتے تھے۔ تاریخی روایات سننے اور نقل کرنے کا ذوق عام کرنے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام نمایاں ہے جن کے ہاں روزانہ عشاء کے بعد تاریخ واقعات کی ایک مجلس لگتی تھی۔ اب آئے تابعین کرام، ان کے

دور تک صحابہ کرام گزر کر تاریخ کا حصہ بن چکے تھے۔ان کے حالات نقل اور جمع کرنا بھی اُمت نے اہم سمجھا۔یہ بھی تاریخ کا حصہ بن گیا۔

اسی طرح طابعین کے حالات تبع تابعین نے جمع کیے اور ان کے حالات بعد والوں نے۔اس طرح اس تاریخی مواد میں اضافہ ہوتا گیا۔اور پھر اسی مواد کو الگ الگ شکلوں میں مرتب کیا جاتا رہا اور مختلف تاریخی کتب سامنے آتی رہیں۔(روزنامہ اسلام ۱۶ اکتوبر ۲۰۱۶)

دوسری قسط:

تاریخ کے بارے میں یہ وضاحت اس لئے کرنا ضروری ہوئی کہ محترم اوریا مقبول جان صاحب نے ایک بار پھر حدود وقیود سے بہت آگے بڑھ کر یہاں تک فرما گئے ہیں کہ

''اسلامی تاریخ کا حال دنیا بھر کی تواریخ سے کہیں زیادہ خراب ہے۔''

جناب کا یہ دعویٰ تین غلط فہمیوں کی بنیاد پر قائم ہے۔پہلی غلط فہمی یہ کہ تاریخ کے راویوں اور رجال پر کوئی کام نہیں کیا گیا۔صرف حدیث کے راویوں پر یہ کام ہوا ہے۔

دوسری غلط فہمی موصوف کو یہ ہوئی ہے کہ تاریخ کی کتب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے ڈیڑھ سو سال بعد منظر عام پر آئیں،جبکہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہی مرتب ہوگئی تھی۔سو ڈیڑھ سو سال بعد والے سیرت نگاروں اور مؤرخین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے حالات بچشم خود نہیں دیکھے تھے۔اس لئے انہوں نے جو کچھ لکھا،وہ قصے کہانیاں ہیں۔حدیث دور نبوت ہی میں لکھ لی گئی تھی۔اس لئے وہ معتبر ہے۔

تیسری غلط فہمی یہ ہے کہ حدیث پر کام کرنے والی جماعت علماء کی تھی جو بڑی دیانت دار تھی،دین کو محفوظ کرنا چاہتی تھی۔تاریخ وسیرت کا کام کرنے والے جماعت درباری منشیوں کی تھی جو بالکل الگ تھی،بددیانت اور خائن تھی اور اس کا مقصد اسلام کو نہیں،اپنی برادری،قبیلے،نسل یا اپنے بادشاہ کو خوش کرنا تھا۔

موصوف کی تینوں غلط فہمیاں اسلامی علوم سے حد درجے ناواقفیت پر مبنی ہیں اور افسوس ناک حد تک خودرائی کا شاخسانہ ہیں۔یہ خواب پریشاں ہیں جو موصوف نے کسی اور عالم کی

سیر کرتے ہوئے دیکھے ہیں۔ حقیقت کی دنیا سے ان باتوں کا کوئی تعلق نہیں۔

پہلی غلط فہمی موصوف کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ فرماتے ہیں: ''احادیث کے بارے میں علماء نے کمال احتیاط برتی۔ ایک ایک راوی کے کردار، اخلاق اور ایمان کو زیر بحث لائے۔''

مگر اگلے ہی سانس میں فرماتے ہیں: ''تاریخ کا معاملہ اس کے بالکل برعکس رہا۔''

موصوف کی یہ بات حقائق کے برعکس ہے۔ جس طرح حدیث کے راویوں کے ایمان، عقیدے، امانت و دیانت یا کذب و ضعف کے حالات محفوظ ہیں، اسی طرح چوتھی پانچویں صدی ہجری تک کے تاریخی راویوں کے حالات بھی حرف بحرف محفوظ ہیں۔ اسماء الرجال کی کتب میں یہ شرط ہے ہی نہیں کہ اس میں راویانِ حدیث کے حالات جمع کیے جائیں گے، تاریخی راویوں کے نہیں۔ علم اسماء الرجال کی کا کام مسلمانوں میں منقول ہونے والی روایات کے ہر ہر راوی کے حالات کو محفوظ کرنا ہے۔ اس سے کوئی غرض نہیں کہ کس نے روایات سنائی ہیں اور کس موضوع پر۔ عقائد پر، تفسیر پر، سیرت پر، سنت پر، فضائل و مناقب پر یا تاریخ پر۔ مقصد صرف ہر اس شخص کے حالات محفوظ کرنا ہے، جس کا کسی سلسلۂ سند میں نام آیا ہے۔ پس جس طرح حدیث کے راویوں کے حالات کی تحقیق کی جاتی رہی ہے، تاریخ کا بھی کوئی راوی علمائے جرح و تعدیل کی زد سے باہر نہیں رہا۔ اور جس طرح حدیث کے راویوں میں ضعیف اور ثقہ موجود ہیں اور علم رجال کے ذریعے ان کی تحقیق کی جاتی ہے، اسی طرح راویانِ تاریخ و سیرت کی بھی تحقیق کی جاتی رہی ہے۔

موصوف کی دوسری غلط فہمی (کہ کتب حدیث بہت پہلے لکھ لی گئیں اور کتب تاریخ بہت بعد میں) اس سے عیاں ہے کہ وہ سنت کے ذخیرے کے متعلق فرماتے ہیں: ''یہ ذخیرہ خود رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں مرتب ہونا شروع ہوگیا تھا، جس کی مثال صحیفہ ہمام بن منبہ ہے۔''

پھر بزعمِ خود نادر انکشاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''لیکن تاریخ کی پہلی کتاب سیرت النبیؐ پر ابن اسحٰق کی سیرت ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے سو سال بعد لکھی گئی۔''

یہ ارشادات بھی جہالت کا نادر نمونہ ہیں، کیونکہ اس حقیقت پر اُمت تواتر کے ساتھ یقین رکھتی ہے کہ پہلی صدی ہجری سے دوسری صدی ہجری کے وسط تک اسلامی علوم کی حفاظت کا اصل

دارومدار حافظے اور سلسلہ اسناد پر تھا۔ جزوی طور پر روایات کو لکھ لینے کی مثالیں موجود تھیں، مگر علم کا انحصار اس پر ہرگز نہیں تھا۔ اسی لئے اس قسم کی املائی صحیفوں کو محفوظ کرنے کی بھی کوشش نہیں کی گئی اور یہی وجہ ہے کہ خلفائے راشدین سمیت کسی صحابی کی کوئی تالیف ہمارے پاس نہیں پہنچی۔ بلکہ ہزاروں تابعین میں سے بھی صرف ایک تابعی ہمام بن منبہ کا صحیفہ ملتا ہے، جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی فقط ۱۴۸/ روایات پر مبنی ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے صحیفہ صادقہ کا ذکر ضرور آتا ہے، مگر کتابی شکل میں وہ بھی اُمت تک نہیں پہنچا۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایات بھی زبانی سنداً امت تک پہنچی ہیں جو کتب حدیث میں منقول ہیں۔

اس وضاحت کے بعد اویا صاحب دیکھیں کہ وہ اپنے بیانات کی روشنی میں کہاں کھڑے ہیں۔ اگر ان کے نزدیک وہی مواد معتبر ہوسکتا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے دور میں لکھ لیا گیا ہو اور اسی وقت سے کتابی شکل میں نقل ہوتا چلا آیا ہو تو انہیں چاہئے کہ اپنے اصول کے مطابق صحیفہ ہمام بن منبہ کی ۱۴۸/ روایات پر ہی اکتفا فرمائیں۔ مجتہد بن کر وضو، نماز، زکوٰۃ، حج، قربانی وغیرہ کے تمام مسائل بھی انہی روایات سے اخذ فرمائیں۔ اس تمام ذخیرہ حدیث کو ناقابل اعتماد سمجھیں جس کا مدار دوسری اور تیسری صدی ہجری تک محض زبانی نقل در نقل پر ہے۔ کیونکہ حدیث کا پہلا کتاب شکل میں مجموعہ یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کتاب الآثار لگ بھگ سوا صدی بعد منظر عام پر آیا ہے۔ اور یہی وہ دور ہے جس میں محمد بن اسحٰق کی سیرت لکھی گئی ہے۔ امام مالک کی مؤطا اس کے بعد منصۂ شہود پر آئی ہے۔ صحاح ستہ کا تو ذکر ہی کیا جو تیسری صدی ہجری میں مرتب ہوئی ہیں۔ آن محترم کے معیار کے مطابق کیونکہ ان حضرات میں سے کوئی بھی دور نبوت یا دور صحابہ کا نہیں تھا، اس لئے یہ سارا ذخیرہ قصے کہانیاں شمار ہونا چاہئے۔

لیکن اگر ایسا نہیں بلکہ ڈیڑھ دو صدی بعد سینہ بہ سینہ اور زبانی نقل ہونا والا غیر تحریری مواد بھی (جس سے صحاح ستہ سمیت تمام کتب حدیث مرتب ہوئیں) پوری طرح قابل اعتماد ہے تو یہ کہہ کر صرف سیرت نبویہ اور تاریخ پر پانی پھیرنے کی کیا تُک ہے کہ "تاریخ کی پہلی کتاب سیرت النبی پر ابن اسحٰق کی سیرت ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے

سو سال بعد لکھی گئی۔"اور ایسے میں جناب کا علمائے اسلام کے متعلق یہ غلط بیانی کرنے کا کیا وزن رہ جاتا ہے کہ "ان کے ہاں کتب تاریخ کا رواج نہ پڑ سکا"

بھلا ہمیں بھی تو پتا چلے کہ کس صدی تک رواج نہ پڑنا مراد ہے؟ اگر پہلی صدی مراد ہے تو اس وقت کتب حدیث کا رواج بھی نہیں تھا۔اگر دوسری صدی مراد ہے تو اس وقت کتب تاریخ کا رواج بھی پڑ چکا تھا،امام بخاری نے ابھی صحیح بخاری مرتب نہیں کی تھی کہ اس سے بہت پہلے ان کے استاذ امام خلیفہ بن خیاط "نیت باندھ کر" پہلی باقاعدہ سنہ وار اسلامی تاریخ لکھ چکے تھے، جو آج بھی ہر کتب خانے میں موجود ہے۔تاریخی روایات کا نہایت منضبط ماخذ طبقات ابن سعد جو آٹھ جلدوں میں ہے،وہ بھی بخاری ومسلم سے بہت پہلے مشہور ہو چکا تھا۔ان مثالوں کے ہوتے ہوئے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں کے ہاں کتب تاریخ کا رواج نہیں پڑ سکا۔(روزنامہ اسلام 17 اکتوبر 2018)

تیسری اور آخری قسط:

"موصوف کی تیسری غلط فہمی جو در اصل ایک شدید قسم کی بدگمانی ہے،اور وہی ان کی کج فکری کی اصل جڑ ہے، یہ ہے کہ حدیث پر کام کرنے والی جماعت علماء کی تھی الگ تھی اور تاریخ وسیرت کا کام کرنے والی جماعت الگ۔اور یہ کہ تاریخ وسیرت پر کام کرنے والی جماعت عجمی تھی،نسلی تعصب کا شکار تھی۔

دینی مدارس کا ایک معمولی فاضل بھی جانتا ہے کہ قرآن،حدیث،فقہ،سیرت،رجال، علم تاریخ،ان سب علوم پر کام کرنے والی اہل حق کی ایک جماعت ہے، جو الحمدللہ شروع سے ایک چلی آرہی ہے۔علوم میں تخصص کے لحاظ سے امتیاز اس وقت بھی تھا اور آج بھی ہے مگر تابعین کرام، ائمہ حدیث اور ماہرین جرح وتعدیل میں کی بہت بڑی تعداد بیک وقت محدث،فقیہ،سیرت نگار اور مؤرخ بھی تھی۔اسی لئے سیرت اور تاریخ کے سینکڑوں راوی حضرات کتب حدیث میں بھی جگہ جگہ دکھائی دیں گے،اسی طرح حدیث کے سینکڑوں راوی، تاریخ اور سیرت کی کتب میں دکھائی دیں گے۔(یہ بات اپنی جگہ ہے کہ معیار اور مقام کے

لحاظ سے تمام راوی یکساں نہیں جیسا کہ ہر علم کے علماء میں فرقِ مراتب ہوتا ہی ہے۔) جن تاریخی راویوں کو کالم نگار موصوف نے ''نسلی تعصب سے لتھڑے ہوئے'' کہا ہے، ان کی اکثریت شریف النسل عرب تھی۔امام طبری سے نصف صدی پہلے اسلامی تاریخ پر آٹھ جلدیں لکھنے والے امام محمد بن سعد (م 230ھ) قریشی، ہاشمی تھے۔خلیفہ بن خیاط (م 240ھ) جو اپنے شاگرد امام بخاری سے پہلے اپنی تاریخ کو رواج دے چکے تھے، عرب تھے۔جن مؤرخین اور سیرت نگاروں کو جھوٹا قرار دینے کے لئے ''عظیم تحقیقی کتاب'' والے بزرگ نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے، ان میں سے کئی وہ ہیں جن پر نہ صرف سیرت اور دورِ صحابہ کی اکثر تاریخی روایات بلکہ احادیث کے ایک بڑے حصے کا دارومدار ہے۔ان میں ایک بڑی تعداد تابعین کرام اور ایسے محدثین کی ہے جن سے فقط امام طبری ہی نے نہیں، بلکہ امام بخاری، امام مسلم، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام طحاوی جیسے جبالِ علم نے بھی روایات لی ہیں۔

ان میں سے ایک قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ ہی کو لے لیں جن سے تاریخی روایات بکثرت منقول ہیں۔یہ بھی نسلاً عرب ہیں۔ساری زندگی صحابہ کی خدمت کی۔یہ واحد تابعی ہیں جنہوں نے عشرہ مبشرہ میں سے نو کی شاگردی کی ہے۔''عظیم تحقیقی کتاب'' میں تو انہیں منکرالحدیث قرار دیا گیا ہے۔مگر انہی قیس بن ابی حازم سے صحیح مسلم میں ۱۴، ابوداؤد میں ۳، ترمذی میں ۱۸، نسائی میں ۲، ابن ماجہ میں ۴ احدیثیں لی گئی ہیں۔امام بخاری نے تو کمال ہی کر دیا کہ ان سے ۲۱ روایات لی ہیں۔ائمہ اربعہ نے بھی ان کی روایات کو قبول کیا ہے۔مؤطا مالک میں ان کی ایک، کتاب الاثار (امام ابو یوسف) میں ایک، مسند امام شافعی میں چار، اور مسند احمد میں ۷۱ روایات نقل کی گئی ہیں۔امام احمد کو ان پر اتنا اعتماد ہے کہ اپنی مسند میں ان سے بعض روایات وہی لی ہیں جو امام طبری نے ماءحوآب کے حوالے سے نقل کی ہیں جن کا نقل کرنا ''عظیم تحقیقی کتاب'' کی روشنی میں سخت گناہ بلکہ گمراہی قرار پایا ہے۔اب ایسی ''تحقیقات'' کرنے اور انہیں ماننے والوں کے دین وایمان کا تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ بخاری شریف کی ۲۱، مسلم کی ۱۴، مسند احمد کی ۷۱ اور مسند امام شافعی کی ان چار احادیث کو یکسر مردود قرار دیں اور ان محدثین اور ائمہ مجتہدین کو بھی انہی مؤرخین کی صف میں لا کر خائن شمار کریں یا بہت رعایت

مطلوب ہوتو فنِ حدیث اور فنِ رجال سے ناواقف سمجھیں۔یہ تو ہوا صرف ایک قیس بن ابی حازم کو لے کر موصوف اور موصوف کے ممدوح کی تحقیقات کا ثمرہ۔

ان اخباری حضرات میں عروہ بن زبیر بھی تھے۔کیا وہ عجمی النسل تھے؟صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نواسے تھے۔ان کی روایات کا بہت بڑا حصہ سیرت اور صحابہ کی تاریخ پر ہی تو مشتمل ہے۔انہی بزرگوں میں امام ابن شہاب الزہری بھی تھے۔عجمی نہیں قریشی تھے۔اولین مؤرخین اسلام میں سے ایک ہیں جن سے امام طبری سمیت مؤرخین نے بے دریغ سیرت اور تاریخ کی روایات لی ہیں۔یہی زہری صحیح مسلم کی چار سو سے زائد اور بخاری شریف کی چھ سو سے زائد احادیث کے روای ہیں۔کیا زہری اور ان سے استفادہ کرنے والے محدثین بھی ''ٹھٹھرے ہوئے'' تھے؟

اب محمد بن اسحٰق کو دیکھئے۔محمد بن اسحٰق بن یسار بن خیار۔پورا شجرہ نسب ہی عربی ہے۔رہے بھی بچپن سے مدینہ میں۔تابعی ہیں۔مکحول، قاسم بن محمد اور سعید بن المسیب کے شاگرد ہیں۔علی بن مدینی فرماتے ہیں:''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا دارومدار چھ افراد پر ہے اور ان چھ کا دارومدار بارہ راویوں پر ہے جن میں سے ایک محمد بن اسحٰق ہیں۔''(جان صاحب کا دل چاہے تو کسی کی ایک آدھ کی جرح کا پتھر اٹھا کر علی بن مدینی جیسے جرح وتعدیل کے امام پر بھی دے ماریں) مگر یہ بات یہیں تک نہیں رکے گی، ان تحقیقاتِ جدیدہ کے بانیوں سے ان کے پیروکار یہ سوال ضرور کریں گے کہ جب بخاری و مسلم سمیت کوئی بھی (کتب)حدیث مردود روایات سے محفوظ نہیں تو سارا ذخیرہ حدیث ہی مشکوک ہوگیا ہے۔اس کی صفائی اور تدوینِ حدیث کا کام ازسرِ نو شروع کریں۔اس طرح اصلاح دین اور دفاع شخصیاتِ مقدسہ کے نام پر پورے دین کی عمارت ہی ڈھادی جائے گی تب ہی کہیں جا کر تحقیقات کا بھوت اترے گا۔

آخر میں ایک مسلمہ نکتے پر بات ختم کرتا ہوں۔یہ تو موصوف کالم نگار بھی مانتے ہیں کہ علم الرجال معتبر ہے اور اسی کے ذریعے حدیث کی حفاظت ممکن ہوئی ہے جیسا کہ وہ علمائے رجال کے متعلق فرماتے ہیں۔:''ایک ایک راوی کے کردار، اخلاق اور ایمان کو زیر بحث لائے۔''سوال یہ ہے کہ یہ علم رجال کیا آسمان سے نازل ہوا تھا۔نہ یہ وحی ہے، نہ یہ حدیث ہے۔یہ لوگوں کے

اقوال ہیں جو لوگوں کے بارے میں ہیں۔ لوگوں کے حالات کا یہ علم تاریخی مواد ہی تو ہے۔ اگر یہ فلسفہ مان لیا جائے کہ تاریخ غیر معتبر ہے تو فن رجال کہاں جائے گا جس میں ایک بہت بڑا حصہ اخباری راویوں کی روایات اور انسانی آراء کا ہے۔ علم رجال کا انتہائی اہم ماً خذ محمد بن سعد کی ''الطبقات الکبریٰ'' ہے۔ بعد کے تمام ائمہ فنِ رجال نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ اس کا بیشتر مواد تاریخی روایات پر ہے۔ اس میں صحیح السند روایات کے ساتھ ساتھ محمد بن اسحٰق اور واقدی سمیت سینکڑوں ضعیف راویوں سے مروی ہزاروں روایات ہیں۔ محمد بن سعد شخصیات کا ذکر کر کے آخر میں اپنی رائے بتاتے ہیں کہ وہ ثقہ مانا گیا ہے یا ضعیف۔ یہ محمد بن سعد، واقدی کے سب سے نامور شاگرد ہیں جو علماء اسلام کے نزدیک معتبر مؤرخ اور ہمارے جدید محقق کے نزدیک سبائی ایجنٹ تھے۔ اسی طرح بعد میں مدوّن کی گئی فنِ رجال کی کتب جن میں تمام آراء کو جمع کیا گیا ہے دیکھ لیں، مثلاً سیر اعلام النبلاء۔ اس کا بہت بڑا حصہ تاریخی اسناد کی روایات پر مشتمل ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ فنِ رجال کے ان جلیل القدر ائمہ نے ایسی کتب بھی مدون کی ہیں جن میں بیک وقت تاریخ بھی ہے اور علم رجال بھی۔

رجال کے سب سے بڑے امام جن کے کاندھوں پر اس علم کی عمارت کھڑی ہے، حافظ شمس الدین ذہبی ہیں۔ ۴۵ جلدوں میں ان کی تاریخ الاسلام اٹھا کر دیکھ لیں۔ ہر جلد میں دو حصے کیے گئے ہیں۔ ایک حصے میں تاریخی واقعات سن وار اور باقاعدہ ''نیت باندھ کر'' نقل کئے گئے ہیں۔ محمد بن اسحٰق، زہری، طبری، بلاذری، سبھی کی روایات نہایت عمدہ ترتیب سے لی گئی ہیں۔ دوسرے حصے میں رجال کا علم ہے۔ راویوں اور شخصیات پر بھرپور بحث کی گئی ہے۔ اب اگر کوئی خود کو حافظ ذہبی سے بڑا، ماہر رجال سمجھتا ہے اور اس کا خیالِ خام یہ ہے کہ ان جیسے علماء کو تو کچھ پتا ہی نہیں تھا کہ وہ کیا کچھ جمع کرتے چلے گئے اور کس کس کو ثقہ ہونے کی سند پکڑاتے گئے اور یہ کہ تاریخ کی کمزوریوں کو آج ''عظیم تحقیقی کتاب'' والے موصوف نے پرکھا ہے، تو وہ کس منہ سے سنت کو محفوظ سمجھنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ ایسی ذہنیت والے کے لئے بس دعائے ہدایت ہی کی جا سکتی ہے۔ (بشکریہ روزنامہ اسلام ۱۸ اکتوبر ۲۰۱۶ء)

مصطفیٰ کمال سے طیب اردوان تک

اعتذار: راقم کے کالم ''کیا تاریخ غیر اسلامی علم ہے؟'' کی تیسری قسط کے دوران ''عظیم تحقیقی کتاب'' میں قیس بن ابی حازم کے غیر ثقہ ہونے کا ذکر کیا گیا تھا۔ بعد میں بعض قارئین کے توجہ دلانے اور غور کرنے سے پتا چلا کہ یہ بالکل غلط تھا۔ مذکورہ کتاب میں قیس بن ابی حازم کا ذکر نہیں ہے۔ راقم اس غلطی پر قارئین سے معذرت خواہ ہے۔ توجہ دلانے والوں کو اللہ جزائے خیر دے۔ (روزنامہ اسلام ۲۹ نومبر ۲۰۱۶ء)

محتویات

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی کی علمی و تحقیقی کتب

نمبر شمار	نام کتاب	صفحات
1	اصلاح معاشرہ	96
2	تحقیق نکاح سیدہ	144
3	اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کون؟ طبع جدید مع اضافات	448
4	فرقہ مسعودیہ نام نہاد جماعت المسلمین کا علمی محاسبہ	240
5	حدیث حوأب کا مصداق کون؟	144
6	حدیث کلاب حوأب کا تاریخی، تحقیقی اور علمی محاکمہ	608
7	سرگزشت ہاشمی (سوانح قاضی چن پیر الہاشمی)	344
8	حج مبرور	448
9	کھلا خط بنام مولانا اللہ وسایا	52
10	زلزلہ لولاک اور آفٹر شاکس	368
11	عمر عائشہؓ پر تحقیقی نظر......ایک تقابلی مطالعہ	448
12	شیعیت......تاریخ و افکار	824
13	سقوط جامعہ سیدہ حفصہؓ	908
14	تعارف سیدنا معاویہؓ	96
15	تذکرہ سیدنا معاویہؓ	488
16	سیدنا معاویہ رضی اللہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ	576
17	عقیدہ امامت وخلافت راشدہ	832
18	ملی یکجہتی کونسل......ایک تنقیدی جائزہ	432
19	سیدنا معاویہؓ کے ناقدین۔طبع جدید مع اضافات	464
20	امام طبری کون؟ مفسر، مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز	832
21	توضیحات امام طبری کون؟ المعروف بہ کھلا خط بنام چیف ایڈیٹر روزنامہ اسلام	400
22	سیدنا مروانؓ شخصیت و کردار (زیر طبع)	576
23	گلزار یوسف اور توہین انبیاء (زیر طبع)	
24	روداد مقدمات (زیر ترتیب)	

بسلسلہ دفاع ناموس انبیاء عظامؑ وصحابہ کرامؓ

امام طبری کون؟

مؤرخ مجتہد یا افسانہ ساز

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

امام طبری کون؟
مؤرخ مجتہد یا افسانہ ساز
پروفیسر قاضی
محمد طاہر علی الہاشمی





قاضی چمن پیر الہاشمی اکیڈمی
سیدنا معاویہؓ چوک حویلیاں ایبٹ آباد